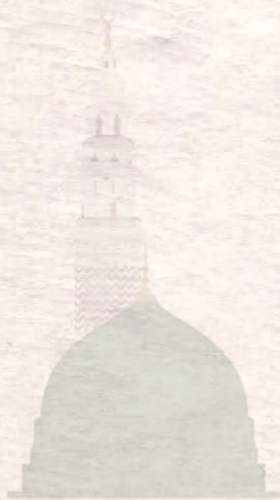
سبع سنابل

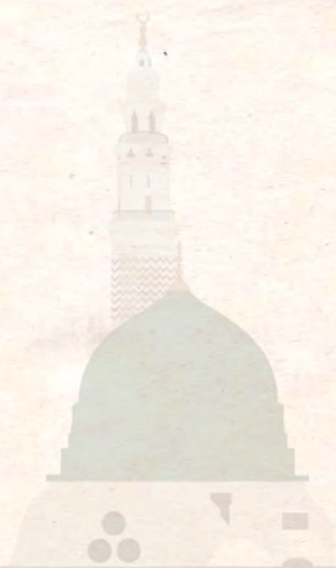
اردو

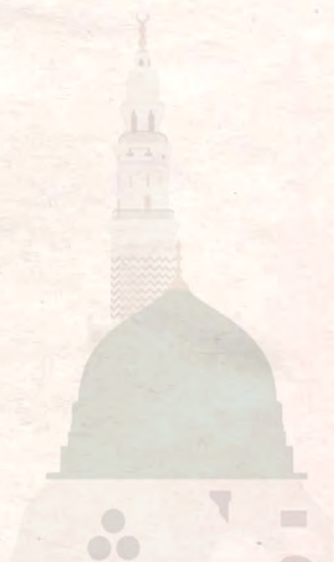
مصنف

میر عبدالواحد بلگرامی

فرید بُک سٹال ۳۸۔اُردو بازار لاہور







سبع سنابل

جسے بارگاہِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا میں شرفِ قبول حاصل ہوا

مصنّف

میر عبدالواحد بلگرامی

مترجّم

مُفتی محمّد خلیل خاں برکاتی

مقدّمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر محمّد ایوب قادری

ناشر

حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل ۳۸۔ اُردو بازار۔ لاہور

كتاب ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ سبع سنابل

مصنف ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ میر عبدالواحد بلگرامی

مترجم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ مفتی محمّد خلیل خاں برکاتی

مصحّح ـ ـ ـ ـ ـ ـ محمّد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری

مطبع ـ ـ ـ ـ ـ ـ عالمین پرنٹرز لاہور

خوشنویس ـ ـ ـ ـ ـ ـ غلام رسول

ناشر ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ سیّد حامد لطیف چشتی

قیمت ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ روپے

عرضِ ناشر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حامد اینڈ کمپنی نے اشاعتِ کتب کا کام خدمتِ دین کے جذبے سے شروع کیا ہے اور انشاء اللہ اسی جذبے کے طفیل منزلیں طے کی جائیں گی۔

اولیائے کرام نے اپنی زندگیاں دین کی تبلیغ کرتے، لوگوں کو خدائے واحد کے در پر جھکانے اور انہیں پاکیزگی اور نیکی کی تعلیم دینے میں گزار دیں۔ ضرورت ہے کہ انہی تعلیمات کو عام کیا جائے، وہی جذبے دلوں میں بیدار ہوں اور اسی طرح قلوب کی صفائی ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اولیاء اللہ کا ذکرِ خیر، ان کی تعلیمات اور فیض کو عام کرنا چاہیئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگانِ چشت نے جس طرح تعلق باللہ کی کیفیتیں پیدا کیں، جس طرح دینِ اسلام کو لوگوں کی روح وجان میں سمویا، اس سے دنیا واقف ہے۔ حامد اینڈ کمپنی انشاء اللہ اولیائے چشت کے اذکار و افکار پر مشتمل لٹریچر کی اشاعت کرے گی۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کی شہرۂ آفاق تصنیف "سبع سنابل" اسی مقصد سے چھاپی جا رہی ہے۔ اس عظیم کتاب میں مذہبِ حقہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ صوفیاء کرام کا اس سلسلے میں علماءِ دین سے مکمل اتفاق واضح کیا گیا ہے۔ پیری مریدی کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ محبوبانِ باری تعالیٰ کی خصوصیات اور حقائق ومعرفت کے آثار کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے

لے کر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے سب اکابر کا ذکر کیا گیا ہے۔

حامد اینڈ کمپنی نے اس کتاب کے مندرجات کی اہمیت و افادیت کے علاوہ اس وجہ سے بھی اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے کہ اکابر کے بیان کے مطابق اس تصنیف کو بارگاہِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کی سند مل چکی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانا اور اس میں موجود حقائق و معارف سے لوگوں کو مستفید کرنا ذاتِ محبوب باری (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خوشنودی کا باعث ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد خلیل خاں برکاتی مارہروی مدظلہ نے اس تصنیفِ لطیف کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ مشہور محقق و ادیب جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس پر فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے۔ بعض دوستوں نے عمل کے ذریعے اور بعض نے زبان سے ہمت بڑھائی ہے ——— ان سب کے لیے دعا ہے کہ ان کی کوششوں کا اجر عاقبت میں ان کی بہتری کی صورت میں ملے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ کتاب سے استفادے کے بعد بزرگانِ چشت کی ارواح کو ایصالِ ثواب کریں اور حامد اینڈ کمپنی کے ارکان کے لیے دعا کریں کہ انہیں ایسے مزید نیک کام کرنے کی توفیق ملے۔

مرشدی و مولائی حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین صاحب زیبِ آستانۂ عالیہ سیال شریف کی نظرِ کرم کا متمنّی۔

سیّد حامد لطیف

فہرست



مقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، صدر شعبہ اردو فیڈرل گورنمنٹ اردو کالج کراچی

پورب کی سرزمین علم و فضل اور شعر و ادب کے اعتبار سے نہایت زرخیز رہی ہے۔ یہاں سے علوم و فنون کے وہ سوتے پھوٹے کہ گلشنِ معارف و ادب میں بہار آ گئی اور یہ خطہ افاضل و اکابر کا مسکن و مرکز بن گیا۔ جونپور، لکھنؤ اور الٰہ آباد تو خیر مرکزی شہر تھے وہاں درس گاہیں اور دار العلوم قائم تھے۔ اِن بلادِ عظیمہ سے عالم گیر شہرت کے مشاہیر اُٹھے۔ شہروں کے علاوہ چریا کوٹ، کاکوری، سندیلہ، موہان، مبارک پور، کچھوچھہ، خیرآباد، لاہرپور، بلگرام وغیرہ نہ جانے کتنے ایسے قصبات و قریات تھے جہاں ماہرین علوم و فنون اور اصحابِ علم و فضل درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ہنگامے برپا کیے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ نے پورب کو شیراز کہا تھا۔

بلگرام ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ شمس الدین التمش کے عہدِ اقتدار میں مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے اور اس سرزمین پر اسلامی تہذیب و تمدن کا علم لہرانے لگا۔ مسلمانوں کے بہت سے قبیلے یہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان ہی میں ساداتِ فریدیہ کا بھی ایک خاندان تھا جس میں نامور امرا، عمائد، علما، صوفیہ، شعرا اور ادبا گزرے ہیں، اور یہ روایت کچھ ایسی ساعتِ سعید میں قائم ہوئی کہ بلگرام کی سرزمین ہر دور میں کوئی نہ کوئی گوہرِ آبدار پیدا کرتی رہی ہے۔ میر عبد الجلیل (ف ۱۷۲۵ء) بلگرام کی تعریف میں لکھتے ہیں [۱]

---

۱ امواج الخیال از میر عبد الجلیل بلگرامی بحوالہ تاریخ خطۂ پاک بلگرام از قاضی شریف الحسن بلگرامی (علیگڑھ ۱۹۵۸ء)

سبحان اللہ چہ بلگرامے ‏ ‏ ‏ ‏ کوثر مئے آفتاب جامے
خاکش گل نوبہار عشق است ‏ ‏ ‏ ‏ آبش مئے بے خمار عشق است
از عشق سرشت ایزد پاک ‏ ‏ ‏ ‏ از روز ازل خمیر ایں خاک
ہر گل کہ دمیدہ است زیں خاک ‏ ‏ ‏ ‏ خونی جگریست پیرہن چاک

میر عبدالجلیل بلگرامی کے فرزند میر سید محمد شاعر مدح بلگرام میں رقم طراز ہیں ؎[1]

سیر باید کرد یاران، نوبہار بلگرام ‏ ‏ ‏ ‏ بر زمرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام
ہر نفس عطر گلستان یمن بو می کند ‏ ‏ ‏ ‏ خوش دماغاں از نسیم مشکبار بلگرام
اہل معنی کسب انوار سعادت می کنند ‏ ‏ ‏ ‏ از سواد اعظم دولت مدار بلگرام
یاد ہندوستان کجا از خاطر طوطی رود ‏ ‏ ‏ ‏ می کند شاعر بجا وصف دیار بلگرام

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (ف ۱۹۲۱ء) سرزمین بلگرام کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ؎[2]

اللہ اللہ عز و شان و احترام بلگرام ‏ ‏ ‏ ‏ عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
روز عرس آوارگان دشت غربت کیلئے ‏ ‏ ‏ ‏ من و سلوی ہیں مگر خبز و ادام بلگرام
آسماں عینک لگا کر مہر و مہ کی دیکھ لے ‏ ‏ ‏ ‏ جلوۂ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام
تھا "بما استجبت بلدۃ" کا پاسخ بالکرام ‏ ‏ ‏ ‏ مرکز دیں میں ٹھہرا یہ نام بلگرام[3]
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے ‏ ‏ ‏ ‏ خندہ ہائے گل ریحان و لالہ فام بلگرام
لائی ہے اس آفتاب دین کی تحویل جلیل ‏ ‏ ‏ ‏ ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

میر عبدالواحد بلگرامی آسمانِ علم و فضل اور تصوف و سلوک کے وہ نیر اعظم تھے کہ جن کے علم و معرفت کی ضیاباریوں سے ایک عالم روشن ہو گیا ۔ وہ اپنے دور کے نامور شیخ طریقت اور مشہور مصنف و شاعر تھے ۔

---

۱ ۔ اصح التواریخ جلد اول از مولانا محمد میاں قادری مارہروی (خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ھ) ص ۹۱

۲ ۔ اصح التواریخ جلد اول ص ۹۲ (بحوالہ قلمی بیاض فاضل بریلوی)

۳ ۔ یہ شعر اصح التواریخ (جلد اول ص ۹۲) میں مسخ ہو کر چھپا ہے ۔ فاضل بریلوی کے کلام

باقی اگلے صفحہ پر

میر عبدالواحد کے والد میر ابراہیم بن قطب الدین بن ماہرو بن میر بڈھ بلگرامی تھے میر بڈھ وہ بزرگ تھے جو بلگرام سے ترکِ سکونت کرکے باڑی چلے گئے۔ ان کے پوتے میر قطب الدین (ف ۹۰۴ھ) نے سانڈی کو اپنی قرارگاہ بنایا[1]۔ ان کے فرزند میر ابراہیم (ف ۹۳۴ھ) تھے جن کو حضرت شیخ صفی سے بیعت و خلافت حاصل تھی[2]۔

میر عبدالواحد ۹۱۲ھ یا ۹۱۵ھ میں سانڈی میں پیدا ہوئے[3]۔ حضرت میر بلگرامی کے جدِ اعلیٰ میر بڈھ کے زمانے سے ان کا خاندان باڑی و سانڈی میں مقیم تھا لہٰذا تعلیم و تحصیل علوم اسی علاقہ میں ان کے بزرگوں کے زیرِ تربیت ہوئی ہوگی۔ ان کے علمی آثار و سوانح سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم متداولہ کی پورے طور سے تحصیل کی تھی اور اپنے ہم عصر اصحاب علم و فضل میں ممتاز تھے۔ وہ اپنے شیخ طریقت شیخ صفی کے بھی موردِ الطاف خاص رہے اور ان سے ظاہری و باطنی استفادہ باحسن وجوہ کیا۔ شیخ وقت شیخ حسین ساکن سکندرہ نے بھی خوب تربیت فرمائی اور میر بلگرامی کو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور کیا۔

حضرت تحصیل علوم میں بلند ہمت رکھتے تھے۔ بعض مشکل مسائل کے حل کے لیے میر بلگرامی نے دنیا کی سیر کا منصوبہ بنایا مگر وہ ان کے مرشد شیخ صفیؒ کی خاص توجہ کی بدولت حل ہوگئے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی ان الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں[4]

"قطب فلک ولایت و مرکز دائرہ ہدایت بود صاحب آیات ظاہرہ و کرامات باہرہ"۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) کے ناقد و شارح اور ہمارے فاضل دوست حضرت شمس بریلوی نے اسی شعر کو اس طرح پڑھا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو اصح التواریخ جلد اول ص۹۴ و ماثر الکرام از میر غلام علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء) ص۲۵-۲۶

[2] اصح التواریخ جلد اول ص۹۸، ماثر الکرام ص۲۶، آثار احمدی از حکیم عنایت حسین مارہروی (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) ص۵

[3] اصح التواریخ جلد اول ص۹۸ و نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص۲۷۱

[4] ماثر الکرام ص۲۵

مشہور تذکرہ نویس و مؤرخ حکیم عبدالحی لکھنوی (ف ۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں [1]

"احد العلماء المبرزین فی المعارف الالٰہیۃ .... کان صاحب الفضائل العلیۃ و الکرامات الجلیۃ والاذواق الصحیحۃ والمواجید الصادقۃ۔"

ملا عبدالقادر بدایونی (ف ۱۰۰۴ھ) میر بلگرامی سے ذاتی طور سے واقف و متعارف ہیں وہ لکھتے ہیں۔ [2]

"شیخ عبدالواحد بلگرامی بسیار صاحب فضائل و کمالات و ریاضت و عبادت است و اخلاق سنیہ و صفاتِ رضیہ دارد و مشرب او عالی است"۔

میر سید محمد تبصرۃ الناظرین میں رقم طراز ہیں [3]

"درویش کامل و صاحب حال و فضیلت بہ کمال داشتند"۔

مولوی رحمان علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں [4]

"شیخ عبدالواحد بلگرامی شاہدی تخلص صاحب فضائل و کمالات و ریاضت و عبادات بود، اخلاق مرضیہ و صفاتِ رضیہ داشت"۔

خانوادۂ میر بلگرامی کے خاندانی مؤرخ مولانا محمد میاں قادری مارہروی لکھتے ہیں [5]

"علم صوری و معنوی میں فائقِ انام مظہر اسرار الٰہی منبع انوارِ نامتناہی عالم

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد پنجم (حیدر آباد دکن ۱۹۷۶ء) ص ۲۷۱

[2] منتخب التواریخ (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲۸۴ھ) ص ۳۰ واردو ترجمہ ص ۴۲۶

[3] بحوالہ اصح التواریخ جلد اوّل ص ۱۰۲

[4] تذکرہ علمائے ہند (طبع لکھنؤ ۱۹۱۴ء) ص ۱۳۶ (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) ص ۳۲۹

[5] اصح التواریخ جلد اوّل ص ۱۰۲

عالم فاضل کامل صاحب آیات ظاہرہ و کمالات باہرہ خداوند مجاہدہ صوری و مشاہدہ معنوی مدارج عرفان و محبت و مراتب عشق و مودت میں کامل العیار اطوار مشیخت و بزرگی میں صاحب اعتبار علوم ظاہر و باطن میں یگانۂ روزگار۔"

میر بلگرامی نے تصوف و سلوک کے منازل اس دور کے نامور شیخ طریقت شیخ صفی سائی پوری سے طے کیے۔ حضرت شیخ کی میر بلگرامی پر خاص نظر عنایت تھی۔ میر بلگرامی اٹھارہ سال کے تھے کہ شیخ صفی کا ۹۳۳ھ میں وصال ہو گیا[1] ان کے خلیفہ خاص شیخ حسین بن محمد بنی اسرائیل ساکن سکندرہ[2] (ف-۹۷۶ھ) نے میر بلگرامی کی تربیت فرمائی اور خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ میر بلگرامی خود سبع سنابل میں تحریر فرماتے ہیں[3]

"ایں فقیر مرید مخدوم شیخ صفی است و خلافت مخدوم شیخ حسین دارد۔ مخدوم شیخ حسین را با پدر ایں فقیر الفتی و محبتی تمام بود و میان یک دیگر اختصاص کلی داشتند و پدر فقیر نیز خلیفہ مخدوم شیخ صفی بود۔ بدیں سبب ایں فقیر رجوع بہ مخدوم شیخ حسین نیز عنایتہا و نوازش ہائے فراواں ارزانی داشتند کہ یار زادۂ ما است و جامہ خلافت نیز پوشانیدند۔ اگرچہ فقیر را لیاقت ایں جامہ نبود اما شکرانۂ درگاہ باری تعالیٰ می گزارم کہ پیوند بیعت با ایشاں دارم"۔

شیخ حسین نے سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ میر بلگرامی کو سلسلہ قادریہ و سہروردیہ میں بھی خلافت سے سرفراز فرمایا[4]

---

[1] شیخ صفی کے حالات کے لیے دیکھیے: ماثر الکرام ص ۳۲، ۳۴، فوائد سعدیہ از محمد ارتضیٰ علی خاں (نولکشور پریس لکھنؤ) ۱۸۸۵ء ص ۱۷-۲۰ - اردو ترجمہ فوائد سعدیہ از مظفر علی شاہ (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۶ء) ص ۱۵-۱۸

[2] شیخ حسین ساکن سکندرہ کے حالات کے لیے دیکھیے ماثر الکرام ص ۳۵، ۳۷،

باقی اگلے صفحہ پر

میر بلگرامی اتباع شریعت کا بہت خیال رکھتے تھے اور اس بارے میں کسی رُو رعایت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ ان کے مزاج میں تواضع و انکسار بغایت درجہ تھا۔ خرقہ خلافت کے حصول کے بعد کسی کو مرید نہیں کیا۔ جب مرشد نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تاکید فرمائی تو سلسلہ کا اجرا کیا۔

"اے نیک بخت مرشدانِ عظام کا طالبانِ صادق کو اپنے سلسلہ بیعت میں داخل کرنے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان کی نجات اپنے ذمہ کر لیں، بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے دینی احباب بہت سے بنا لیں تاکہ اس گروہ کثیر میں سے جو اللہ کے مقبول بندے نجات پانے والے ہوں ان کے طفیل میں ہم بھی نجات پا جائیں۔ پس اس کام میں دیر نہ کرنی چاہیئے"[5]

اس کے بعد میر بلگرامی نے سلسلہ بیعت شروع کیا اور مخلوقِ خدا کی اصلاح و تربیت فرمائی۔ تصوف و سلوک میں مجتہدانہ حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ آپکی تصانیف لائقہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ بدرالدین بن شیخ ابراہیم سرہندی اپنی کتاب ثمرات الاتقیا (تالیف ۱۰۴۷ھ) میں لکھتے ہیں[2]

"سید عبدالواحد بن ابراہیمؒ عارف ربانی و محرم حریم سبحانی بودہ، صاحب

بقیہ صفحہ سابقہ منتخب التواریخ اردو ترجمہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۷ء ص ۲۵-۲۶،

برکات مارہرہ از طفیل احمد بدایونی (نولکشور پریس لکھنؤ) ص ۱۱-۱۲

۳ سبع سنابل از میر عبدالواحد بلگرامی (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ) ص ۸۲

۴ مؤلف گلزار ابرار محمد غوثی مانڈوی نے لکھ دیا ہے کہ میر بلگرامی پہلے شیخ حسین سے بیعت ہوئے اور بعدہٗ شیخ صفی سے (ص ۵۸۶) ۵ ان سلاسل کے لیے شجروں کیلئے دیکھیئے اصح التواریخ جلد اول ص ۱۰۸-۱۱۰ ۶ اصح التواریخ جلد اوّل ص ۱۱۰-۱۱۱ (ملخص سبع سنابل)

---

۱ اصح التواریخ جلد اوّل ص ۱۰۱

کرامات و خوارق عادلت جامع میانِ علوم ظاہری و باطنی واصل ایشاں از سادات حسینی واسطی بلگرامی است مذہب حنفی و مشرب چشتی داشت و در حقائق و معارف مصنفات کثیرہ در سلک تحریر کشیدہ و در عہد خود بغایت معتقد فیہ طوائف انام بود، نواب مرتضیٰ خاں و نواب صدر جہاں خاں پہانی مرید وے بود"۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے میر بلگرامی سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے[1]

"در سال نہصد و ہفتاد و ہفت کہ فقیر از لکھنؤ بہ بلگرام رسیدم شبے بہ عیادت آمد و آں ملاقات اول بار بود کہ حکم مرہم داشت و گفت ایں ہمہ گلہائے عشق است و مخدومی شیخ عبداللہ[2] بداؤنی نیز اتفاقاً چوں رجال الغیب از بداؤں ہماجا تشریف آوردند و یقین شدہ کہ اگر شب قدر دریافتہ باشم آں شب خواہد بود"۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی کا خیال ہے[3]۔ یہ واقعہ ۹۷۹ھ کا ہے جب کہ ملّا عبدالقادر بدایونی عشق مجازی کے نتیجہ میں مکن پور سے زخموں سے چور ہو کر آئے تھے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے[4]

---

[1] منتخب التواریخ صـ ۳۰

[2] شیخ عبداللہ بدایونی عہد اکبری کے نامور عالم اور شیخ طریقت تھے حضرت شیخ صفی (ف ۹۴۳ھ) سے مستفید اور ملا عبدالقادر بدایونی کے استاد تھے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند صـ ۲۶۶ منتخب التواریخ صـ ۱۲۴، طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین جلد دوم (کلکتہ ۱۹۳۱ء) صـ ۴۸۴ تذکرۃ الواصلین از رضی الدین بدایونی (بدایوں ۱۹۴۵ء) صـ ۱۸۰ - ۱۸۷۔

[3] مآثر الکرام صـ ۲۷ - ۲۸

[4] منتخب التواریخ صـ ۱۷۷ - ۱۷۸

ملا بدایونی یہ بھی اطلاع دیتے ہیں کہ میر بلگرامی ہر سال شیخ حسین رحؒ کے عرس میں شرکت کرتے تھے اور قنوج میں سکونت پذیر تھے[۱]

"بہرۂ تمام از صحبت شیخ حسین سکندرہ دریافتہ و ہر سال از بلگرام بجہت عرس شیخ فی آمد - اکنوں کہ ضعف بسر پیدا کردہ نمی تواند رفت و در قنوج توطن می داشت"

میر بلگرامی کبھی کبھی مارہرہ اور اس کے قرب و جوار کے قصبات میں بھی تشریف لے جاتے تھے - حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی رحؒ (ف ۱۲۳۵ھ) بیاض احمدی میں رقمطراز ہیں[۲]

"حضرت میر سیّد عبد الواحد اکبر کہ از بلگرام برائے سعادت قدم بوس مرشد خود بہ سکندر آباد می رفتند، از ہمیں راہ شمس آباد و سکیٹ و مارہرہ و بلرام و قصبہ جلالی و کول وغیرہ شدہ تشریف می بردند چنانچہ ازاں وقت مردمان ایں دیار بہ سلک بیعت بدست آں جناب مشرف بودند و در محلہ سادات بخاریاں دو چار روزہ در قصبہ (مارہرہ) تشریف می داشتند"

میر بلگرامی کے فرزند میر عبد الجلیل (ف - ۱۰۵۷ھ) نے مارہرہ میں سکونت اختیار کر کے اس قصبہ کو رشد و ہدایت کا مرکز بنادیا اور کم و بیش چار سو سال سے اس خانوادہ میں سلسلہ بیعت و ارشاد جاری رہے اور نامور صوفیہ و مشائخ اور اصحاب علم و فضل پیدا ہوئے ہیں[۳]

---

۱ منتخب التواریخ صفحہ ۳

۲ بحوالہ اصح التواریخ جلد اوّل صفحہ ۱۱۲

۳ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اصح التواریخ (دو جلد) خاندان برکات از مولانا محمد میاں قادری مارہروی، برکات مارہرہ از طفیل احمد بدایونی، آثار احمدی (حکیم عنایت حسین - قلمی) کاشف الاستار (قلمی) وغیرہ وغیرہ -

میر بلگرامی کچھ مدت قنوج میں بھی رہے وہاں انہوں نے محلہ احمدی ٹولہ کے عثمانی شیوخ میں عقدِ ثانی فرمایا تھا[1] جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے توطن قنوج کا ذکر کیا ہے[2]

میر بلگرامی نے سو سال سے متجاوز عمر پائی۔ وہ سکندر لودی کے عہد میں پیدا ہوئے اور جہانگیر کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اس طرح انہوں نے نو دس بادشاہوں کا زمانہ پایا۔

۱۔ سکندر لودی۔	۸۹۴ھ	۹۲۳ھ
۲۔ ابراہیم لودی	۹۲۳ھ	۹۳۲ "
۳۔ بابر	۹۳۲ "	۹۳۷ "
۴۔ ہمایوں	۹۳۷ "	۹۶۳ " [3]
۵۔ اکبر	۹۶۳ "	۱۰۱۴ "
۶۔ جہانگیر	۱۰۱۴ "	۱۰۳۷ "

میر بلگرامی باہمہ و بے ہمہ زندگی گزارتے تھے ان کی تمام زندگی رشد و ہدایت، تعلیم و تذکیر، اصلاح و تربیت اور تصنیف و تالیف سے عبارت رہی۔ ان کی زندگی میں سیاسی سرگرمیوں کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ اکبر کے عہد میں بادشاہ سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں[4]

---

[1] اصح التواریخ جلد اول صہ ۲۴۰

[2] منتخب التواریخ صہ ۳۰

[3] شیر شاہ سوری نے ۹۴۷ھ میں ہمایوں کو ہندوستان بدر کر دیا اور خود بادشاہ بن گیا تقریباً پندرہ سال کے بعد ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے دوبارہ تخت دہلی حاصل کیا۔ اس دور میں سور خاندان کے تین چار بادشاہ سریر آرائے حکومت رہے۔

[4] مآثر الکرام صہ ۳۲

"چوں صیت بزرگی میر عبدالواحد سامعہ افروز اکبر بادشاہ گردید معتمدے را نزد میر فرستاد و از کمالِ تمنا درخواست ملاقات نمود۔ میر قصد اِرد وئے معلیٰ کرد و چوں بدرگاہِ سلطانی رسید بادشاہ اعزاز و اکرام تمام بتقدیم رسانید و پانصد بیگہ زمین از بلگرام بطریق سیورغال نیاز کرد۔"

خاندانی تذکرہ نویس مولانا محمد میاں قادری مارہروی کی دربار اکبری میں حاضری کو ذرا تفصیل سے اس طرح لکھا ہے [1]

"اس کا مفصل واقعہ یوں ہے کہ ایک روز اکبر بادشاہ کے سامنے قوال حضرت قدس سرہٗ (میر بلگرامی) کی یہ رباعی گا رہے تھے۔

من مستم و تو مستی ما را کہ برو خانہ — من با تو ہمی گفتم کم خورد و سہ پیمانہ
صد بار ترا گفتم کز عشق بلا خیزد — ہاں اے دل دیوانہ ہشیار شدی یا نہ

بادشاہ پر اس کے سننے سے ایک عالم وجد و رقت میں رونے تک نوبت پہنچی اور حضارِ دربار سے پوچھا کہ اس رباعی کا مصنف کون ہے۔ نواب صدر جہاں نے عرض کیا کہ میرے پیر حضرت میر عبدالواحد بلگرامی اس کے مصنف ہیں۔ حضرت کا آوازۂ بزرگی و کمال تو پہلے ہی سے بلند ہو رہا تھا اور نواب صدر جہاں کی زبانی اب اور حضرت کے فضائل و کمالات معلوم کر کے بادشاہ حضرت کی زیارت کا کمال درجہ آرزومند ہوا اور نواب مذکور کی معرفت اپنے ایک معتمد سلطنت کو مع چند اور خدام کے حضرت کی خدمت میں بھیج کر کمال تمنا اور نہایت آرزو سے حضرت سے تشریف لانے کی درخواست کی۔ آخر حضرت نے بھی بادشاہ کا اصرار تمام اور شوق مالا کلام دیکھ کر ملاقات کا مقصد فرمایا۔ بروقت ملاقات بادشاہ نے بیحد تعظیم اور کمال احترام و تکریم سے استقبال کیا اور نہایت ادب سے اپنے نزدیک اپنے تخت پر حضرت کا اجلاس کرایا اور حضرت کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوا۔"

---

[1] اصح التواریخ جلد اوّل صفحہ ۱۴

میر غلام علی آزاد بلگرامی اور مولانا محمد میاں قادری ہر دو میں سے کسی نے اس سلسلہ میں کسی تاریخی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ مولانا محمد میاں نے ملاقات کا حال اس طرح لکھا ہے کہ گویا یہ چشم دید ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی جن کی میر بلگرامی سے ملاقاتیں ہیں وہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میر صدر جہاں پہانوی کی تحریک و کوشش سے یہ پانچ سو بیگہ زمین ملی ہو گی اور اس سلسلہ میں میر بلگرامی نے صدر جہاں کو خط بھی لکھا تھا جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

میر بلگرامی نے اپنی زندگی ہی میں اس زمین کو اپنی اولاد اور خرچ خانقاہ میں تقسیم فرمادیا۔ اس میں سے چار سو بیگہ زمین انہوں نے اپنے فرزندوں اور پچاس بیگہ پوتوں کو دے دی اور پچاس بیگہ خرچ خانقاہ کے لیے وقف فرمادی۔[۱]

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی نے سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ شب جمعہ کو اپنے آبائی وطن بلگرام میں انتقال فرمایا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ ان کے ارادت مند مفتی محمد میاں قنوجی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ انتقال کہا ہے[۲]

قطعہ تاریخ انتقال میر عبدالواحد بلگرامی

سحر غنودم و دیدم کہ می سرود فلک — گزیدہ نیل ردا ماتمینہ بر قاقم
زسالکان رہ ارشاد کس بسر نبرد — کہ شد بہ تیہ فنا ہادی طریقت گم
موحدے کہ بسر وجود واحد بود — بغار گشت چو صدیق بانبی دوم
شکست باصرہ مردمی اجل کو بود — بفیض خانہ چشم وجود را مردم
ازیں ترانہ برم آمد و بگفت خرد — کہ اے لب تو موالید فیض راشدہ ام
زسال فوت و شب وصل و روز عرس گو — کہ می برم بہ کہ وبیاں چرخ نہم

---

[۱] اصح التواریخ جلد اول صـ ۱۴۱

[۲] اصح التواریخ جلد اول صـ ۱۴۲، برکات مارہرہ صـ ۹

برفت واحد صوری و معنوی گفتم   ہزار و ہفدہ وشب جمعہ ماہ صوم سوم

۱۹ + ۱ = ۲۰   ۱۰۳۷ - ۲۰ = ۱۰۱۷ھ

میر بلگرامی نے یکے بعد دیگرے دو عقد کئے اور دونوں سے صاحب اولاد تھے۔ پہلی بیوی سے میر عبدالجلیل (ف ۱۰۵۷ھ) اور ایک صاحبزادی بیوی مریم تھیں۔ پہلی بیوی قاضی شیخ عبدالدائم عثمانی بلگرامی (محلہ قاضی پورہ) کی صاحبزادی تھیں دوسری بیوی قنوج کی تھی۔ ان کے بطن سے تین صاحبزادے میر فیروز (ف۔ ۱۰۶۶ھ) میر یحییٰ اور میر طیب (ف ۱۰۶۶ھ) اور ایک بیٹی بی بی شاہا تھیں [۱]

میر بلگرامی شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ مبدائے فیاض نے یہ ملکہ انہیں ودیعت کیا تھا۔ جب وہ شعر و سخن کی طرف توجہ فرماتے تھے تو خوب لکھتے تھے۔ شاہدی تخلص تھا۔ خواجہ حافظ شیرازی سے متاثر تھے اور معنوی تلمذ رکھتے تھے چنانچہ رسالہ شبہات میں لکھتے ہیں [۲]

"این کس در فن غزل تلمیذ خواجہ حافظ شیرازی است قدس سرہٗ وخواجہ نیز بہ شاگردی خود مرا قبول کردہ و گویا باین ضعیف ایمائے نمودہ۔

ہر کہ در طور غزل نکتہ حافظ آموخت
یار شیریں سخن نادرہ گفتار من است

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں [۳]

"میر طبع نظم بلند دارد"

یہی بات میر علاء الدولہ قزوینی صاحب نفائس المآثر لکھتے ہیں [۴]

---

[۱] اصح التواریخ جلد اول ص ۲۴۰

[۲] بحوالہ سرو آزاد از میر غلام علی آزاد (حیدرآباد دکن ۱۹۱۳ء) ص ۲۴۷

[۳] منتخب التواریخ ص ۳۰۰

[۴] بحوالہ سرو آزاد ص ۲۴۸

"میر سلیقۂ شعر خوب دارد"
میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں [۱]
"احیاناً بنابر موزونیٔ طبع گوہر قافیہ می سنجید و طلائے خوش عیار سخن بر می کشید"۔
—— دیوان غزل موجزی از و موجود است و کلاش رو دش زمان خود دارد"۔
مولانا محمد میاں قادری مارہروی نے میر بلگرامی کا کلام مختلف رسالوں اور بیاضوں سے تلاش کر کے اپنی کتاب اصح التواریخ (جلد اول) میں جمع کر دیا ہے یہاں ہم ایک غزل بطور نمونہ نقل کر رہے ہیں۔ [۲]

دل و جاں تا کہ بمہر رخ تو باختہ ام — توسن ہمت خویش از دو جہاں تاختہ ام
جلوۂ قد ترا سدرہ و طوبی اخجل است — تا منم از تو بفردوس نپرداختہ ام
واعظا پند مفرما من سوداندہ را — خانمان خرد از طرح براندختہ ام
از سر وقت من دل شدہ بگذر زنہار — زانکہ من چارۂ مخلص ز جنوں ساختہ ام
دمبدم تاختہ بر شاہدی افواج غمت — تا کہ در عالم عشقت علم افراختہ ام

شاہدی بلگرامی کا دیوان خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس کے تلف ہونے کے بارے میں مولانا محمد میاں قادری مارہروی لکھتے ہیں [۳]
"ہمارے حضرت (میر عبدالواحد بلگرامی) کا یہ دیوان اس وقت ہمارے پاس نہیں۔ ایک مجموعہ میں جس میں حضور صاحب البرکات (شاہ برکت اللہ مارہروی) کا دیوان بھاشا مسمّیٰ بہ پیم پرکاس بھی شامل تھا جلد بندھا ہوا تھا۔ یہ مجموعہ حضرت

۱؎ سرو آزاد ص ۲۴۷ - ۲۴۸
۲؎ اصح التواریخ جلد اول ص ۱۱۶
۳؎ اصح التواریخ جلد اول ص ۱۱۵

والد صاحب قبلہ (شاہ اسماعیل حسن مارہروی) نے سیتاپور میں ایک عرصہ دراز گزرا موضع پیلتی پور ضلع سیتاپور کے رہنے والے ایک ہندو ہندی داں کو اس لیے دیا کہ وہ پیم کاس کو ہندی ناگری خط میں لکھ دیں اور پھر وہ مجموعہ ان ہی کے پاس رہ گیا۔ ہمیں اب تک واپس نہیں ملا۔ اور اس طرح حضرت (میر بلگرامی) کا یہ دیوان بھی ہمارے پاس سے جاتا رہا۔"

میر عبد الواحد بلگرامی ہندی میں بھی شعر کہتے تھے چنانچہ کاشف الاستار[1] اور اصح التواریخ میں بطور نمونہ کچھ کلام نقل ہوا ہے مگر فارسی رسم الخط میں لکھنے کی وجہ سے بڑی حد تک مسخ ہو گیا ہے۔

میر بلگرامی کو تصنیف و تالیف سے خاص مناسبت تھی۔ ان کا خاص موضوع تصوف تھا۔ انہوں نے نحو کی مشہور کتاب کافیہ کی شرح تصوف کے بیان میں لکھی۔ میر بلگرامی کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔[2]

۱۔ دیوان
۲۔ ساقی نامہ
۳۔ شرح گلشن راز
۴۔ شرح مصطلحات دیوان حافظ
۵۔ شرح الکافیہ فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ)
۶۔ حقائق ہندی (تالیف ۹۷۴ھ)
۷۔ شرح نزہتہ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ)
۸۔ شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ)
۹۔ مکاتیب ثلاثہ

۱؎ کاشف الاستار (قلمی)، ص ۴۴ب

۲؎ اصح التواریخ جلد اول ص ۱۱۹

۱۰۔ حل شبہات

۱۱۔ مناظرہ انبہ و خربزہ

۱۲۔ شرح معمہ قصہ چار برادر

۱۳۔ تفسیر مفیض المحبت

۱۴۔ مجموعۂ اوراد

۱۵۔ سبع سنابل (تالیف ۹۶۹ھ)

دیوان شاعری کا ذکر ہو چکا ہے۔ ساقی نامہ، شرح گلشن راز اور شرح مصطلحات دیوان حافظ کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں بھی یہ کتابیں نہیں ہیں۔ اب ہم بقیہ کتابوں پہ اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

شرح الکافیہ فی التصوف

عربی نحو کی مشہور و متداول کتاب کافیہ ہے جس کے مؤلف علامہ جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بہ ابن الحاجب المالکی (ف ۶۴۶ھ) ہیں یہ کتاب مصنف کے زمانہ سے لے کر آج تک داخلِ نصاب رہی ہے اور اس کتاب کی سینکڑوں شرحیں لکھی گئی ہیں ان میں ملا جامی کی شرح سب سے زیادہ مشہور ہے۔ میر بلگرامی نے کافیہ کی شرح حقائق و تصوف کے بیان میں لکھی ہے اس کتاب کے مطالعہ سے ان کے علوم ظاہری و باطنی میں جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حقائق و تصوّف کے بیان کے باوجود سلاستِ الفاظ و ربط معانی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے شرح کافیہ کو جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے مجلّہ میں شائع کیا ہے چنانچہ وہ اس کتاب پر اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں [1]

"علاّمہ عبدالواحد بلگرامی بھی اس متن (کافیہ) کے شارحین میں شامل ہیں، لیکن

---

[1] شرح الکافیہ فی التصوف بہ تقدمہ و تصحیح از مولانا عبدالرشید نعمانی مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور شمارہ اول ۱۹۶۴ء ص ۱۰۱

ان کی افتادِ طبع نے اس بارے میں ایک نئی راہ نکالی ہے جو شارحین کافیہ میں سے کسی کو آج تک نہ سوجھی تھی یعنی متن نحو سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا ہے اور ان کی اس شرح کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابن حاجب کی کتاب فنِ نحو کا متن نہیں بلکہ علم تصوف کا خلاصہ ہے جس کو فاضل شارح اپنے زورِ بیان سے مفصل و مدلل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے جو خود مصنف کتاب شیخ ابن الحاجب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ علامہ بلگرامی کی یہ کارگزاری زورِ طباعی کے لحاظ سے کسی طرح بھی فیضی کی تفسیر بے نقط سے کم نہیں۔ بھلا نحو کے مسائل سے تصوف کے مسائل کا نکالنا کوئی آسان کام ہے۔ یہ خدمت صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو قدرت نے غیر معمولی طباعی و ذہانت سے نوازا ہو"۔

میر بلگرامی نے کافیہ کی یہ شرح اپنے دو یاران باصفا زین الدین و جمال الدین پسران بہاء الدین کی فرمائش پر ۹۷۰ھ میں لکھی جیسا کہ اشعار ذیل سے واضح ہوتا ہے[1]

گفت عبد الواحد ابراہیم بن قطب ایں کلام — بندہ سادہ ز سادات مقام بلگرام
آں دو یارانم جمال و زین دین ابن بہا — داشتہ اخلاص با ایں منتہی بے منتہا
کوششے کردند چندانی کہ آمد واجبم — گفتن شرح کلام شیخ ابن حاجبم
من کہ معذورم مکن بر زشتی قولم نگاہ — خوبی لطف جمال و زین دارم عذرخواہ
کردمش تا حد مرفوعات در نقصان تمام — مرد معنی چوں بلغوی بگذرد مرّ واکرام
من نتوانستم نبشتن سر بسر شرح کتاب — بہر تسکین دو مخلص ایں قدر گفتم شتاب
پیش ازیں آں ہر دو را برمن تقاضائے نبود — بے تقاضائے کساں گفتن سخن رائے نبود
از ہمہ دعویٰ مرا آزادہ و افتادہ بیں — سال تاریخش بخواہی نہصد و ہفتاد بیں
خیط علم نحو را در تصوف سفتہ ام — پس بقدر فہم از دے شک و شبہ رفتہ ام

---

[1] مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور، جلد اول ۴ ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۹

ہر کہ ایں اعجوبہ من خواند و خوش آیدش
یک دعا و فاتحہ خواندن پس از من بایدش

غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ میر عبد الواحد بلگرامی کے تتبع میں دو اور بزرگوں نے اس نوع کی کوشش کی اور کافیہ کی شرح معارف و سلوک کے بیان میں لکھی ہے۔[1] میر ابو البقا جونپوری نے عربی میں شرح لکھی ہے اور ملا موہن بہاری نے فارسی میں،[2] میر ابو البقا میر بلگرامی کے ہم عصر ہیں اور ملا موہن[3] کا زمانہ ان کے بعد کا ہے۔ میر غلام علی آزاد کی نظر سے یہ شرحیں گزری ہیں۔

---

[1] مآثر الکرام صـ ۳۱-۳۲

[2] میر ابو البقا ولد ملا درویش جونپور کے رہنے والے تھے۔ تمام علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد اور ملا محمد ماہ دیوگامی سے کی اپنے زمانہ کے نامور عالم و فاضل تھے۔ مشہور علما ان کے شاگرد تھے۔ دربار شاہجہانی تک رسائی تھی۔ حاشیہ شرح ملا اور حاشیہ قطبی بھی انکی تالیف سے ہیں۔ ۱۰۴۰ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو ۱۔ تاریخ شیراز ہند جونپور از اقبال احمد (جونپور ۱۹۶۳ء) صـ ۲۷-۲۸

۲۔ فرحت الناظرین (شخصیات) از محمد اسلم پسروری (مرتبہ و مترجم محمد ایوب قادری) (ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۷۲ء) صـ ۱۳۴-۱۳۶

۳۔ تجلی نور حصہ دوم از نور الدین زیدی (جونپور ۱۸۸۹ء) صـ ۶۴

[3] ملا محی الدین ولد مولانا عبد اللہ، بعض نے ان کا عرف مومن اور بعض نے موہن لکھا ہے۔ اپنے دور کے نامور عالم تھے۔ شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں باریاب تھے۔ اورنگ زیب کی تعلیم پر مقرر ہوئے۔ شاہ حیدر نبیرہ وجیہ الدین کے مرید تھے۔ ۱۰۶۸ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ فرحت الناظرین (شخصیات) صـ ۲۰۸-۲۰۹

۲۔ مآثر الکرام صـ ۲۱

۳۔ نزہتہ الخواطر ۵/۴۳-۴۴

۴۔ مرآۃ العالم (جلد دوم) از بختاور خاں (لاہور ۱۹۷۹ء) صـ ۴۴۶-۴۴۷

حقائق ہندی یہ کتاب فارسی زبان میں جمادی الاولیٰ ۹۷۴ھ میں تمام ہوئی۔ اس کتاب میں میر بلگرامی نے اپنی ذہانت و طباعی کا اس طرح ثبوت دیا ہے کہ ہندی نظموں اور گیتوں میں جو الفاظ متداول و معروف ہیں ان میں سے بعض کے وہ معانی و اشارات بیان کئے ہیں جو ان سے اہلِ باطن مراد لیتے ہیں اس کی تشریح و تفصیل مختصر الفاظ میں نہایت لطافت سے بیان فرمائی ہے۔ حضرت شاہ حمزہ مارہروی (ف، ۱۱۹۸ھ) اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"از جملہ تصانیف آں حضرت (میر بلگرامی) حقائق ہندی است کہ الفاظ ہندی متداول سرود را در معانی تصوف ارقام ساختہ و عجیب تاویلات بکار بردہ بہ معانی تصوف فرود آوردہ۔"

ہندی الفاظ مانگ ٹیکا، تلک اور سکھی کی عارفانہ تشریح میر بلگرامی نے اس طرح کی ہے۔

"اگر در کلماتِ ہندی ذکر مانگ واقع شود، اشارہ افتد بر صراط المستقیم و سیاہی جوٹہا از اطراف ظلمات، ضلالت و بدعت است، قولہ تعالیٰ وان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبیل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ اگر کلمات ہندی ذکر ٹیکا و تلک اشارہ افتد بر نور صلاح کہ در روئے پیدا آید۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ نشان عاشقاں از درد پیدا است"۔ و اگر در کلمات ہندی ذکر سکھی واقع شود، اشارہ افتد بر یارانِ دینی کہ میان یکدگر للہ فی اللہ دوستی دارند و گاہ اشارہ افتد بر یاراں کہ متفق باشند در یک مشرب و یک خانوادہ و گاہ اشارہ افتد بہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و متابعان او کہ خلعت نیابت پوشیدہ اند کہ ہادی راہ خدا و طریق ہدا ہستند۔"

یہاں تین چار الفاظ کی شرح بطور نمونہ نقل کی گئی ہے۔ حقائق ہندی چار جز کا رسالہ ہے[1] اور خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے[2]۔ اس کتاب کا مطالعہ اُردو زبان کے تدریجی ارتقار کے اعتبار سے بھی مفید ہے کہ کتنے ہندی الفاظ کو میر بلگرامی نے اپنی شرح و تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔

شرح نزہتہ الارواح

نزہتہ الارواح (فارسی نظم) فخر السادات سید حسین بن محمد المعروف امیر حسینی غزنوی (ف۔ ۷۱۷ھ) کی تالیف ہے۔ میر بلگرامی نے ۹۸۵ھ میں تصوف و سلوک میں اس کی نہایت مبسوط شرح لکھی ہے اس کے متعلق محمد غوثی مانڈوی لکھتے ہیں[3]

برنزہتہ الارواح شرح لائق متین برنگاشتہ فراواں توجیہ و تاویل بکار بردہ جمیع مقاصد عبارات را متوجہ سمت حقیقت گردانیدہ است"۔

سیّد کمال واسطی سنبھلی لکھتے ہیں[4]

"شرح کہ بنزہتہ الارواح نوشتہ بالطافت و عذوبت شاہد کمال ولیست"۔

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں۔[5]

"شرح بر نزہتہ الارواح نوشتہ محققانہ"

نزہتہ الارواح میں حقائق و معارف اور سیر منازل سلوک کو نہایت ایجازو

۱ے کاشف الاستار ص ۳۴ ب

۲ے اصح التواریخ جلد اول ص ۱۲۰

۳ے بحوالہ ماثر الکرام ص ۲۹

۴ے بحوالہ اصح التواریخ جلد اول ص ۱۵۹

۵ے منتخب التواریخ ص ۳۰

اختصار سے رموز واشارات اور تشبیہات و استعارات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر میر بلگرامی نے اپنے تبحر علمی سے ان رموز واشارات کی توضیح اور حقائق و معارف کی تشریح میں خوب داد تحقیق دی ہے اور توجیہات لائقہ اور تاویلات فائقہ سے ہر موضوع پر خوب وضاحت کی ہے ۔

مشہور ایرانی دانشور محمد حسین تسبیحی لکھتے ہیں [۱]

"نزہتہ الارواح ایک مدت تک شارح (میر بلگرامی) کے مطالعہ میں رہی ہے ۔اس کے بعد انہوں نے اس کی شرح لکھی ہے ۔ فارسی نثر میں فارسی اشعار قرآنی آیات ، احادیث نبوی اور کلمات مشائخ شامل ہیں اس کی تقسیم (ابواب و فصول) نزہتہ الارواح کے متن کی اساس پر کی گئی ہے ...... شارح پہلے متن لکھتے ہیں اور پھر اس کی شرح میں کہیں کہیں اپنے اشعار بھی لکھتے جاتے ہیں"۔

نزہتہ الارواح کے تین نسخوں کا علم ہو سکا ہے ۔

۱ - خانقاہ برکاتیہ مارہرہ (ضلع ایٹہ ۔ یوپی ۔ بھارت) میں ایک نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ بروز پنجشنبہ ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۱۴۸ھ مطابق نہم سال جلوس محمد شاہی کا مکتوبہ ہے [۲]

۲ - دوسرا نسخہ کتاب خانہ گنج بخش (مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان) اسلام آباد میں ہے ۔ اس میں ۱۵۹ (ورق) ہیں ۔ خط شکستہ ہے ۔ کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں ہے البتہ سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے [۳]

"ایں کتاب شرح نزہتہ الارواح را روز دوشنبہ در وقت نماز دیگر نوشتن

---

۱ فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش (جلد دوم) مرتبہ محمد حسین تسبیحی اسلام آباد ۱۹۷۹ء صہ ۲۹۳ ۔

۲ اصح التواریخ جلد اول صہ ۱۶۸

۳ فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش جلد دوم صہ ۲۹۲ ۔ ۲۹۳

ہم خدا تعالیٰ بخوبی انصرام رساند، ہشتم ماہ محرم الحرام وروز شنبہ کہ ہشت روز متواتر در کابل شدہ بود ۱۲۵۷ھ ق ''

۳۔ تیسرا نسخہ راقم الحروف خاکسار محمد ایوب قادری کے خاندانی ذخیرہ کتب میں تھا جو حضرت والد ماجد مولانا مولوی مشیت اللہ قادری قدس سرہٗ (ف ۱۹۵۹ء) نے حضرت شاہ مہدی میاں صاحب مارہروی قدس سرہٗ کو نذر کیا تھا جس کی کیفیت حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ نے اپنی ایک قلمی یادداشت مورخہ ۹ مارچ ۱۹۲۷ء میں اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

''آج حضرت شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم سجادہ نشین درگاہ عالیہ مارہرہ شریف بمعیت برادر مکرم حضرت مولانا حکیم عبدالماجد شاہ قادری بدایونی صاحب غریب خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ کتب خانہ کو ملاحظہ فرمایا اور اظہار مسرت کیا۔ اس عاصی پر معاصی نے حضرت شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں شرح نزہتہ الارواح مؤلفہ حضور سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز مکتوبہ نہم صفر المظفر ۱۲۳۵ھ بمقام بریلی بدست نورالدین کاتب نذر گزرانی حضرت میاں صاحب قبلہ نے شرف قبولیت بخشا۔''

خطبہ ماثورہ کے بعد کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے [۱]

''می گوید ازرل عباد اللہ الکریم مفلس بے مایہ عبدالواحد ابراہیم..... کہ فقیر مدتے حریص بود بمطالعہ کتاب نزہتہ الارواح حسن عبارت واستعارت وفن معانی واشارت آں کتاب برآں باعث گشت کہ در معانی آں خوضے کنم وچیزے بنویسم تا در مطالعہ کردنش وسیلتے بود نہ بنظر آنکہ مرا فضیلتے باشد۔''

۱۔ اصح التواریخ جلد اول ص ۱۶۷

کتاب کا اختتام مندرجہ ذیل ابیات پر ہوا ہے۔[1]

نزہہ را شرحے بگفتم از علوم | سرزنش ہا کردہ ام بر نفس شوم
لیک ایں امارۂ کافر منش | منتبہ کے می شود زیں سرزنش
نفسک گندم نمائے جو فروش | کے کند زیں سان نصیحت ہا بگوش
چوں سرشت او ظلوم است وجہول | لاجرم کارش نباشد جز فضول
یارب از زشت وتباہیش باز کش | وز ہمہ جرم وگناہش باز کش
چند خواہم گفت شرح حال او | فاسد از ماضیست استقبال او
گر نویسم شرح حالش اندکے | شرح نزہہ باشدش از صد یکے
اے دل از بیہودہ سنجی رخ بتاب | باز می گو سال تاریخ کتاب
ہست تاریخ کتاب من تمام | نہصد وہشتاد وپنج ووالسلام

شرح غوثیہ

یہ ایک عربی متن غوثیہ کی فارسی منظوم شرح ہے جو ۹ رذی قعدہ ۹۸۷ھ کو مکمل ہوئی۔ حضرت شاہ حمزہ مارہروی ؒ نے میر بلگرامی کی تصانیف کے قلمی مجموعہ کے ایک ورق پر یہ یادداشت تحریر کی ہے کہ انہوں نے سید محمود بلگرامی کے دستخط سے شرح غوثیہ منظوم فارسی میں دیکھی۔ سید محمود بلگرامی، میر عبدالواحد بلگرامی کے مرید اور داماد تھے۔ اس شرح کے آخر میں یہ اشعار تحریر ہیں۔

بندہ عبدالواحد از درگاہِ غوث | آرزو دارد خلاص از کل لوث
تاسع ذی قعدہ وتاریخ حال | نہصد وہشتاد وہفتش بود سال

اس بیان کی تائید میر بلگرامی کے فرزند میر یحییٰ کی ایک یادداشت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے رسالہ میزان الاعمال میں لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے غوثیہ میں لکھا ہے۔[2]

---

[1] اصح التواریخ جلد اول صفحہ ۱۶۷ [2] اصح التواریخ جلد اول صفحہ ۱۵۷-۱۵۸

رأیت الرب قال لی یاغوث الاعظم من سالنی عن الرویۃ بعد العلم فھو محجوب بعلم الرویۃ ومن ظن ان الرویۃ غیر العلم فھو مغرور برویۃ الرب تعالیٰ ——— اور ہمارے حضرت پیر دستگیر (امیر عبدالواحد قدس سرہ) ان کلمات کے معنی شرح ان ابیات میں فرماتے ہیں۔

غوث گفت الحق بد یدم کردگار — کو بمن فرمود کاے غوث کبار
ہر کہ رویت خواہد از ما بے نقاب — بعد علم او بود علمش حجاب
بے جہت، بے کیف، بے مثل و صفت — علم رویت ایں بود در معرفت
با چنیں علم سوالے دم مزن — چیست بے کیفی بکیف و کم زدن
ور شود علمش جدا از ما و طیں — آید از علم الیقیں عین الیقیں
چونکہ علمش عین شد غیرے نماند — معرفت را پیشتر سیرے نماند
رویت آنجا عین علم آمد نہ غیر — ایں ہمہ حالات می خیزد ز سیر
غیر ایں علم آنکہ رویت ظن برد — غرہ و غافل برویت بگذرد
انّ بعض الظنّ اثم او رد الفہم — تا رہی از علم و شک و ظن و وہم[1]

مکاتیب ثلاثہ میر بلگرامی کے تین فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے جو مندرجہ ذیل تین حضرات کو لکھے گئے ہیں۔

— مکتوب بنام مفتی الٰہداد دانشمند (لکھنؤ)[2]

---

[1] مولانا محمد میاں قادری نے لکھا ہے کہ ان کے کتب خانہ میں ایک منظوم شرح مکتوبہ ۲۵ شوال ۱۰۹۴ھ ہے جس میں مصنف کا نام "عبداللہ بہلول صوفی" درج ہے اور اس میں مندرجہ بالا اشعار موجود ہیں۔ معلوم نہیں یہ کون بزرگ ہیں اور ان کا نام کس طرح اس شرح میں لکھا گیا ہے۔

[2] مفتی الٰہداد فاضل، فقیہ اور عربی زبان کے ادیب تھے۔ ۹۹۱ھ میں انتقال ہوا

(باقی اگلے صفحہ پر)

۲ - مکتوب بنام مفتی شیخ عبدالعزیز (قنوج)

۳ - مکتوب بنام نواب میر صدر جہاں (پہانی)

پہلا مکتوب سماع کے مسئلہ پر لکھا گیا ہے۔ مفتی صاحب سماع کے منکر تھے۔ میر بلگرامی نے نہایت وضاحت اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ قرآن، حدیث اور ائمہ کے ارشادات کو پیش کیا ہے۔ لہجہ اور انداز نہایت معقول اور مصالحانہ ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں [۱]

"علامہ بلگرامی نے مفتی صاحب کو جس انداز میں خطاب کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جلالت علمی کے غیر معمولی معترف تھے۔ یہ مکتوب لائق مطالعہ ہے ضروری نہیں کہ مسئلہ سماع میں علامہ بلگرامی سے اتفاق کیا جائے لیکن اختلافی مسائل میں علامہ کا جو انداز خطاب ہے وہ لائق اتباع ہے۔ اگر ہمارے زمانہ کے علماء بھی اختلافی مسائل پر اسی انداز سے قلم اٹھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپس میں اس ناگواری کا مظاہرہ ہو جس سے آج کل ہم دوچار ہیں"

مولانا عبدالرشید نعمانی نے شرح کافیہ کے ساتھ اس مکتوب کو بھی شائع کر دیا ہے [۲]

میر بلگرامی کا دوسرا مکتوب شیخ عبدالعزیز قاضی قنوج کے نام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر بلگرامی اور قاضی قنوج کے درمیان بعض مسائل تصوف میں کچھ مذاکرہ ومباحثہ ہوا ہے اور اس سلسلہ میں میر بلگرامی نے قاضی قنوج کو خط لکھا ہے،

بقیہ صفحہ سابقہ ملاحظہ ہو تذکرہ علماء ہند (اردو ترجمہ) ۱۱۶ نزہتہ الخواطر جلد چہارم صہ ۱۲-۱۳ منتخب التواریخ (اردو ترجمہ) ۳۶ ۴۳ - ۳۷ ۴

۱ مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور شمارہ اول ۱۹۶۴ء صہ ۱۰۲

۲ ایضاً صہ ۱۲۳ - ۱۲۸

اس میں آیہ کریمہ

ولکل وجہہ ھو مولیھا قل للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

کی تشریح صوفیاء کے انداز میں کی ہے۔ مولانا محمد میاں قادری مارہروی نے یہ مکتوب اصح التواریخ میں نقل کر دیا ہے[1]

میر بلگرامی کا تیسرا مکتوب نواب میر صدر جہاں خاں پہانوی[2] کے نام ہے جو عہد اکبری کے مشہور عالم، مفتی، صدر الصدور اور شاہی منصب دار تھے۔ وہ ایک مرتبہ سفارت پر توران بھی گئے تھے اور میر بلگرامی سے ارادت وعقیدت رکھتے تھے۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں میر عبدالواحد بلگرامی کے لیے پانچ سو بیگہ کی معافی منظور ہوئی۔ اس کا فرمان نواب میر صدر جہاں پہانوی کے ذریعہ امضا ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ خط اسی سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ اس مکتوب کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔[3]

---

[1] اصح التواریخ جلد اول ص ۱۳۹ - ۱۴۱

[2] نواب میر صدر جہاں پہانی (ضلع ہردوئی، یوپی، بھارت) کے رہنے والے عالم وفاضل تھے۔ دور اکبری میں شیخ عبدالنبی کی وساطت سے مفتی مقرر ہوئے۔ اکتیسویں سنہ جلوس اکبری میں حکیم ہمام کی معیت میں توران کی سفارت پہ گئے۔ دربار اکبری کے رنگ میں رنگ گئے۔ سات صدی سے دوہزاری منصب تک پہنچے۔ شہزادہ سلیم کے اتالیق بھی رہے۔ دور جہانگیری میں چار ہزاری منصب تک ترقی کی۔ صدر الصدوری کے منصب پر فائز ہوئے۔ موزوں طبع تھے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۲ء میں فوت ہوئے (سرو آزاد ص ۹۳) ونزہۃ الخواطر ۱۸۲/۵) ماثر الامراء (اردو ترجمہ جلد سوم ص ۲۹۸) میں سنہ انتقال ۱۰۲۰ھ لکھا ہے۔ نیز دیکھئے منتخب التواریخ (اردو ترجمہ) ص ۲۶۴

[3] اصح التواریخ جلد اول ص ۱۴۱

از حادثات در صفِ آں صوفیاں گریز   کز بود غم خورند ز نا بود شادماں

فرمان مددِ معاش کہ بنام درویشے امضا شود تعزیت نامۂ اوست و آں مہر ہا کہ بر کاغذ زنند علامات مہر تنزل اوست کہ ختم اللہ علیٰ قلوبہم اگر چہ آں مہر نگیں و طغرائے زمیں از درگاہ شاہاں است اما چوں ظالماں را دست دراز است قاصر ہمت باشد ہر کہ خواہاں است۔

من آں نگیں سلیماں بہیچ نستانم
کہ گاہ گاہ بر و دست اہرمن باشد

میر بلگرامی نے نواب میر صدر جہاں کو زور دے کر لکھا ہے [1]

"در بخصوص کہ بحضور التماس بر وجہ اہتمام کردہ بود کہ فقیر را از ورطۂ ایں بلا آزاد خواہد داشت عرض فقیر بر وجہ تصنع و رونق بازار مشیخت فہم افتادہ باشد۔"

مگر پانچ سو بیگہ معافی میر بلگرامی کے لیے مقرر ہوئی اور نواب میر صدر جہاں کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ مولانا محمد میاں قادری مارہروی نے یہ مکتوب بھی اصح التواریخ (جلد دوم) میں نقل کر دیا ہے۔

رسالہ حل شبہات

سلوک کے ابتدائی دور میں میر بلگرامی کو علوم شریعت و طریقت میں بعض مشکل مسائل درپیش ہوئے۔ انہوں نے نامور علماء و مشائخ سے رجوع کیا مگر تشفی نہ ہوئی لہٰذا ارادہ کیا کہ جہاں نوردی کر کے ان مسائل کو حل کرنا چاہیئے چنانچہ چل کھڑے ہوئے مگر باطنی اشارہ پر حضرت شیخ صفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام شکوک و شبہات کے وافی و شافی جوابات پاکر مطمئن ہوگئے اور یہ رسالہ حل شبہات لکھا۔ رسالہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے [2]

---

[1] اصح التواریخ جلد اول صـ۱۴۳

[2] اصح التواریخ جلد اول صـ۱۴۷

"می گوید ارزل عباد اللہ الکریم مفلس بے مایہ عبد الواحد ابراہیم ایں اسولے الیست چند کہ بقدر فہم رکیک خویش املا نمودہ آمد تا وہم تفاوتے کہ در بعضے جاہا میان شریعت و طریقت و حقیقت بخاطر فقیر می نمود و تعارضے و تخالفے با شریعت کہ در بعضے ابیات خواجہ حافظ شیرازی قدس سرہٗ در باطن فقیر بود مرتفع شود و موافقت اصلی کہ میان ہر یک شاں است ظاہر گردد۔"

مندرجہ ذیل نوع کے سوالات ہیں۔

۱- پیر کے سامنے مرید کا اس طرح رہنا جیسے غسال کے ہاتھوں میں میت۔

۲- مخالفت نفس باتباع شریعت کیوں؟

۳- ولی اور شعبدہ باز کی پہچان اور کرامت واستدراج کا فرق۔

۴- نماز میں جو حضور قلب ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت کے اعتبار سے اس کی تعریف۔

۵- اللہ اور رسولؐ کو خواب میں دیکھنے کی علامت۔

غرض اس طرح کے ترپن سوالوں کے جواب اس رسالہ میں قلم بند ہوئے ہیں جن میں بعض طویل بھی ہیں۔ رسالہ کے آخر میں مصطلحات صوفیہ بالخصوص خواجہ حافظ شیرازی کے مصطلحات اشعار مثلاً زلف، مہتاب رُخ، بوسہ، بلبل اور قمری وغیرہ کی تشریح اور مرادی معانی کا بیان ہے۔ میر بلگرامی نے اکثر مواقع پر طریقت و معرفت کے مشکل مسائل کا حل شریعت میں ڈھونڈا ہے اور یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ ظاہری معاملات ہی میں نہیں بلکہ سیر باطن میں بھی کوئی شخص شریعت کی پیروی کئے بغیر وصول الی اللہ کی منزل مقصود اور مرتبہ تقرب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

مناظرہ انبہ و خربزہ

یہ ایک مختصر سی فارسی نظم بصورت مثنوی ہے جس میں آم اور خربزہ اپنی اپنی تعلی اور بڑائی بیان کرتے ہیں اور آخر میں میر بلگرامی کو حکم بناتے ہیں۔ اس نظم میں بھی انہوں نے سالکین کے لیے تصوف وسلوک کے نکات ملحوظ رکھے ہیں۔ مؤلف

تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں [1]

"از منظوماتش مناظرہ انبہ وخربزہ باہل مذاق شیرینی دچاشنی می دہد"

مناظرے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے [2]

از دو میوہ بشنو ایں ردوبدل — یک دگر دارد میان خود جدل
انبہ می گوید منم اے خربزہ — لائق تحسین وفائق در مزہ
میوہا دارم ہمہ علوی صفت — شیوہا دارم چو اہل معرفت
گاہ آزادم چو سرو از بارہا — گاہ چو نخلم بود انبارہا
برتر از آلائش خشک و ترم — ظل آسائش کساں را گسترم

خربزہ کا انداز جواب بھی ملاحظہ ہو [3]

خربزہ گفتا کہ من سر بر زمیں — می نہم ہموارہ چوں مردان دیں
تو کہ خود را بر بلندی بستہ — من ہمہ مغزم و تو آخستہ
اے ز نخوت رو بخود نیز نگہا — می خوری ہر دم ز مردم سنگہا

آخر ہر دو میر بلگرامی کو حکم مقرر کرتے ہیں [4]

ختم کن اے انبہ بحث و ماجرا — حاکمے باید کنوں ما ہر دو را
تا بحکمش ہر دو تن راضی شویم — تائب از شطاحی ماضی شویم
انبہ گفت آرے کہ ایزد شاہد ست — حاکم ما میر عبدالواحد ست
آمدند آں ہر دو تن در بلگرام — پیش ما گویان زما بہتر کدام

میر بلگرامی نے ایک حدیث کی روشنی میں فیصلہ خربزہ کے حق میں کیا اور

---

[1] تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۱۳۶ (اردو ترجمہ) ص ۳۲۹

[2] اصح التواریخ جلد اول

[3] اصح التواریخ جلد اول ص ۱۲۷

[4] ایضاً ص ۱۲۷

اور دونوں نے ان کے فیصلہ کو قبول کر کے سلامت روی کا ثبوت دیا۔[1]
مولانا محمد میاں قادری نے اس نظم کو اصح التواریخ (جلد اول) میں پورا نقل کر دیا ہے۔

شرح معمہ قصہ چار برادر

کسی بزرگ نے سلوک کے بیان میں چار بھائیوں کا ایک معمہ تحریر فرمایا تھا میر بلگرامی نے اس معمہ کی شرح فارسی زبان میں اس طرح لکھی ہے کہ سلوک کے منازل و مدارج کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سالک کس طرح اس راہ میں داخل ہوتا ہے کیسے کیسے حالات سے اسے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں وہ کس طرح فائز المرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود ہے۔ خطبہ ماثورہ کے بعد کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے[2]

"می گوید موضح ایں کلمات گرامی عبدالواحد ابراہیم بلگرامی کہ سخن ہائے اہل تحقیق ہر چند بر وجہ ہزل و مزاح واقع شود، بیہودہ نیست ....."

خاتمہ اس طرح ہوا ہے[3]

چوں بنائے خلقتم ایزد نہاد — آمدم اول بہ اقلیم جماد
در جمادی مردم و نامی شدم — بعد ازاں حیوان و انعامی شدم
باز بگزشتیم ز انسانی صفت — در ملک راندم براق معرفت
وز ملائک چوں گزشتم در علو — کل شیٔ ہالک الا وجہہ
وصفِ حیوانی رہا کردم چو باز — آمدم در نوع انساں سرفراز

تفسیر مفیض المحبت

حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہرویؒ کی کتاب آئینِ احمدی میں تفسیر مفیض المحبت کا ایک اقتباس درج ہے

---

[1] اصح التواریخ جلد اول، ص ۱۲۷ — ۱۲۸
[2] ایضاً ص ۱۴۴
[3] ایضاً ص ۱۴۴

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے سامنے ضرور تھی اور اس کا پورا نام تفسیر مفیض المحبت و مورث المعرفت ہے اور یہ کتاب تفسیر حسینی سے مقتبس ہے۔

میر بلگرامی "اللہ نور السموات والارض ۔۔۔۔ الخ

کی تفسیر میں رقم طراز ہیں [1]

"امام فخر الدین رازی در اسرار التنزیل فرمودہ کہ مراد از نور ایں است کہ حق سبحانہٗ تشبیہ کرد سینۂ مومن را بہ مشکوٰۃ و دل او را در سینۃ بقندیل و زجاجہ و مشکوٰۃ و ایمان را چراغے افروختہ در قندیل و قندیل را بکوکبے درخشندہ و کلمۂ اخلاص را شجرۂ مبارک کہ از تاب آفتاب خوف و ظلال زوال رجا بہرہ دارد و نہ دیگ کہ فیض کلمہ بے آنکہ بہ زبان مومن گزرد و عالم را منور کند چوں اقرار باں بر زباں جاری شد و تصدیق باں نمودار گشت نور علیٰ نور بظہور رسید و ہم از کلمات امام است قدس سرہٗ کہ نور ایمان را بچراغ تشبیہ کرد بجہت آنکہ در خانہ کہ چراغ بود دزد پیرامون آں نگردد و ہم چنیں در ہر دل کہ ایمان باشد شیطاں را بدو راہ نیست بآنکہ بچراغ داخل خانہ روشن بہ شود و از روزن ہا پرتو بہ خارج افتد و آں را نیز روشنی بخشد ہمیں منوال نور ایمان دل را روشن گرداند و از آنجا شعاع معرفت بہ روزن ہا شعاع حواس افتادہ انوار طاعات بر اعضاء و جوارح پدید آید سیماہم فی وجوہہم"۔

مصرع سیمائے ہر کس از دل او می دہد خبر

و گفتہ اند آں نور نور معرفت اسرار الٰہی ست یعنی چراغ معرفت در زجاجہ دل عارف و مشکوٰۃ سینۂ او افروختہ از برکت زیت تلقین شجرہ وجود مبارک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ نہ شرقی است نہ غربی است بلکہ مکی است و مکہ سرہ عالم واز فراگرفتن عارف آں اسرار از تعلیم سید ابرار

---

[1] اصح التواریخ جلد اول صـ ۱۱۳

سر نورٌ علیٰ نور معلوم تواں کرد، در عین المعانی آوردہ کہ نورِ محبت حبیب با نور خلت خلیل نورٌ علیٰ نور است۔

پدر نور و پسر نور یست مشہور ازیں جا فہم کن نورٌ علےٰ نور

مجموعۂ اوراد

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں میر عبد الواحد بلگرامی کا ایک مجموعہ اوراد قلمی صورت میں محفوظ ہے اس کے متعلق مولانا محمد میاں قادری لکھتے ہیں [۱]

"جس میں حضرت نے کچھ اوراد و وظائف، بعض اعمال و تعویذات اور بعض اکابر صوفیاء مثل امام احمد غزالی و شیخ المشائخ نجم الدین کبریٰ قدست اسرارہم کے سلوک و تصوف میں بعض مستقل رسائل و فوائد اور خود اپنے نظم فرمائے ہوئے شجرہ ہائے طریقت و نسب و دیگر فوائد جمع فرمائے ہیں نیز حضرت جد اکرم سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ نے بھی اپنے مرتب فرمودہ مجموعہ اعمال میں حضرت میر قدس سرہ کے بعض اعمال و نقوش وادعیہ و اوراد جمع کئے ہیں۔"

مولانا محمد میاں قادری نے ان میں سے بعض چیزیں اپنی کتاب اصح التواریخ (جلد اول) میں نقل بھی کی ہیں [۲]

سبع سنابل

میر بلگرامی کی تصانیف میں سبع سنابل سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں تصوف و سلوک کے اہم اور بنیادی نکات بیان کئے ہیں اور شریعت و طریقت کے تعلق کو بیان کیا ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ طریقت میں شریعت کی پابندی لازمی اور ضروری ہے اور اس دور میں مسلم معاشرہ میں جو دینی بے راہ روی اور عقائد میں جو

---

۱ اصح التواریخ جلد اول ص ۲۳۶ - ۲۳۷

۲ ایضاً ص ۲۳۷ - ۲۳۹

فساد شروع ہو گیا تھا اس کی اصلاح و درستی کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں [۱]

"اہلِ بدعت و ضلالت طائفہ باشند کہ خود را در لباسِ اسلام تلبیس پیدا آرند و عقائد فاسدہ خویش در باطن پوشیدہ دارند و با اہلِ اسلام بظاہر درآیند و خود را بصورت علمائے محقق بخلق نمایند و ہر کجا کہ مجال تصرف یابند تخریب قواعد مسلمانی با فساد عقائد ایمانی بنیاد نہند و دلہائے سادہ پاک را از طہارت فطرت بگردانند۔"

پھر اس جماعت کے متعلق لکھتے ہیں [۲]

"ایں جماعت اعدائے دیں و اخوان الشیاطین و چوں بنور علم علمائے دیں و مشائخ اسلام ظلمات بدعت ایشاں مکشوف می گردد، ناچار علمائے شریعت را دشمن پندارند و علمائے ربانی کہ نجوم سپہر اسلام اند مردم را از شرِ ایں شیاطین الانس محفوظ می دارند"

سبع سنابل کا پہلا سنبلہ (باب) مفضلہ اور تفضیلیت کے رد میں ہے میر بلگرامی نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے [۳] اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ہمارے اس خیال سے یہ اس وقت کا زیرِ بحث موضوع ہو گا اور مسلم معاشرہ اس سے دوچار ہو گا کیونکہ ہمایوں بادشاہ نے ایران میں امامیہ مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس کے نتیجہ میں شاہ ایران نے ہمایوں کو فوجی مدد دی تھی۔ ہمایوں کا سب سے معتمد اور کارگزار امیر بیرم خاں خانخاناں بھی ان ہی عقائد کا پابند تھا۔ ہمایوں کے سردار امیر اور فوجی بھی بڑی تعداد میں امامیہ مسلک رکھتے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مجلس ہمایونی کے ایک عالم ملا حمید سنبھلی نے برملا ہمایوں بادشاہ سے اس پر

۱، ۲۔ سبع سنابل از میر عبد الواحد بلگرامی (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ) ص ۹

۳۔ راقم الحروف نے سنبلہ اول کا اردو ترجمہ ۱۹۶۴ء میں کیا تھا۔ خیال تھا کہ ایک تفصیلی مقدمہ کے ساتھ اس کو شائع کیا جائے مگر بوجوہ اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی اور وہ خطی صورت میں محفوظ ہے۔

اظہارِ خیال کیا اور کہا[1]

"در ہر جا نام لشکریان شما دریں مرتبہ ہمہ یار علی، مہر علی، کفش علی وحید رعلی یافتم و ہیچ کس را ندیدم کہ بنام یاراں دیگر باشد۔"

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد لکھتے ہیں[2]

"اور شیخ موصوف نے بھی سچ کہا تھا۔ ہمایوں کے اکثر ہمراہیوں کے نام ایسے ہی تھے بلکہ گدا علی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی، درویش علی، محمد علی وغیرہ نام جو جا بجا تاریخوں میں آتے ہیں۔ وہ انہوں نے نہیں لیے یہ لوگ بابر کے ساتھ ایران سے آئے ہوں گے یا ہمسائیوں کے ہمراہ ہوں گے۔ ہزارہ جات کابل کے لوگ بھی تمام شیعہ ہیں۔"

میر بلگرامی خاص قنوج کا ایک واقعہ لکھتے ہیں جس سے حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے[3]

"مشہد کے ایک سید ہندوستان آئے۔ بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ نے انہیں قنوج میں مدد معاش دے دی۔ قنوج کے اکابر ملاقات کے لیے آئے نماز کا وقت تھا ان لوگوں نے اُن سیّد کے سامنے نماز ادا کی وہ بیٹھے رہے اکابر قنوج نے پوچھا کہ اے امیر! آپ نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ وہ خاموش رہے اور ان کے سوال پر کوئی توجہ نہیں کی جب وہ لوگ چلے گئے، تو حاضرین سے کہا کہ میں علی مرتضےٰ کا فرزند ہوں۔ ولایت میں پچاس ہزار آدمی میری پرستش کرتے ہیں اور یہ مردک مجھے نماز کو کہتے ہیں۔ سارے سادات عام و خاص چاہے مرتکب کبائر ہوں خواہ مبتلائے حرام و تارک صوم و صلوٰۃ وہ سب جنت میں جائیں گے اور خاتمہ بخیر ہوگا۔"

---

[1] دربار اکبری از مولانا محمد حسین آزاد (لاہور ۱۹۴۷ء) ص ۸۰۸ "تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۷۱-۱۷۲

[2] دربار اکبری ص ۸۰۹

[3] سبع سنابل ص ۲۰-۲۱

میر بلگرامی اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ مجھے اس کا بھی رد کرنا ہے۔
سبع سنابل ۹۶۹ھ میں تالیف ہوئی جیسا کہ درج ذیل اشعار سے معلوم ہوتا ہے [۱]

ایں سنبلہ ایست چند چیدہ	بر دامن وقت نو رسیدہ
از خرمن ہائے اہل درداں	وز مزرع پاک پاک مرداں
دل کردہ بفکر نام قابل	ایں خوشہ چند را سنابل
تاریخ کتابتش فتادہ	از نہصد و شصت و نہ زیادہ

سبع سنابل سات سنبلوں (الباب) پر بہ تفصیل ذیل منقسم ہے :

پہلا سنبلہ عقائد و مذاہب کے بیان میں ہے۔ اس میں میر بلگرامی نے مذہب اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے، جیسا کہ علماء و ائمہ دین کی کتب معتمدہ میں بیان ہوا ہے اور صوفیائے کرام و اہل باطن کا ان عقائد میں علمائے دین و ائمہ شریعت ظاہر سے اتفاق و اتحاد قائم دکھایا ہے۔ ذات و صفات باری تعالیٰ، رویت باری تعالیٰ در آخرت، عقائد متعلقہ نبوت، کتب سماویہ، بہشت و دوزخ، عذاب و ثواب، لوح و قلم، حوض، صراط، میزان، شفاعت، حور و قصور، عذاب قبر، سوال نکیرین، حشر و نشر اور قیامت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا سنبلہ پیری مریدی اور اس کی حقیقت کے بیان میں ہے اس میں مرید اور پیر کے اوصاف کا بیان ہے اور تاکید کی ہے کہ پیر اور مرشد کو ہر حال میں متبع سنت و شریعت ہونا چاہیئے۔ شریعت و طریقت میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ دنیا دار پیروں کو متنبہ کیا ہے اور مداریہ سلسلہ کو منقطع قرار دیا ہے۔ طریقت کے شرائط بیان کیے ہیں۔ مریدوں کی تربیت کے لیے مقامات

---

[۱] سبع سنابل ص ۳

سلوک طے کرانے کا دستور العمل مقرر کیا ہے اور مقاماتِ سلوک کی تفصیل بیان کی ہے۔

تیسرا سنبلہ ترکِ دنیا، قناعت اور تبتل کے بیان میں ہے میر بلگرامی نے آیات، احادیث اور علمائے ظاہر و باطن کے ارشادات سے محققانہ و صوفیانہ انداز اور نہایت دل نشین پیرایہ میں دنیا اور متاعِ دنیا کی مذمت اور اس کا ہیچ ہونا بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ کونسی دنیا مذموم اور کون سی دنیا مستحسن و محمود ہے۔ بزرگانِ دین، دنیا دار ہونے کے باوجود دنیا سے بے تعلق ہیں۔ اہل اللہ کا برتاؤ دنیا کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے۔ بزرگانِ دین کا شہرت سے بچنا، نجاستِ باطنی کے اقسام اور قناعت کا شرف بیان کیا ہے۔

چوتھا سنبلہ درویشانِ خدا آگاہ اور ان کے حسن اخلاق کے بیان میں ہے۔ اس میں میر بلگرامی نے محبوبانِ خدا کی طاعت و عبادت ان کے اخلاقِ کریمہ و محاسنِ جمیلہ، دوامِ وضو، حضورِ صلوٰۃ، صوم، جوع، اکلِ حلال، قیام، دوامِ ذکر، صدق و اخلاص، احسان و ایثار وغیرہ کا آیات و احادیث و ارشاداتِ علمائے شریعت و طریقت سے اثبات اور ان کی تشریح کی ہے اور ان کی تعریف و توصیف و ترتیب و ترکیب کو اولیاء و صلحا کی سیرتِ کریمہ کے وقائع و حکایات سے دل نشین کیا ہے اور طالبِ کمال کو بتایا ہے کہ اسے اپنی زندگی کس سانچے میں ڈھالنی چاہیئے۔

پانچواں سنبلہ خوف و رجا کے بیان میں ہے اس میں میر بلگرامی نے خدا تعالیٰ کے قہر و غضب سے خوف و خشیت اور اس کی رحمت اور کرم سے امیدوار ہونے کی ضرورت و اہمیت بیان فرمائی ہے اور اس کی عملی تفسیر و تشریح اکابر مشائخِ طریقت اور علمائے دین کے ارشادات اور ان کی سیرتِ کریمہ سے دکھائی ہے۔

چھٹا سنبلہ حقائقِ وحدت اور ظہورِ آثارِ معرفت و محبت کے بیان میں ہے اس میں میر بلگرامی نے ان حقائقِ وحدت اور آثارِ محبت و معرفت

کا بیان فرمایا ہے جو مقاماتِ سلوک کی تکمیل اور ان اخلاق کریمہ سے متصف ہونے کے بعد سالک کے ظاہر و باطن پر نور افگن ہونے لگتے ہیں۔

ساتواں سنبلہ فوائد متفرقہ کے بیان میں ہے اس میں میر بلگرامی نے اپنے سلسلۂ عالیہ چشتیہ میںنائیہ کے اکابر شیوخ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے لے کر خواجہ قطب الدین کاکیؒ تک سترہ شیوخ کا مختصر ذکر کیا ہے اور اسی پر کتاب کا اختتام ہوا ہے۔

میر بلگرامی نے سبع سنابل میں مندرجہ ذیل کتابوں کا حوالہ دیا ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور حضرت میر کے وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم، مجموعہ احادیث، عوارف المعارف، قصائدِ خاقانی، مجمع سلوک (شیخ سعد) خزانۂ جلالی (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) رسالہ مکیہ (قطب الدین دمشقی) ہدایۃ السعداء، شرح رسالہ مکیہ (شیخ سعد بڈھن) سلک السلوک (ضیاء الدین نخشبی) احیاء العلوم (غزالی) شرح آداب المریدین، تفسیر حسین واعظ کاشفی، شاہنامہ فردوسی، منطق الطیر (عطار) لب لباب، مثنوی مولانا رومؒ، کشف الاسرار، بحرالحقائق، فوائد السالکین، معالم التنزیل، اعجاز البیان (شیخ صدر الدین قنوجی) معدن الحقائق شرح کنز الدقائق۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ کی مشہور ترین تصنیف کتاب سبع سنابل شریف ہے جو سلوک و عقائد کے بیان میں ہے۔ ایک بار رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ میں مؤلفِ اوراق (غلام علی بلگرامی) نے دارالخلافہ شاہجہان آباد میں حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی زیارت کی۔ حضرت میر عبدالواحد قدس سرہ کا ذکر آیا۔ شیخ نے حضرت میر کے مناقب و فضائل دیر تک بیان کیے اور فرمایا: ایک شب میں نے مدینہ منورہ میں بسترِ خواب پر عالمِ واقعہ میں دیکھا کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی ایک ساتھ دربارِ اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور

دیکھا کہ وہاں صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی بھی ایک بڑی جماعت موجود ہے اور ان میں ایک صاحب ہیں کہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان سے تبسّم اور شیریں لبی کے ساتھ باتیں فرما رہے ہیں اور ان کے حال پر نہایت توجہ والتفات فرماتے ہیں ۔ جب مجلس مبارک تمام ہو چکی تو میں نے سیّد صبغت اللہ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے کہ حضورِ اقدس ان سے اس قدر التفات فرماتے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا ، میر عبدالواحد بلگرامی ——— اور ان کے زیادہ احترام کا سبب یہ تھا کہ ان کی تصنیف سبع سنابل جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہوئی ہے[1]

سبع سنابل ۱۲۹۹ھ میں مطبع نظامی کانپور میں حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ کے فرزند و سجادہ نشین شاہ احمد میاں کی تحریک اور مولوی عبدالرحمٰن خاں شاکر مالک مطبع کے حسن انتظام سے شائع ہوئی ہے ۔ شاکر مرحوم نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ طباعت لکھا ہے ۔

لوحش اللہ چشم بد دور از سوادِ ایں کتاب — چوں بیاضِ صبح روشن گشت اسرارِ نہاں
بہر طبعش حکم کرد احمد میاں صاحب کہ ہست — ابن حضرت فضل رحماں پیشوائے سالکاں
ایں شہ اقلیم عرفاں آں شہنشاہِ سلوک — ایں قمر آں آفتاب ایں گوہر آں بحر رواں
جلوہ گر شد در جہاں خورشید فقر و معرفت — پر تو انوار وحدت گشت در کثرت عیاں
عالمے آمد ز فیض نکتہایش خوشہ چیں — یارب ایں سبع سنابل را نگہدار از خزاں
اللہ اللہ ہمچو جاں دارندش اہل دل عزیز — می رسد گر خوانم ایں را حرز جانِ عارفاں
خامہ شاکر رقم زد مصرعۂ تاریخ او — وہ چہ ایں سبع سنابل گشت مطبوع زماں

۱۳۰۰ھ

بقول مولانا محمد میاں قادری مارہروی اس مطبوعہ ایڈیشن میں بعض غلطیاں بھی رہ گئی چنانچہ وہ لکھتے ہیں[2]

---

[1] اصح التواریخ جلد اول ص۱۶۸ ، ماثر الکرام ص۲۹ کاشف الاستار ص۱۴ ب

"تصحیح میں بہت اہتمام مدِ نظر رکھنا بتایا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ بعض جگہ بعض اہم اغلاط رہ گئی ہیں مثلاً صـ۲۳ سنبلہ اول شرط پیری مریدی میں اس جملے میں کہ "سنی متعصّب باشد" پیر پکا سنی ہو بجائے متعصب کے بے تعصب ہو گیا ہے مطبوعہ میں قلمی سے یہ اور بعض اور فرق دیکھ کر حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی قدس سرہٗ حضرت قبلہ و کعبہ والدِ ماجد مدظلہم الاقدس (شاہ اسماعیل حسن مارہرویؒ) سے اس کتاب کا قلمی پرانا نسخہ اس لیے لے گئے تھے کہ اس سے مطبوعہ کا مقابلہ کرا کر صحت نامہ شائع کر دیا جائے گا مگر پھر جہاں تک فقیر کو علم ہے وہ صحت نامہ اب تک شائع نہ ہوا اور افسوس یہ ہے کہ وہ ہمارا قلمی صحیح نسخہ بھی بدایوں ہی میں رہ گیا اور اب نہ معلوم اس کا کیا حشر ہوا۔"

شعبان ۱۳۳۷ھ میں مولانا محمد میاں قادری مارہرویؒ کو سبع سنابل کا ایک خطی نسخہ بمبئی سے دستیاب ہوا تھا جس کی کتابت ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ روز یکشنبہ تمام ہوئی۔

سبع سنابل کا ایک خطی نسخہ سبحان اللہ کلیکشن (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں موجود ہے جو ستر۷۰ سنہ جلوس محمد شاہی کا مکتوبہ ہے۔

راقم الحروف کی نظر سے سبع سنابل کا ایک خطی نسخہ مولوی صوفی عبد الحمید اشرفی ساکن قصبہ اوجھیانی ضلع بدایوں (ف ۱۹۴۵ء) کے ذخیرہ علمیہ میں نظر سے گذرا۔ مختلف کتب خانوں کی فہرستیں دیکھنے سے ممکن ہے کہ سبع سنابل کے خطی نسخوں کا اور بھی سراغ لگ سکے۔ ضرورت ہے کہ ان تمام نسخوں کے مقابلہ کے بعد سبع سنابل کا فارسی متن پھر سے شائع ہونا چاہیئے۔

مقامِ مسرت ہے کہ حامد اینڈ کمپنی لاہور نے سبع سنابل کے اردو ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جو ملک کے نامور عالم مولانا مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی دامت برکاتہم نے کیا ہے۔

محمد ایوب قادری

اے-۱۷۴/۴ این بلاک
شمالی ناظم آباد، کراچی نمبر ۳۳

۲۴ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۱ھ
۲۹ مئی سنہ ۱۹۸۱ء بروز جمعہ

تمام حمد اس خداوند کے لیے جس نے زمینِ قلوب کو بارشِ فضل و کرم سے زندہ فرمایا اور اس سے رُشد و ہدایت کا غلّہ پیدا کیا۔ اُسے گلستانِ معرفت اور بوستانِ محبّت سے آراستہ کیا۔ اس میں حکمت کے چشموں کو بہایا اور مشاہداتِ وحدت کے پھلوں سے بہرہ ور کیا چنانچہ ارشاد فرمایا :- وآیۃ لھم الارض المیتۃ ج احیینا ھا و اخرجنا منھا حبًّا فمنہ یاکلون ۝ وجعلنا فیھا جنّٰتٍ من نخیل و اعناب و فجّرنا فیھا من العیون ۝ لیاکلوا من ثمرہٖ۔
اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا اور پھر اس سے اناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں۔

باغہا و میوہا اندر دِلست عکسِ لُطفِ آں بریں آب و گِل ست

بہت باغ اور میوے دل کے اندر ہیں اور اُس کے لطف کا عکس اِس پانی اور مِٹی پہ ہے۔

اور نامی درود و گرامی سلام اُس رسُول پہ جو گلزارِ عنایت کی بہار، اور

عالی مرتبہ باغیچۂ ہدایت ہیں اور وہ برکت والے عربی درخت ہیں کہ نہ پورب کے ہیں نہ پچھم کے۔ اللہ تعالےٰ اُن پر درود اور سلامتی نازل فرمائے اور اُن کے تمام اصحاب واہلبیت اور جملہ اُمت پر کہ انہیں کی رسالت کے صاف اور شیریں پانی کے پرورش پائے ہوئے اور انہیں کے دریائے ہدایت کے سیراب کیے ہوئے ہیں۔ بماءٍ واحد ونفضل بعضہا علی بعضٍ فی الاکل ط رضوان اللہ علیہم اجمعین ۵ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رضائیں ہیں۔

اما بعد کرم والے رب کے لطف و فضل پر نازاں، فقیر بے سروساماں عبدالواحد ابراہیم کہتا ہے کہ وہ زراعت کرنے والے جو اپنی جڑوں اور شاخوں سے بھرے ہوئے اور رنگ وخوشبو کے پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور وہ کاشت کار جو دلوں کی زراعت گاہ میں سعادت ازلی کا بیج رکھتے، اور اصل فطرت کی زمینوں پر تخمِ محبتِ ابدی بوتے ہیں وہ لوگ کہ اُن کی کھیتی بادلوں کے پانی سے نہیں ہے بلکہ تمام پرورش کرنے والوں کے پروردگار کی پرورش سے ہے اس لیے کہ زمین کا سبزہ آبِ باراں کا پالا اور بڑھایا ہوا ہے اور رب الارباب کا پرورش کیا ہوا ہے تو وہ سبزہ زارِ دین گلزار، زمین کے غلّہ سے ہے اور یہ نیکوں کے پاک دلوں سے والبلد الطیب یخرج نباتہ باذنِ ربہٖ اور جو اچھی زمین ہے اُس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے"۔ اس ایک سے چمنستانِ آفاق کے آب و گِل میں روشنیاں ہیں اور اس دوسرے سے گلستانِ اخلاق کے جان و دل میں تجلّیاں۔ وہ باغیچوں کے بوٹے جو تنے سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ تعلقات کے توڑ دینے سے۔ اُن کا پاؤں شاخ پر ہے اور ان کا چہرہ

کشادگی اور فراخی میں ۔ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشاء ط واللہ واسع علیم ۰ ان کی کہاوت جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح ہے جس نے اگائیں سات بالیں ۔ ہر بالی میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے"۔

میں نے چند خوشے ان کے مبارک انبار سے اُٹھا لیے اور کچھ بالیں اُن کی نیکی کے گیہوں سے چُن لیں تاکہ اپنی مفلسی کا سامان بنا لوں اور اُس کے ذوق وشوق میں دنیا کی خوشبوؤں پر مائل نہ ہوں ۔

مور گرد آورد بتابستاں ۔ تا فراغت بود بزمستانش

چیونٹی گرمی میں اکٹھا کر لیتی ہے تاکہ جاڑے میں بافراغت رہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دارِ غرور سے نگہداشت اور مکانِ سرور پر ترقی کی توفیق بخشے ۔

اے دل از اخلاقِ مرداں بہرہ مند از نیستی ۔ بارے اخلاقِ بزرگان را، زجاں تکرار کن
عند ذکر الصالحین الحق نزولِ رحمت است ۔ ہر زماں ذکر جوانمردانِ دین بسیار کن
گاہ از خوبیٔ احوالِ شان، مشتاق باش ۔ گہ زچشم از پاکیٔ اخلاق، اشک ایثار کن
یا خدا در معصیت دارم باہل اللہ صفا ۔ آں صفا را، چارۂ عفوِ من بدکار کن
.... کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ بندۂ مملوک، آزاد از عذاب نار کن
.... اہل از من نا اہل تلبیس ست اگر ۔ ہم تو بر مستھزیٔ موسیٰ پیمبر کار کن

یعنی اے دل تو اگر مردان خدا کے اخلاق سے حصہ پانے والا نہیں تو ایک مرتبہ بزرگوں کی عادتوں کا دل لگا کر مطالعہ کر ۔ چونکہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت کا اترنا ثابت ہے لہٰذا تو ہر وقت دین کے جوانمردوں کا ذکر کثرت سے (!)

کر۔ کبھی تو ان کے حالوں کی اچھائی کا دل سے شوق ظاہر کر اور کبھی ان کے اخلاق کی پاکی پہ آنکھوں سے آنسو نچھاور کر۔ یا اللہ میں گنہگار ہوتے ہوئے اللہ والوں سے صفائی رکھتا ہوں تو اس صفائی کو مجھ بُرے کی بخشش کا سہارا بنا دے اور ان لوگوں کی درگاہ میں جنہیں نہ کوئی ڈر ہے نہ غم۔ اس غلام کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کر دے اور مجھ نا اہل کی لیاقت کا لباس اگر از راہِ فریب ہے تو تُو وہی کر جو موسیٰ علیہ السلام سے ٹھٹھا کرنے والوں کے ساتھ کیا۔"

جاننا چاہیئے کہ مولینا حسین واعظ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بعض آیتوں کے معنی اہلِ باطن کی اصطلاحات کے مطابق نقل کئے ہیں اور اہلِ معرفت اور خدا والوں کا اندازِ گفتگو اختیار کیا ہے۔ اس فقیر نے بہت سی کام کی باتیں وہیں سے لی ہیں اور اللہ والوں کی برکتوں کے لطائف مختلف مقاموں سے چُنے ہیں۔ فائدہ حاصل کرنے اور شوق پورا کرنے کے لیے نہ کہ خیانت اور چوری کے طریقہ پر۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ج اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں اور بعض کلام مشرب کے مطابق جو فقیر کے دل پہ ظاہر ہوا ہے اُسے بھی جا بجا لکھا ہے۔

اِیں چند سخن کہ باز بستم	پیراہنِ دل طراز بستم
بر خویش نہادم از بلاغی	دیجورِ ضلال را چراغی
ایں سُنبلہا چو باز کشتم	بسیار سخن زخود نبشتم
با نص و خبر ہمہ موافق	با اصل و فرع ہمہ مطابق
من روی سخن نہ با تو دارم	بل با دلِ خویش دم بر آرم
بہشیت کہ مزارعِ یقینی	چو سُفرہ -------

ور نیز تمتّعے بجوئے | لُطف است وخبر ز ہرزہ گوئی
این عاریتی نہ جائے عار است | کہ اقوال ــــــــــ
این سُنبلہ ایست چند چیدہ | بر دامن وقت، نو رسیدہ
از خرمن ہائے اہلِ درداں | وز مزرعِ پاک، نیک مرداں
دل کردہ بفکرِ نام قابل | این خوشۂ چند را سنابل

تاریخ کتابتش فتادہ
از نہ صد و شش و نہ نہادہ

یعنی یہ دو چار باتیں جنہیں میں نے تحریر کیا ہے انہیں دل کے گرد اگر دنقش ونگار بنایا ہے اسے اپنے لیے کافی سمجھ رکھا ہے کہ گہری اندھیریوں کا چراغ ہے اور جب میں نے اُن خوشوں کو چن لیا تو اپنی جانب سے بھی کچھ لکھ دیا جو قرآن وحدیث کے موافق اور دین کے اصول اور فروغ کے مطابق ہے۔ میرا خطاب تجھ سے نہیں ہے۔ یہ میں اپنے ہی دل سے بات کر رہا ہوں بلکہ تیرے سامنے تو یقین کی کھیتیاں ہیں۔ جب میں دستر خوان بچھاؤں تو تو اُس میں سے خوشوں کو چن اور اپنا فائدہ ڈھونڈھ کہ یہ سب قرآن وحدیث ہی کی باتیں ہیں بیہودہ چیزیں نہیں۔ ان میں سے لے لینا عار کی بات نہیں ہے اس لیے بڑے بڑے بزرگوں کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ چند چنے ہوئے وہ خوشے ہیں جو وقت کے دامن پر ابھی نمودار ہوئے ہیں اور جن کو درد والوں کے انبار اور پاک مردوں کے پاک کھیتوں سے لیا ہے۔ دل نے غور و فکر کے بعد ان چند خوشوں کے مناسب، ان کا نام (سبع) سنابل رکھا ہے اور اس کتاب کا سال تصنیف ۹۶۹ھ ہجری ہے۔

فہرست کتاب سبع سنابل

پہلا سنبلہ عقیدوں اور مذہبوں میں۔
دوسرا سنبلہ پیری مریدی اور اس کی حقیقت اور ماہیت کے بیان میں۔
تیسرا سنبلہ دُنیا کے چھوڑنے، تھوڑی پر صبر کرنے، اللہ پر بھروسہ کرنے اور عالم سے منہ موڑنے میں۔
چوتھا سنبلہ فقیروں کی بندگی اور اُن کے عمدہ اخلاق میں۔
پانچواں سنبلہ خوف و امید میں۔
چھٹا سنبلہ وحدت کی حقیقتوں اور معرفت و محبّت کے آثار۔
ساتواں سنبلہ مختلف فائدوں میں۔

پہلا سنبلہ عقیدوں اور مذہبوں میں اے طالب صادق یہ سمجھ لے کہ جو شخص کسی چیز کا طلب کرنے والا ہوتا ہے۔ اس پر سب سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ اس چیز کی ماہیّت اور حقیقت کو جانے تاکہ اس کی طلب اور رغبت اُس چیز میں پوری پوری طرح ہو اور کسی شخص کو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ صوفیوں کی راہ و رسم پر چلے جب تک کہ اُن کے عقیدوں اور ان کے طریقوں کو نہ پہچانے اس لیے کہ بہت سے دعویداروں سے اہلِ حق کا حال پوشیدہ ظاہری اور باطنی ہے اور چلنے والوں کی زیادتی کی وجہ سے صوفیوں کا راستہ اور طریقہ بدعتوں اور گمراہیوں سے مل چکا ہے۔ پس اے حق کے طلب کرنے والے وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں ان کے تین گروہ ہیں۔ اوّل محدثین، دوم فقہا اور سوم صوفیاء۔ ان میں سے علمائے حدیث نے قرآن شریف (کے مطالب) پر ملکہ پانے کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری قول و فعل میں اہتمام تام کو اختیار کیا اور (حق تو یہ ہے کہ) یہی چیز دین اور اسلام کی بنیاد ہے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ جو رسول تمہیں دے اُسے

لو اور جس سے منع کرے اُس سے باز رہو"۔ پس وہ لوگ حدیث شریف کے سُننے اس کے نقل کرنے، اس کے لکھنے، صحیح کو ضعیف سے جدا کرنے، آحاد متواتر اور مشہور حدیثوں میں فرق کرنے اور حدیثوں کو قرآن شریف کے مطابق کرنے میں مصروف رہے ہیں اس لیے کہ رسُولِ خدا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِذَا رُوِیْتُمْ بِالحدیث فھُوان کان موافقاً بالقرآن فاقبلوہ والّا فردّوہ"۔ یعنی جب تم سے میری کوئی حدیث بیان کی جائے تو اگر وہ قرآن کے موافق ہو قبول کرو ورنہ اسے چھوڑ دو"۔ تو دراصل یہی لوگ دین کے رکھوالے ہیں۔

اور فقہائے اسلام کے گروہ نے اصحابِ حدیث کے علموں کو پورا حاصل کرنے کے بعد ایک اور خصوصیت اور فضیلت حاصل کی کہ فقہ و حدیث میں اپنے فہم اور استنباط کی قوت اور گہری نظر سے، دین کے احکام اور حدود میں ترتیب دی اور ناسخ و منسوخ، مطلق و مقید، مجمل و مفسّر، خاص و عام اور محکم و متشابہ کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا۔ پس یہ لوگ دین کے سردار اور شرع کے علمبردار ہیں کہ ان کا اجتہاد شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے قرآن و حدیث کے مانند۔

اب رہا صوفیا کا گروہ تو وہ ان دونوں گروہوں سے ان کے عقیدوں اور اُن کے علم کے ماننے میں اُن سے متفق ہے اور ان کے آثار و روایات میں کوئی اختلاف نہیں رکھتا مگر شرط یہ ہے کہ ان کے یہ معانی اور مطالب نفس کی پیروی سے دور اور صحابہ کی پیروی پر موقوف ہوں چنانچہ وہ تمام احکام جن پر یہ دونوں گروہ ایک زبان ہیں صوفیوں کا گروہ بھی ان کے ساتھ ہے اور جن مسئلوں میں یہ دونوں گروہ اختلاف رکھتے ہیں گروہ صوفیا نے اس میں سے بہتر اور برتر کو قبول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول

فیتبعوُنَ احسنہ ۔ پس میرے ان بندوں کو خوشخبری دیجئے جو بات کو سُنتے ہیں پھر اچھی بات پر عمل کرتے ہیں ۔ یہیں سے وہ کہاوت چلی ہے کہ الطریقہ ھی لباب الشریعۃ لا ھی غیرھا ۔ یعنی طریقت باعتبارِ اصل شریعت ہی ہے نہ کہ اس کا غیر ۔ لیکن فرعی مسئلوں میں اُن کے اختلاف کو بُرا بھی نہیں جانتے اس لیے کہ فرمایا ہے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اختلاف اُمتی رحمۃ یعنی میری اُمت کا اختلاف بھی رحمت ہے ۔ بعض لوگوں نے کسی صوفی سے پوچھا کہ وہ کون سے عالم ہیں جن کا اختلاف رحمت ہے ۔ فرمایا ھم المعتصمون بکتاب اللہ تعالیٰ المجاھدون فی متابعۃ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المقتدون بالصحابۃ ۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن شریف کو مضبوطی سے تھامے ہوئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور اصحابِ رسول کی اقتدا کرتے ہیں" ۔ لہٰذا دین کی فروعی باتوں میں اختلاف رحمت ہے اور اصول دین میں بدعت اور گمراہی ۔

مثنوی

سہ آید اصل شرع اے مومن صاف	کتاب و سنت و اجماعِ اسلاف
قیاس راسخون العلم بر حق	و با ہر سہ اصل شرع ملحق
تو گر بیروں روی زیں ہر سہ یک گام	بر افتادی ز راہِ دین و اسلام

یعنی اے سچے دل سے ایمان لانے والے شریعت کے تین اصول ہیں ۔ قرآن شریف ، حدیث شریف اور متقدمین کا اجماع اور مسلم میں مہارت رکھنے والوں کا قیاس بھی ان تینوں سے ملا ہوا ہے تو تو اگر ان تینوں سے قدم باہر نکالے گا تو دین اور اسلام کے راستوں سے الگ جا پڑے گا ۔ لہٰذا ہم پر فقہا کے عقیدوں اور اُن کے طریقوں کے ذکر سے کتاب کا شروع کرنا ضروری ہوا

کہ وہ ہمارے اعتقاد میں شریعت کے اصولوں میں سے ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت تہتر فرقوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں نجات پانے والا صرف ایک گروہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا اہلسنت و جماعت۔

یقین جان کہ یہ تینوں گروہ کہ اہلسنت و جماعت سے ہیں اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ واحد حقیقی ہے اپنا کوئی شریک، کوئی ساتھی کوئی ہمتا کوئی مانند اور کوئی مثال نہیں رکھتا اس لیے کہ ان چیزوں کی سمائی تو واحد عددی میں سمجھ میں آتی ہے اور واحد حقیقی ان میں سے کسی کی گنجائش ہی نہیں رکھتا اور وہ جسم بھی نہیں ہے اس لیے کہ جسم دو یا زیادہ چیزوں سے مل کر بنتا ہے اور نہ وہ جوہر ہے اس لیے کہ جوہر کسی نہ کسی چیز میں قرار ضرور پکڑتا ہے اور عرض بھی نہیں اس لیے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتا اور عبارتیں اور اشارے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے بیان تک نہیں پہنچ سکتے اور فکریں اور نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کا وجود زمانے اور مکان سے بھی سابق ہے اور وہ کیفیت و کمیت سے پاک ہے کہ جو کچھ ان چیزوں میں سما سکتا ہے وہ واحد عددی ہوتا ہے نہ کہ واحد حقیقی۔ پھر علماء نے اس بات پر بھی اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح نہ جوہر ہیں اور نہ عرض۔

کشف و مراقبہ کے اماموں اور پیش رووں کے نزدیک ذات اور صفت دو مترادف الفاظ ہیں جن کے معنی ایک ہی ہیں اور طریقت کے سرداروں اور اسرار وحدت کے نگہبانوں نے جو کچھ نبوت کے طاق سے چنا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تعریف سے دیکھا اور جانا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی (صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات یعنی) صفات ایک طرح اسی کی ذات ہیں اور ایک طور پر اس کی ذات کی غیر عین

ذات تو اس لیے کہ وہاں کوئی دوسرا ایسا موجود ہی نہیں جو اس کا غیر بن سکے اور غیر ذات اس لیے کہ ان کے مفاہیم علی الاطلاق مختلف ہیں۔

اور حی و عالم مرید و قادر، ان ناموں میں سے ہیں کہ ان کے معنی ذات قدیم کے ساتھ قائم اور ثابت ہیں اور اہل بصیرت کے نزدیک حقیقت اسماء ہی معنی قدیم ہیں اور یہ الفاظ، اُن اسماء پر علامتیں۔ اور اس قسم کو صفات ثبوتی کہتے ہیں اور یہ چاروں اسم الوہیت کے چار رُکن ہیں اور مُعِزّ، مُذِلّ، مُحیی، مُمیت، مُعطی، مانع ضار اور نافع یہ سب نسبت سے ظاہر ہوتے ہیں اور اس قسم کو صفات اضافی کہتے ہیں اور سلام، قدوس اور غنیؒ۔ یہ عیبوں برائیوں اور احتیاج کے سلب کرنے کے لیے ہیں اور اس قسم کو صفات سلبی کہتے ہیں اور تمام اسماء اور صفات کا مجموعہ انہیں تین میں منحصر ہے۔ ہاں صفات اضافیہ سے اوّل و آخر اور ظاہر و باطن۔ ان کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ وہ اوّل ہے۔ عین آخریت میں۔ آخر ہے عین اولیت میں۔ ظاہر ہے عین باطنیت میں اور باطن ہے عین ظاہریت میں۔

اور علماء نے اجماع کیا ہے کہ قرآن شریف میں جو چہرہ ہاتھ نفس اور سُننے دیکھنے کے متعلق ارشاد ہوا ہے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے لیے ثابت ہے لیکن نہ اس طرح کہ اس کی کوئی مثال دی جائے اور نہ یوں کہ اسے بیکار جانا جائے اور عرش پر مستوی ہونے کی صفت معلوم ہے مگر اس کی کیفیت نامعلوم اس پر ایمان لانا واجب ہے اور کُرید کرنا بدعت۔ رہی صفت نزول اس میں بھی علماء کا مذہب یہی ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تبارک و تعالیٰ آدھی رات کے بعد آسمان دُنیا پر نزول فرماتا ہے پھر ارشاد فرماتا ہے کیا ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اُسے دوں اور کیا ہے کوئی دُعا دینے والا کہ میں قبول کروں اور کیا ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اُسے بخشوں۔

اس پر بھی اجماع ہے کہ قرآن خدائے تعالیٰ کا پیغام ہے اور خدا کا کلام قدیم ہے۔ مخلوق نہیں۔ ہمارے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور ہماری زبانوں پر پڑھا ہوا اور ہمارے دلوں میں محفوظ ہے مگر ان جگہوں پر کہیں سے نازل نہیں ہوا۔ (محض قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے)

اس پر بھی اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار سر کی آنکھوں سے جنّت میں ہوگا معتزلی، زیدی اور خارجی اس مسئلہ میں ہمارے خلاف ہیں اور دیدار کے منکر۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ، لوح وقلم، حوض وکوثر و پلصراط، شفاعت و میزان، حور اور جنّت کے محلاّت، قبر کا عذاب اور منکر نکیر کا سوال اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کے متعلق بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے اُن کا زبان سے اقرار اور دل سے ماننا ضروری ہے۔

اُس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ جنت اور دوزخ باقی اور رہنے والی ہیں اور جنت والے ہمیشہ عیش وآرام میں رہیں گے اور جہنمی ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے کاموں کا بھی پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ ان کی ذاتوں کا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے واللہ خلقکم وما تعملون اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔ لیکن کسب کرنے والا بندہ ہے۔

اس پر بھی اجماع ہے کہ تمام مخلوق اپنی موت کے وقت پر مرتی ہے اور فرمانبرداری نافرمانی ایمان لانا اور کفر اختیار کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر سے ہے لیکن خدائے برتر و بزرگ بندوں کے کفر اور گناہگاری سے راضی نہیں۔ اور اس حقیقت کے بعد اللہ تعالیٰ پر کسی شخص کو کوئی حجت نہیں۔

علماء اہلسنت نے ہر مسلمان کی اقتداء میں نماز جائز قرار دی ہے خواہ صالح

ہو خواہ فاسق۔[۱] نیکیوں کے سبب سے اہلسنت نے محض اپنی اٹکل سے کسی خاص شخص کو قطعی جنتی نہیں کہا اگرچہ وہ بہت زیادہ ہوں اور نہ کسی خاص شخص کی بدکاریوں کے باعث اس کو جہنمی قرار دیا اگرچہ بدکاریاں بکثرت ہوں۔ تمام اہلسنت اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، کہ تمام نبی اور رسول دوسری مخلوق سے بہتر اور جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل و برتر ہیں اور اللہ تعالےٰ نے پیغمبری آپ پر ختم فرمائی ہے۔

اس پر بھی اہلسنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذی النورین اور ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان سب کے بعد وہ لوگ ہیں جو عشرۂ مبشرہ میں باقی بچتے ہیں۔ ان دسوں کو رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والتحیہ نے جنت میں داخلے کی بشارت دی ہے اور بالیقین فرمایا کہ ابوبکر

---

[۱] البتہ فاسقِ معلِن کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے۔ انہم لو قدموا فاسقاً یاثمون بناءً علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمیۃ لعدم اعتنائہ بامور دینہ الخ۔ یہی مضمون تبیین الحقائق۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح، فتاوی الحجۃ وغیرہا میں ہے۔ ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھ لیں اور اعادہ کریں کہ۔ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (فتاوی رضویہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد خلیل القادری عفی عنہ

جنت میں ہیں، عمر فاروق جنت میں ہیں۔ عثمان جنتی ہیں۔ علی جنتی ہیں طلحہ جنتی ہیں۔ زبیر جنتی ہیں۔ سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں۔ سعید بن زید جنتی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں اور ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

شرح عقائد میں لکھا ہے کہ تین شخص اور ہیں جن کے جنتی ہونے اور ایمان پر خاتمہ ہونے کی یقینی خبر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ایک حضرت فاطمہ کو اُن کو جنت کی عورتوں کی سردار کہا ہے۔ دوسرے حضرت حسن تیسرے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان دونوں کو جنت کے جوانوں کا سردار فرمایا ہے اور آداب المریدین کی شرح میں لکھا ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے پس حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی انہیں میں کر دیجئے۔ ارشاد ہوا کر دیا۔

اس پر بھی اجماع ہے کہ تمام پیغمبر علیہم السلام تمام فرشتوں سے بہتر ہیں اور فرشتوں کو آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت ہے جس طرح پیغمبروں اور مسلمانوں میں باہم گر۔ اس پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ کامل ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل کرے لہٰذا جو شخص زبان سے اقرار نہ کرے وہ کافر۔ جو دل سے نہ مانے وہ منافق اور جو اعضاء بدن سے کام نہ لے وہ فاسق ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا دل سے پہچاننا اور زبان سے (بلاوجہ) اقرار نہ کرنا دنیا میں مفید نہیں۔ ہاں وہ ایمان جو زبانی اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ کمی زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتا البتہ ہاتھ پیروں وغیرہ کے کاموں میں زیادتی اور نقصان پایا جاتا ہے اور دل سے تصدیق میں کمی نہیں زیادتی ضرور ہے۔

اس پر بھی اجماع ہے کہ مزدوری، تجارت اور صنعت مباح ہے جب کہ

نیکی اور پرہیزگاری پر مدد کی خاطر ہو مگر شرط یہ ہے کہ روزی حاصل کرنے کی جگہوں کو ہی رزق کے حاصل کرنے کا سبب نہ جانے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ حلال کا حاصل کرنا فرض ہے اور دنیا حلال سے خالی بھی نہیں۔ نیز جس طرح حلال رزق ہے حرام بھی رزق ہے اور اس مسئلہ میں معتزلی ہمارے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حرام رزق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی اور اسی کے لیے دشمنی ایمان کے بہترین کاموں میں سے ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ اللہ والوں کی کرامتیں پیغمبروں کے وقت میں بھی ظاہر ہو سکتی ہیں اور دوسرے وقتوں میں بھی۔

جاننا چاہیئے کہ مذہب اہلسنت و جماعت کے تمام علماء کہ محدثین فقہا اور صوفیا ہیں۔ ان تمام عقیدوں سے متفق ہیں جو ابھی مذکور ہوئے مگر اے سچے سُنّی تجھے بہت سی باتوں میں غیب پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو تو دیکھ نہیں سکتا اور فرشتے نہ تجھے محسوس ہیں نہ وہ تیری نظر میں سمائے ہوئے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے پردہ فرمایا اور رحمت کی آرام گاہوں میں آرام کر رہے ہیں اور آخرت کی تمام باتیں اور قیامت کی حالتیں آنے والی چیزیں ہیں لہٰذا تو ان سب پر بے دیکھے ایمان لا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے سکھانے اور بتلانے پر موقوف ہے۔

عقائد کاں رہِ مردانِ سُنی ست ہمہ موقوف بر علمِ لدُنّی ست

یعنی وہ عقیدے جو مسلمانانِ اہلسنت کی راہ ہیں سب علمِ لدُنّی پر موقوف ہیں۔

شریعتِ محمدی اور دینِ احمدی وہ بے عیب اور سیدھا راستہ ہے جس پر حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اور اپنی امت میں سے لاکھوں ولیوں صالحوں شہیدوں اور حق پسندوں کو لے کر چلے۔ اُسے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک اور کانٹوں سے پاک کیا۔ اس کی نشانیوں اور منزلوں کو مقرر اور واضح کیا۔ ہر قدم پہ ایک نشان قائم کیا اور ہر سرائے میں توشہ راہ رکھا۔ اور ڈاکوؤں سے حفاظت کے

لیے ایک قوی قافلہ سالار ہمراہ کیا۔ تو اگر کوئی ہوس کا بندہ، دین میں نئی باتیں تراشنے والا، کسی دوسرے راستے پر بلائے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کی بات پر کان نہ دھریں اور سچے دین کی حمایت میں اس کو دھتکار دینا اپنے فرائض میں شمار کریں۔

آخر یہ اہلِ بدعت و ضلالت وہی تو فرقہ ہے جو اپنے آپ کو سلام کے لباس میں، محض دھوکہ دہی کی خاطر ظاہر کرتا ہے اور اپنے خراب عقیدوں کو سینے میں چھپائے رکھتا ہے اور ظاہر میں مسلمانوں میں گھلا ملا رہتا ہے اور خود کو حق آگاہ عالموں کی صورت میں ظاہر کرتا ہے اور جب موقع پاتا ہے ایمانی عقیدوں کو بگاڑنے اور اسلامی ستونوں کو ڈھانے کے لیے نئی بنیاد قائم کرتا ہے اور سادہ لوح مسلمانوں کے پاک دلوں کو فطری پاکی سے پھیر دیتا ہے۔ خود کو اسلامی سپر کے پردہ میں چھپاتا، اور مخلوقِ خدا کی نظروں سے چھپ کر لوگوں کو بدعت اور گمراہی کی جانب بلاتا ہے اور یہ اسلام کے سادہ دل مسلمان جو نیک اور بد اور سُنّت و بدعت کو نہیں پہچانتے، ان کی فصاحت بھری عبارتوں اور بلاغت سے پُر کلموں پر، بھول کر دین کے دشمن اور شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اور جب علمائے دین اور بزرگانِ اسلام کے علم کی روشنی سے ان کی گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں تو لامحالہ یہ لوگ اہلِ شریعت کو اپنا دُشمن بنا لیتے ہیں اور اللہ والے علماء، جو حقیقتاً آسمانِ اسلام کے ستارے ہیں، لوگوں کو ان انسانی شیطانوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور ان کے نورانی سانفس، شہابِ ثاقب کی طرح شریعت کے ان اُچکوں کو چاروں طرف ہانک دیتے ہیں اور اُن کو پتھراؤ اور سنگ اندازی سے متفرق کر دیتے ہیں۔

پس اے بھائیو خوب جان لو کہ سنت کے بھیدوں کی گہرائیوں کو جاننا اور بدعت کے نشانوں کی اندرونی باتوں کو معلوم کرنا ممکن ہی نہیں جب تک ایمان اور اسلام کی روشنی اور محبت و تعظیم کی رہبری میسّر نہ ہو۔ اور ان کا سمجھ لینا عقل کے

احاطہ سے باہر ہے اس لیے کہ عقل تو صرف دُنیائے حکمت میں اُلٹ پھیر کر سکتی ہے کارخانۂ قدرت میں اُسے ہرگز ہرگز کوئی دخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عقل جب قدرت کے کارخانوں کی کوئی بات سنتی ہے تو یا تو اس کے محال ہونے کا حکم لگا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ جو چیز سمجھ میں نہ آئے وہ قدرت کے تحت میں بھی نہیں یا اُس کو ظاہر سے پھیر دینے اور بدل دینے میں جلدی کرتی ہے کہ فلاں اشارہ سے یہ چیز مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ط اللہ کی باتوں کو اُن کے ٹھکانوں سے ہٹا دیتے ہیں اور بُھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں"۔ تو زمانے کے ان عاقلوں کی شکایت فضول ہے اور اگر عقل اپنی حدود میں رہتی اور قدرت کے کارخانوں کے مقابلے میں اپنی عاجزی کا اقرار کرتی تو غلطی میں کبھی نہ پڑتی۔

فصل امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے لوگوں نے مذہب اہلسنت وجماعت کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ وتفضِل الشَّیخَین وتحبُّ الختَنَین وترَی المسح علی الخفّین۔ یعنی مذہب اہلسنت یہ ہے کہ تم حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو، فضیلت دو اور حضرت عثمان غنی اور مولائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرو اور موزوں پر مسح کو جائز جانو"۔ اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولائے علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ فضیلت میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اگرچہ کم ہیں مگر خود اُن میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی محبت ختنین یعنی حضرت عثمان غنی اور مولائے علی کی محبت کے برابر ہے اس میں کوئی فرق اور کمی نہیں۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ ہم اس مسئلہ کو عنقریب ہی صاف صاف بیان کریں گے۔

محبت بااین ہر چہار نکو | ز تفضیل شیخین کارت نکو
محبت بہر چار گر استوار | ولی فضل شیخین مفرط شمار
ورت فضل شیخین در دل کم ست | بنائی تو در رفض مستحکم ست

یعنی ان چاروں ہی سے محبت کہ نا بھلائی ہے اور شیخین کو فضیلت دینے میں تیرے انجام کی بہتری - ان چاروں سے سچی محبت رکھ، لیکن شیخین کی فضیلت زیادہ مان - اور اگر تیرے دل میں شیخین سے محبت کم ہے تو سمجھ لے کہ تیری بنیاد رفض میں مضبوط ہوتی چلی جارہی ہے - جملہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اسی پر اجماع ہے اور یہی اجماع متقدمین و متاخرین اگلوں اور پچھلوں کی کتابوں میں لکھا ہوا اور شائع ہوا ہے - فردوسی نے شاہنامے میں کہا ہے -

مثنوی

بگفتار پیغمبرے راہ جوئے | دل از تیرگیہا بدیں آب شوئے
چہ گفت آں خداوند تنزیل و وحی | خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولان مہ | نتابید بر کس ز بوبکر بہ
عمر کرد اسلام را آشکار | بآراست گیتی چو باغ و بہار
پس از ہر دو آں بود عثمان گزیں | خداوند شرم و خداوند دین
چہارم علی بود جفت بتول | کہ او را بخوبی ستاید رسول
کہ من شہر علمم علیم دراست | درست ایں سخن قول پیغمبر است

"یعنی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے راستہ ڈھونڈو اور دل کی تاریکیاں اس پانی سے دھو ڈالو کہ اس صاحب قرآن و وحی اور مالک امر و نہی نے فرمایا ہے کہ تمام رسولوں کے بعد آفتاب کسی ایسے شخص پر نہ چمکا جو ابوبکر سے بہتر ہو اور عمر فاروق نے اسلام کو رونق دی اور اس عالم اسلام کو باغ و بہار کی طرح سجایا - ان دو کے بعد عثمان غنی ہیں جن کا شرم اور دین میں خاصا حصہ ہے اور چوتھے حضرت علی ہیں جو فاطمۃ الزہرا کے شوہر ہیں اور جن کی تعریف جناب رسول خدا نے یوں فرمائی ہے -

میں علم کا شہر ہوں علی اس کے دروازے اور پیغمبر خدا کا یہ فرمانا صحیح روایت سے ثابت ہے"۔ اسی مضمون کو مخدوم شیخ سعدی نے یوں فرمایا ہے کہ

نخستین ابوبکر پیر مرید — عمر پنجہ بر پیچ دیو مرید

خردمند عثمان، شب زندہ دار — چہارم علی شاہ دُلدُل سوار

یعنی اول مرتبہ حضرت ابوبکر کا ہے جو بزرگ اور رسولِ خدا کے خاص فرمانبردار ہیں اور عمر فاروق سرکش دیووں کے جالوں کے لیے پنجہ ہیں اور عثمان غنی راتوں کو جاگنے والے ہیں اور حضرت علی بادشاہ دُلدُل سوار ہیں"۔ مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسر الاحکام میں لکھا ہے کہ کوئی ولی کسی پیغمبر کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق پیغمبروں کے بعد تمام ولیوں سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور وہ بھی کسی پیغمبر کے درجہ تک نہ پہنچے اور ان کے بعد امیر المومنین عمر بن الخطاب ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو جو شخص حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجی ہے اور جو شخص کہ انہیں حضرت امیر المومنین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ رافضیوں میں سے ہے یہاں تک کہ تیسر الاحکام کی بعینہٖ عبارت فارسی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "مَا فَاقَ ابوبکرٍ بکثرۃِ الصَّلوٰۃِ وَالصِّیَامِ وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُقِّرَ فِیْ قَلْبِہٖ"۔ یعنی ابوبکر نماز اور روزوں پر کثرت کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے لیکن اس چیز کی وجہ سے جو اُن کے دل میں ڈال دی گئی ہے"۔ اور اسی لیے اُن سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں جو کسی دوسرے سے ظاہر نہ ہوئیں چنانچہ ہم اُن کے بعض حالات بیان کرتے ہیں۔

اول یہ کہ ایک روز رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اصحاب کے ساتھ مکے میں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ عنقریب ہجرت ہوگی لیکن ایسے وقت میں کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک روز آدھی رات کو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

خدا کا ارشاد ہے کہ مکہ سے ہجرت کیجئے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے، جب دروازے پر پہنچے دیکھا کہ ابوبکر موجود ہیں ۔ فرمایا اے ابوبکر تمہیں کس نے خبر دی، عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس روز آپ نے فرمایا تھا کہ ہجرت ایسے وقت میں ہوگی کہ کسی کو پتہ نہ چلے گا۔ اسی روز سے اپنے گھر نہیں سویا ہوں اور تمام رات حضور کے درِ دولت پر حاضر رہتا ہوں"۔ پس یہ تپاک اور جاں سوزی اسی شیئے عظیم کی نشانیوں میں ہے جس کو ابوبکر صدیق کے دل میں کافی مقدار میں رکھا گیا تھا اور یہ حالت کسی اور سے ظاہر نہ ہوئی ۔

اسی طرح ایک مرتبہ جناب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اصحاب کے ساتھ مدینے میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ط آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ۔ تمام اصحاب اس کو سُن کر بہت زیادہ خوش اور مسرور ہوئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی معرفت اور توحید کو پورا کیا اور ہمارے دین پر کہ اسلام ہے راضی ہوا"۔ سب خوش تھے اور شکر ادا کر رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ زار وقطار رونے میں مصروف ۔ جب اُن سے اس رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اس آیت سے فراقِ یار کی بو آتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کرنے کی خاطر بھیجا تھا اور جب ہمارے دین کو کامل کر دیا اور معرفت اور توحید کی نعمت ہمیں عطا فرما دی تو اب اللہ تعالیٰ انہیں ہم میں نہ رکھے گا چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا ۔

اور یہ دانائی وفراست بھی اسی امرِ عظیم کے آثار سے تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دل میں راسخ فرمائی گئی تھی کہ یہ حال کسی اور سے ظاہر نہ ہوا اور چند روز کے بعد جب جناب رسول خدا علیہ السلام والتحیۃ نے پردہ فرمایا تو تمام اصحاب کو ایسا غم وافسوس ہوا کہ اپنی زندگی اُن کو دوبھر معلوم ہونے لگی اور جمال

جہاں آرائے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بغیر اُن کو جینا اچھا معلوم نہ ہُوا اور اپنے اپنے غم رسیدہ دل اور بہتی آنکھیں لے کر گوشہ نشین ہو گئے اور دنیا کی طرف سے اپنے دروازوں کو بند کر لیا چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ قسم کھائی کہ جو شخص میرے سامنے یہ کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہیں اُسے جان سے مار دوں گا۔ تیس ہزار اصحاب تشریف رکھتے ہیں مگر کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق کچھ کہے مگر اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ممبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔ رب تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان کی اُس کے بعد فرمایا کہ مَن کَانَ مِنکُمْ یَعبُدُ مُحمداً فقد مَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنکُمْ یَعبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّ رَبَّ مُحمدٍ حَیٌّ لَمْ یَمُت۔ یعنی تم میں جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رب کی بندگی کرتا تھا تو بے شک ربِّ محمد جلَّ و علا زندہ ہے اور وہ فوت نہیں ہو گا۔" یہ بھی وہ چیز ہے جس کا اظہار دوسرے اصحاب نہ کر سکے۔

نیز آپ نے مرتدین سے یہاں تک جہاد کیا کہ اسلام محفوظ ہو گیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب مخالفینِ اسلام نے یہ دیکھا کہ تمامی صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے غم و حسرت میں مبتلا ہیں اور کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں تو سب نے جمع ہو کر یہ مشورہ کیا کہ اصحاب کی طرف بڑھ کر حملہ کریں اور دینِ محمدی کے احکام کو زیر و زبر کر دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے دوستو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فراق کی مصیبت تو ہم میں از سرتاپا سما چکی ہے کہ ہمیں بغیر آپ کے زندگانی نہیں بھاتی لیکن جب تک ہماری زندگی ہے ہم نہ مر سکیں گے۔ اور اس مصیبت کو ہم قبر میں لے جائیں گے۔ ہماری جان ہمارا گھر اور ہمارا مال و متاع دینِ محمد پر قربان ہو اس وقت مخالفینِ اسلام نے بالاتفاق یہ ٹھانی ہے کہ دین اسلام کے احکام کو منتشر بلکہ معدوم کر دیں۔ اگر ہم نے اس کام میں تن آسانی

اور بے توجہی برتی توکل قیامت میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو منہ کیسے دکھائیں گے اور حق تعالیٰ کے قہر و عتاب کو کیا جواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ " اور نہیں ہیں محمد مگر رسول ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے تو اگر وہ وفات پائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے"۔ مرد بنو اور مردوں کی طرح سامنے نکلو اور دین اسلام کی حفاظت میں چستی اور پھرتی دکھلاؤ۔ آپ کے اس فرمان پر تمام صحابہ مستعد ہو گئے اور سب بیک دم مخالفین پر ٹوٹ پڑے اور مرتدین کو واصلِ جہنم کیا۔ القصہ دینِ اسلام کی محافظت کا شرف سب سے پہلے آپ ہی کو نصیب ہوا۔

اور یہ بھی اسی امرِ عظیم کی نشانیوں میں سے ہے جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینۂ مبارک میں ثابت فرمادیا گیا تھا اور آپ کا یہ احسان اور اس کا شکریہ قیامت تک اس امت کے مسلمانوں پر باقی رہے گا۔

روایت ہے کہ جس روز آپ نے اپنا تمام سامان اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستہ میں قربان کر دیا تھا۔ آپ ایک سبز کمبل اوڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا " آگے بڑھو"۔ آپ آگے بڑھ گئے، پھر ارشاد فرمایا " اور آگے بڑھو"۔ آپ اور آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح حضور یہ کلمہ بار بار ارشاد فرماتے رہے اور آپ ہر مرتبہ بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ کا زانو حضورِ انور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو گیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا " ابوبکر میرے اور تمہارے درمیان صرف اتنا ہی فرق ہے کہ میں نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

اور یہ بھی اسی امرِ عظیم کے نشانوں میں سے ہے جسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مبارک دل میں پیدا کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صدیق اکبر کو یہ تمام مرتبے اس لیے ملے ہیں کہ وہ رضائے الٰہی میں اسی ہزار دینار خرچ کر چکے ہیں۔ اگر ہم بھی اتنے ہی دینار صدقہ کر دیں تو اس درجہ تک پہنچ جائیں گے۔

آپ نے ارشاد فرمایا "نہیں"۔ پھر یہ حدیث فرمائی کہ

لو اتّزن ایمان ابی بکر مع ایمان جمیع اُمّتی لرجح۔

یعنی اگر ابو بکر کا ایمان میری تمام اُمّت کے ساتھ تولا جائے تو البتہ ابو بکر کے ایمان کا پلّہ بھاری رہے"۔ اور یہ بھی اسی امرِ عظیم کے آثار سے ہے جو آپ کے دل میں جما دیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر حضور نے آپ سے دریافت فرمایا کہ " اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے"۔ جواب دیا "اللہ اور اس کا رسول"۔ اتنے میں حضرت جبریل امین سبز کمبل اوڑھے ہوئے حاضرِ خدمت آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمانِ خدا ہے کہ ابو بکر سے پوچھئے کیا میں تنہا پسند نہ تھا کہ میرے نام کے ساتھ رسولؐ کا نام بھی ملا لیا"۔ تمام پاکی اللہ ہی کو زیبا ہے۔ ہم اس کی حمد بکثرت بیان کرتے ہیں۔ یہ کون سی منزل ہے اور کیا رتبہ اور قربت ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کا نام لینے پر حضرت ابو بکرؓ سے غیرت فرماتا ہے عقل و خِرد یہیں پر طاقتِ پرواز کھو بیٹھتی ہے اور اس بندۂ عاجز کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس عتاب کا راز یہ ہو کہ اے ابو بکر تمہاری معرفت کا قدم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ رسول کو ہم سے جُدا نہیں دیکھتے اس لیے کہ وہ فنا فی اللہ ہیں اور ہم اُن میں جلوہ فرما۔ پس علحدہ ذکر کیوں کیا؟ اسی لیے کہا گیا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی غلام ہے اور جب حق نے تجلی فرمائی تو (اب خدا سے جُدا) محمد کہاں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

یہ بھی بات دل کو بھاتی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ اہل و عیال کے مرتبہ کے اعتبار سے تھا نہ اپنی ذات کے اعتبار سے اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت فرمایا تھا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا۔ ہاں اگر یہ فرماتے کہ اپنے نفس کے لیے کیا چھوڑا اس وقت اپنے معرفت کے مقام سے جواب دیتے اور کہتے کہ صرف خدا"۔

لعبتی دگر از پردہ بروں آوردی ٭ بوالعجبیہا کہ پسِ پردۂ تست

کاش کوئی اور منظر بھی اس پردہ سے ظاہر ہو یہ سرا پردۂ قدرت میں ہزار حیرت زدہ

مناظر موجود ہیں اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کو سبز کمبل اوڑھے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ بھائی جبریل یہ لباس تو خاک پر بسنے والوں ہی کا خاصہ ہے تمہارا اس سے کیا واسطہ ؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج ایک خاکی کی موافقت ہیں تمام آسمانی روحانیوں، اور حظیرۂ قدس کے تمام فرشتوں کو اس لباس سے مشرف فرمایا گیا ہے ۔ سبحان اللہ ۔

موسےٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے خدا میری آرزو یہ ہے کہ گدڑی پہنوں ۔ ارشاد ہوا ہمارے دوستوں کے لباس کی آرزو کر رہے ہو کیا تحفہ لائے ہو ۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ تھا فقیروں کو بانٹ دیا ۔ پھر گلیم کو اوڑھا اس وقت کسی فرشتہ نے کلیم اللہ کی موافقت میں گلیم نہ اوڑھی ۔ اس وقت تمہاری سمجھ کیا بتلائے گی جب کہ حق تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے دوستوں کے لباس کی تمنا کر رہے ہو" ؟ ۔ یہی نا کہ ابوبکر بھی اس کے انہیں دوستوں میں سے ہیں کہ جن کے لباس کی آرزو موسےٰ علیہ السلام نے کی ۔ اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کے جتنے دوست گلیم پوش ہیں فرشتوں نے کسی کی موافقت میں کمبل نہ اوڑھا ۔ پس اس اعتبار سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے تمام دوستوں پر سبقت لے گئے ۔ اے دوست یہ ہرگز نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فضیلت میں حضرت موسےٰ علیہ السلام پر فوقیت رکھتے ہیں اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مساکین کے گروہ کے ساتھ صحبت کی تمنا کی ہے کہ

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین"
اے اللہ مجھے مسکین کی زندگی دے ۔ مجھے وفات کے وقت مسکین رکھ اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں فرما"۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہوا ۔

اذا رائیت لی طالبا کن لہ خادما"
اے داؤد جب تم کوئی ہمارا چاہنے والا دیکھو اس کی خدمت اختیار کرو"۔ اور اس جگہ نہ مسکینوں کے گروہ کی فضیلت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے

اور نہ سچے جاننے والوں کا فضل حضرت داؤد علیہ السلام پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر اسرار کی یہ گہرائیاں اور لطائف کی یہ باریکیاں تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اعتراض میں جلدی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

یاایھا الذین آمنوا آمنو باللہ و رسولہ

اے مسلمانو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔" اس جگہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایمان سے اوپر ایک ایمان اور ہے اور ہر اسلام سے بالا ایک اور اسلام۔ پس ایمان وہ بلند عمارت ہے کہ اس کے زینہ میں بے شمار سیڑھیاں ہیں اور اسلام وہ عالی شان محل ہے کہ جس کی سیڑھی میں بے شمار پائیدان ہیں۔

پایہ بسیار سوئے بام بلند تو بیک پایہ چوں شدی خرسند

بالاخانہ کی طرف تو سینکڑوں درجے ہیں تجھے ایک پایہ ملا ہے تو تو خوش ہے (یہ کیوں)

اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے کہ" فوق کل ذی علم علیم ہ ہر جاننے والے پر ایک اور جاننے والا ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روز پوچھتے تھے کہ "یا رسول اللہ ایمان کیا چیز ہے" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن کو ان کے درجہ سے بڑھ کر ایمان بتلا دیا کرتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ روزانہ خود کو اسی درجہ پر پہنچا دیتے اور پھر سوال کرتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے ایمان کے مقام سے بڑھ کر دوسرا مقام بتا دیتے اور اسی طرح روزانہ حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان بڑھتا رہا اور اس مرتبہ پر پہنچا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام امت کے ایمانوں کے ساتھ تولا جائے تو البتہ اُن کا ایمان وزنی ٹھہرے۔ اور اس جنس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہیں ہیں۔ کہاں تک لکھوں اور میں ہوں کون کہ اس جگہ کوئی دخل دُوں۔

اب مذہب اہلسنت و جماعت کو بیان کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان غنی اور حضرت مولائے علی رضی اللہ عنہما اور

تمام اصحاب پر فضیلت حاصل ہے۔ ایک روز جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ آرہے تھے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ عمر ہیں جو تشریف لا رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہاں پھر فرمایا بھائی جبریل عمر کو آسمان والے بھی پہچانتے ہیں ؟ حضرت جبریل نے عرض کیا یا رسول اللہ اس خدائے برتر کی قسم جس نے آپ کو ہدایت مخلوق کے لیے مبعوث فرمایا عمر آسمان پر زیادہ مشہور ہیں بمقابلہ زمین کے۔ ارشاد فرمایا کہ عمر کے کچھ فضائل بیان کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ" اگر میں نوح علیہ السلام کی عمر لے کر آپ کے روبرو عمر فاروق کے فضائل بیان کرنا چاہوں تو پورے بیان نہ کر سکوں گا" اور جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجلس مبارک میں تشریف لے آئے، تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر اگر میں مبعوث نہ فرمایا گیا ہوتا تو البتہ تم پیغمبر ہوتے"۔ مگر ان تمام فضائل کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں۔ یہیں سے یہ بات سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں نہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سا مرشد پیدا ہوا اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا مرید ظاہر۔

شیخین کی فضیلت کا اعتقاد

اے عزیز اگرچہ شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرات ختنین (حضرت عثمان غنی و مولیٰ علی) رضی اللہ تعالےٰ عنہما پر کمال فضیلت اور زیادتی و فوقیت کا اعتقاد رکھنا چاہیئے مگر نہ اس طرح کہ ختنین رضی اللہ عنہما کے کمال فضائل میں کوئی قصور اور نقصان کا خطرہ بھی تیرے دل میں سمانے پائے بلکہ ان کے اور تمام اصحاب کے فضائل بشری عقلوں اور انسانی فکروں سے بہت بلند و بالا ہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر جبریل امین حضرت نوح علیہ السلام کی عمر لے کر بیان کرنا چاہیں تو پورا نہ کر سکیں گے۔ تو اپنی پھسپھسی عقل اور تاریک دل کے ساتھ یہاں کیا دخل دے سکتا ہے۔ اپنی حد پر ٹھہرنا چاہیئے تاکہ تو اپنے ایمان کو نہ کھو بیٹھے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات سننے والوں کے قبولیت والے کان میں نہ آئے گی۔

یعنی یہ کہ ایک کو کمال و فضل میں، دوسرے پر بالا و برتر سمجھنا اور اس دوسرے کو کہ جس پر فضیلت دی گئی ہے کمتر اور ناقص نہ جاننا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اے عزیز ایک سماعت کے لیے وَ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْد (اس نے کان ٹھیک دیئے اور حال یہ ہے کہ اس کا دل بھی حاضر ہے) کے مقام پر حاضر آ۔ تاکہ ایک مثال پیش کر دوں مثلاً آفتاب کہ چوتھے آسمان پر ہے اور چھوٹا نظر آتا ہے اور اس کی چوڑائی، لمبائی اور گہرائی کو عقل سے متعین اور مقدر نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس فراخی و وسعت کا تجھے علم ہو جائے تو اضطرار و حیرت میں ڈوب جائے اور اس کی مقدار کا اندازہ نہ کر سکے۔ اے عزیز مشرق و مغرب کا درمیانی فاصلہ جتنا ہے اُس سے ایک سو ساٹھ گنا مسافت، سُورج کی وُسعت و فراخی کی ہے۔ تو اسے اپنی عقل سے معین و مقدر کر لینا بڑا دشوار مرحلہ ہے (بس اتنا سمجھ لو)۔ سُورج کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ آنکھ جھپکتے ہزاروں میل طے کر لیتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیل رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ جبریل ظہر کی نماز کا وقت ہوا یا نہیں۔ جبریل نے عرض کیا" نہیں ہوا۔ ہو گیا"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ کیونکر ؟۔ عرض کیا یا رسول اللہ جس وقت آپ نے دریافت کیا یا تھا۔ وقتِ ظہر نہ ہوا تھا۔ اور جب میں نے عرض کیا کہ نہیں ہوا تو اتنی ہی دیر میں سورج ہزاروں میل آسمان پر طے کر گیا اور ظہر کا وقت ہو گیا"۔ لہٰذا آفتاب کی وُسعت کی مقدار معلوم کرنا اور اس کی سیر کی تیزی کی کیفیت جاننا، نقلِ صحیح ہی سے معلوم ہو سکتی ہے نہ کہ عقلِ فصیح سے۔

یہی حال ہے خلفائے راشدین کے فضائل کا کہ بے وقوف اس میں اپنی عقل اور فکر سے کلام کرتے ہیں اور اگر اس کی حقیقت اور ماہیت معلوم کر لیں تو متحیر اور پریشان رہ جائیں اور اُن کو متعین اور مقرر نہ کر سکیں۔ اب آفتاب کی وسعت آسمان کی وسعت کے مقابلہ میں قیاس کرو کہ کیا ہو گی۔ آفتاب آسمان میں ایسے ہی گردش کرتا ہے جس طرح سمندر میں کشتی چلتی ہے اور پہلے آسمان کی وسعت دوسرے

آسمان کی وسعت کے مقابلہ میں مختصر ہے اور ایسے ہی دوسرا آسمان تیسرے کے مقابلہ میں اور اسی قیاس پر ساتویں آسمان تک۔ یہ بھی یاد رکھو کہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کا راستہ ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ بھی اسی قدر ہے پھر یہ ساتوں آسمان، ساتوں زمینوں کے ساتھ مل کر کرسی کی وسعت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے گنبد کے مقابلہ میں ڈھال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ط اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں سے وسیع ہے"۔ پھر کرسی کی فراخی عرش اعظم کی فراخی کے ساتھ یہی حکم رکھتی ہے۔ پھر عرش اعظم کی نسبت خلفائے راشدین کے دلوں کی وسعت کے ساتھ۔ (کس کے وہم و گمان میں آسکتی ہے۔ بس) اس میں مختصر سی بات یہ ہے کہ عرش اعظم اس جیسے سو اور عرش بلکہ جو کچھ ان میں ہے اگر یہ خلفائے عارفین کے دل میں گزر کریں، ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔

غرض جبریل علیہ السلام نے اسی بنا پر یہ بات کہی تھی کہ اگر میں ان دلوں کے فضائل کو عمر نوح علیہ السلام لے کر بیان کرنا چاہوں تو بیان نہ کر سکوں گا اس لیے کہ یہ دل وہ دل ہیں کہ عرش اعظم کی عظمت اور وسیع ترین کرسی کی وسعت ان دلوں کی عظمت و وسعت کے مقابلہ میں اپنا بستر سمیٹتی رہی ہے اور جب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فوق کل ذی علم علیم (ہر جاننے والے پر ایک اور عالم ہے) کے مقتضا پر ان دلوں میں سے ایک کے فضل اور فوقیت کا دوسرے پر حکم کیا تو ان دلوں میں جن پر فضیلت کا حکم کیا گیا ہے۔ کیا کمی اور نقصان ہو سکتا ہے کہ تو اس کو جانے۔ اس لیے کہ یہ دل عرش سے زیادہ عظمت اور کرسی سے زیادہ وسعت والے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ شیخین کی فضیلت تو ختنین پر زیادہ ہے مگر نہ اس طرح کہ ختنین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں کوئی کمی یا نقص لاحق ہو۔ القصہ یہ وہ اسرار ہیں جن کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے حاصل کیا اور پھر اُن کو اپنے اصحاب پر کشف فرمایا۔ اور یہ وہ احکام ہیں جنہیں اصحاب کے

دلوں میں امانت کے طور پر رکھا اور تمامی اصحاب نے خواہ خلفائے راشدین ہوں یا اہلبیت سے ہوں یا اور ان کے علاوہ ، ان اسرار و احکام پر اتفاق کیا اور یہ بیانِ دین میں اس قدر ٹھوس ہے ۔ اگر ان حکموں میں سے ایک حکم یا ان بھیدوں میں سے ایک بھید صحیح طور پر تجھ تک پہنچے تو تجھے چاہیئے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس نعمت پر اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کرے اور کمی یا زیادتی کا ایک ذرہ بھی اس میں روا نہ جانے ۔

ما عقائدِ جمیل تر گفتیم　　دُرِ دریائے معرفت سُفتیم
گر تو غواصِ بحرِ عرفانی　　قدرِ دُر، یگانہ خود دانی

یعنی ہم نے بہترین عقیدے بیان کر دیئے اور دریائے معرفت کے موتی چُن دیئے ہیں ۔ اگر تو معرفتِ الٰہی کے دریا میں غوطہ زن ہے تو خود ہی ان لاجواب موتیوں کی قدر جان لے گا ۔"

اے عزیز ! صحابہ کے دلوں کی کشادگی اور ان کے سینوں کی فراخی ہر آن رسولِ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تاثیر سے ہوتی رہی یہاں تک کہ ان کے سچائی اور خلوص سے بھرے ہوئے دل رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کے آفتاب کے مقابلہ میں آگئے اور ہر گھڑی ہر ساعت ان پر دینی انوار اور یقینی اسرار کا اس قدر فیضان ہوتا رہا کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا اور وہ حدیث جو مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے عوارف میں نقل کی ہے کہ مَا صَبَّ اللّٰہُ فِی صَدْرِی شَیْئًا اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُہٗ فِی صَدْرِ اَبِی بَکْرٍ ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے میرے دل میں کوئی چیز القا نہ فرمائی مگر میں نے وہ ابوبکر کے دل میں ڈال دی"۔ وہ تمام اصحاب کے حق میں ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے ذکر فرمانا ان کے مزید فضل و شرف کی وجہ سے ہے اور ایسے ہی وہ حدیث کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔ اس میں علی مرتضےٰ کا ذکر ان کے مزید فضل و شرف کی وجہ سے ہے ورنہ تمام صحابہ

اس شہر کے دروازے ہیں اس لیے کہ دین کے تمام علوم امت کے جملہ علماء کو انہیں دروازوں سے پہنچے ہیں۔ اور وہ جو رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والتحیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یا ابابکر لیس بینی و بینک فرق الا انی بعثت۔ اے ابوبکر مجھ میں اور تم میں صرف یہی فرق ہے کہ میں مبعوث فرمایا گیا ہوں" اور وہ ارشاد کہ یا عمر لولم ابعث لبعثت" اے عمر اگر میں مبعوث نہ فرمایا گیا ہوتا تو تم پیغمبر ہوتے" یہ بھی تمام اصحاب تابعین، تبع تابعین اور امت کے تمام علماء کے حق میں وارد ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں" نیز حضور نے خاص کر حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ لولم ابعث لبعث نعمان بن ثابت نبیاً وھو سراج امتی وھو سراج امتی وھو سراج امتی۔ " اگر میں مبعوث نہ فرمایا گیا ہوتا تو نعمان بن ثابت کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہوتا اور وہ میری امت کے چراغ ہیں۔ میری امت کی شمع ہیں۔ میری امت کی مشعل ہیں"۔

پس جب کہ صحابہ کا اجماع جو نبیوں کا وصف رکھتے ہیں اس امر پر ہوا کہ شیخین کو فضیلت حاصل ہے۔ اور علی مرتضےٰ خود بھی اس اجماع سے متفق اور اس میں شریک ہیں تو تفضیلی اپنے اعتقاد میں ضرور غلطی پر ہیں۔ ارے ہماری عزت و آبرو تو علی مرتضیٰ کے نام پر قربان، اور ہماری جان اور دل علی مرتضےٰ کے قدموں پر نثار، وہ کون سا ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں علی مرتضےٰ کی محبت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا وہ کوئی راندہ ہوا ہوگا جو علی مرتضےٰ کی توہین روا رکھے گا مگر تفضیلیوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے کہ مرتضےٰ کے ساتھ محبت کا نتیجہ صرف یہی ہے کہ انہیں شیخین پر فضیلت دی جائے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اُن کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔ جب خود علی مرتضےٰ نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو اپنے اوپر روا رکھا اور ان کی اقتدا کی،

نیمہلت

اور اُن کے زمانہ خلافت میں ان کے حکموں پر عمل کیا تو اب محبت کی شرط یہ ہے کہ راہ وروش میں اُن سے موافقت رکھیں۔ نہ یہ کہ مخالفت برتیں۔

مگر یہ تفضیلیے تو یہ سمجھتے ہیں کہ علی مرتضٰے اور تمام صحابہ نے حق پوشی اختیار کی یا سچی بات کہنے سے خاموش ہو بیٹھے یا شیخین اور عثمان ذوالنورین زبردستی مسندِ خلافت پر بیٹھ گئے اور خیانت برتی۔ انہیں نہ خلافت کا کوئی حق پہنچتا تھا اور نہ اس پیشقدمی کا۔ حالانکہ یہ چیز خود ان سے محال محض ہے۔ واللہ قسم ہے کہ ان سے ذرہ بھر بھی زبردستی اور حق پوشی صادر نہ ہوئی اور رائی برابر بھی کوئی فرق یا حق سے تجاوز ان سے رونما نہ ہوا اس لیے کہ اگر ان میں ایک رائی بھی فرق یا حق سے تجاوز پایا جاتا تو اللہ تعالےٰ ہرگز قرآن شریف کی آیتوں میں ان کی تعریف نہ فرماتا اور ان میں ایک بھی، اگر ذرہ برابر عہد شکنی برتتا تو مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم امت کی ہدایت، اصحاب کی اقتدا پر مقرر نہ فرماتے وہ رسول کہ خدائے برگزیدہ نے اپنی ربوبیت ان کی محبت پر ظاہر فرمائی اور یہ اٹھارہ ہزار عالم انہیں کے طفیل میں پیدا فرمایا اور ان کو تمام نبیوں سے افضل بنایا وہ اپنے اصحاب کے متعلق خبر دیتے ہیں کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی پیروی کرو گے راہ پاؤ گے۔"

پھر اللہ تعالےٰ نے اُن کے دین اور اسلام کے مناقب یوں بیان فرمائے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ط وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمالیا۔" یہ ملعون اور روسیاہ ان صحابہ کے اجماع کے خلاف جرأت کرتا ہے۔ اور خدا اور رسول کے فرمان سے باہر نکلتا ہے پھر بھی یہ گمان کرتا ہے کہ میں تو مرتضٰے سے محبت کرتا ہوں۔ یہ بھی عجیب احمق ہے کہ مرتضٰے کی مخالفت کو ان کے ساتھ محبت سمجھتا ہے اس لیے کہ اللہ اور رسول کا فرمان اور صحابہ کا اجماع قبول نہیں کرتا اور فاسد عقیدہ اور باطل تصوّر کو

امام بنائے پھرتا ہے ۔ یہ سوائے تہ بہ تہ کفر اور پردہ در پردہ گمراہی کے کچھ نہیں ۔ وہ روایتیں اور وہ مسئلے جو اجماعِ امت کے مخالف اور مناقض ہیں سراسر غیر مسموع، ناقابلِ قبول اور مِس غلط ہیں ۔ اس لیے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر میرا قول صحابہ کے اجماع کے خلاف پاؤ تو میرا قول چھوڑ دو اور اجماعِ صحابہ پر عمل کرو ۔

ہست اجماع صحابہ بیخ دیں	مطلعِ انوار و مفتاحِ یقیں
ہر کہ زیں اجماع در انکار شد	زد خدا و مصطفےٰ بیزار شد
راندۂ درگاہِ مولیٰ گشتہ زود	عقدۂ بدبختیش نتواں کشود
زانکہ انکارِ صحابہ باصفا	ہست انکار خدا و مصطفےٰ
آنکہ راہش برخلاف سنت است	بر رقابش طوقہائے لعنت است

صحابہ کا اجماع دین کی بنیاد روشنیوں کا مطلع اور یقین کی کنجی ہے تو جو شخص اس اجماع سے انکار کرتا ہے اس سے خدا اور مصطفےٰ جل وعلا و صلے اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے دربار سے جلد ہی مردود ہو جاتا ہے ۔ اس کی بدبختی کی گرہ کو نہیں کھولا جا سکتا اس لیے کہ ان اصحاب باصفا کا انکار خدا و مصطفےٰ کا انکار ہے تو جس کا راستہ سنت کے خلاف ہے اس کی گردن میں لعنتوں کے طوق ہیں ۔

یاد رکھو کہ بعض رافضی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو وحی پہنچانے میں غلطی ہو گئی اس لیے کہ انہیں مرتضےٰ پر وحی پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا اور وہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو گئے ۔ ہاں تعجب ہے جبریل علیہ السلام پر کہ تمام نبیوں اور رسولوں پر وحی لے کر آتے رہے کسی جگہ غلطی نہ کی اور جب نبیوں اور رسولوں کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کے لیے بھیجا گیا تو یہیں غلطی کر بیٹھے ۔ اور اگر بفرضِ محال ان سے غلطی ہو بھی گئی تو خدائے تعالےٰ کے علم میں تو غلطی نہ تھی وہ انہیں اس سے باز رکھتا ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر زمانے کے پیغمبر سے کیا اور ہر کتاب میں تحریر فرمایا ۔ کیا یہ بھی وہم پرستی اور غلطی ہی

تھی اور ہاں وہ جو بارہ نبیوں نے یہ تمنا کی ہے کہ کاش ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہوتے ۔ یہ کون سی مشتبہ اور غلطی کی جگہ ہے ۔ یہ عقل کا پودا ادبار کے گہرے سمندر میں اس بری طرح ڈوبا ہے کہ اگر اس کے اس ادبار کی تفصیل کے لیے ایک دریائے وسیع کو روشنائی بنائیں تو ینفد البحر وہ دریا خشک ہو جائے ۔

گر زادبارش کراماً کاتبیں املا کنند　　　　او مداد خود مگر از قلزم دریا کنند

یعنی اگر کراماً کاتبین اس کی بدبختی کو لکھیں تو اس کے لیے ایک وسیع دریا کی روشنائی بنائیں ۔

رافضیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ بات تمام اصحاب کو معلوم تھی کہ جبریل علیہ السلام نے وحی پہنچانے میں غلطی کی ہے مگر انہوں نے جان بوجھ کر حق پوشی کی اور سچی بات کہنے سے خاموش رہے ۔ اسی وجہ سے وہ اصحاب پر تبرا کرتے ہیں ۔ ہاں ہاں جو لوگ کجروی اور گمراہی کے جنگل میں بھٹک رہے ہیں ۔ رشد و ہدایت کی طرف ان کی رہبری کون کر سکتا ہے اور ادبار و شقاوت کی وادیوں کے گمراہوں کو کون سعادت کی راہ دکھا سکتا ہے ۔

بفلک ار دو پیشہ ور باشند　　　　زاں یکی درزی و دگر جولاہ

آں نہ دوزد مگر قبائے ملوک　　　　ویں نہ بافد مگر گلیم سیاہ

یعنی اگر آسمان پر دو پیشہ ور موجود ہوں ۔ ایک درزی ہو دوسرا نوربافت تو درزی نہ سیئے گا مگر بادشاہوں کے قبا اور جولاہا نہ بنے گا مگر کالے کمبل ۔ تو تفضیلی رافضی سب یہ دیکھتے ہیں کہ شیخان کی فضیلت قرآن و حدیث ، اجماع صحابہ اور اتفاق علماء کی مستحکم بنیاد پر قائم ہے تو وہ اپنے عقیدے چھپاتے ہیں اور ہر جگہ ان کے اظہار میں کوشش نہیں کرتے ۔ ہاں جب انہیں کہیں الٹ پھیر کا موقع ہاتھ آتا ہے تو اسلامی سنیوں کو ، مسلمانوں کے بنیادی عقیدے کو فاسد بتا کر ، خراب کرتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ۔

کبھی یہ رافضی یہ کہتا ہے کہ جب ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو علی مرتضےٰ موجود نہ تھے۔ کبھی یوں کہتا ہے کہ شیخین کا خلافت میں مقدم ہونا ان کی سن رسیدگی کی وجہ سے تھا نہ کہ ان کے فضائل کی بنا پر۔ اور کبھی اس حدیث سے جو صحت کو نہیں پہنچی ہے حجت لاتا ہے کہ اَلخِلَافَۃُ مِن بَعدِی ثَلٰثُونَ سَنَۃً وَقَد تَمَّت بِعَلِیٍّ۔ "خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی اور وہ علی پر تمام ہو گی"۔ اور کہتا ہے کہ دوسرے جانشینوں کی خلافت میں کمی تھی اور وہ علی مرتضےٰ کی خلافت سے تمام و کامل ہوئی۔ اسی وجہ سے پیری مریدی کے تمام چودہ سلسلے انہیں سے ملتے ہیں۔ کسی اور سے نہیں"۔

عزیزِ من! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ چاروں خلیفہ اپنی تمام کاملیت کے ساتھ خلفاءِ راشدین، خلفاءِ برحق اور برا صل ہیں۔ یہ چاروں ہی اس کا حق رکھتے تھے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مسندِ خلافت پر یکے بعد دیگرے بیٹھیں۔ چنانچہ وہ نبوت کی مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ خاقانی کہتا ہے۔

ہر چار، چار حدِّ بنائے پیمبریست ہر چار، چار عنصرِ ارواحِ انبیاء
بے مہرِ چار یار، دریں پنجرِ وز عمر نتواں خلاص یافت ازیں ششدرِ فنا

یعنی یہ چاروں عمارتِ پیمبری کی چار حدیں ہیں اور چاروں انبیاء کی روحوں کے عنصر ہیں۔ ان چاروں یاروں کی محبت کے بغیر اس پنجروزہ زندگی میں اس فنا کی چھ دری میں گذارا نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ بیعت کے تمام سلسلے علیؓ مرتضےٰ تک پہنچتے ہیں اور کسی اور خلیفہ تک نہیں پہنچتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے کسی شخص کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ بٹھاتے اس لیے کہ جب تک رسولؐ کے خلیفہ موجود ہیں خلیفہ کے خلیفہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ رسول کی جگہ بیٹھے اور چونکہ مولیٰ علیؓ پر خلافت ختم ہوئی۔ انہوں نے مجبوراً حضرت حسن بصری کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی جگہ بٹھایا پھر انُ سے یہ سلسلے پیدا ہوئے جو سب مولیٰ علی تک پہنچے ہیں تو علی مرتضےٰ کی خلافت کی باری کا موخر ہونا یہ سبب بنا تمام

سلسلوں کے آپ کی جانب لوٹنے کا اور اگر ان حضرات میں سے کوئی اور متاخر ہوتا تو تمام سلسلوں کا مرجع وہی ٹھہرتا۔

یہاں تک تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تفضیلی رافضی اسی قسم کی بیہودگیاں بکتے ہیں لیکن ان کے بعض مقتدا یہ کہتے ہیں کہ علی مرتضےٰ ہمارے دادا ہیں اس وجہ سے ہم انہیں تمام خلفا سے افضل مانتے ہیں اور کسی دوسرے کو ان پر فضیلت نہیں دیتے لیکن میرے بھائی! افضل دینے کی فضیلت ان فضلاء سادات کے ہاتھ میں تو نہیں ہے کہ جسے چاہیں فضل دیں اور ایک کو دوسرے سے افضل جانیں بلکہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اے عزیز تو ان کے فضائل کو کیا جان پہچان سکتا ہے۔

فضائل خلفاء جبریل الف سنتہ گرش بگوید، گفتن تمام نہ تواند
تو اُفتی، از خردِ تنگ حوصلہ پیپے کہ جُز خداوندِ گری، فضل شاں نمی داند

خلفاء کے فضائل اگر جبریل علیہ السلام ایک ہزار برس تک کہتے رہیں تو پورا نہ کر سکیں تو اپنی تنگ حوصلہ عقل کو لے کر پیچھے ہی گر پڑے گا اس لیے کہ سوائے خدا کے اُن کے فضل کو کوئی دوسرا نہیں جانتا۔" وہ عارفانِ کامل، جن کے مقاماتِ قرب میں جبریل علیہ السلام نہیں ٹھہر سکتے۔

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ نہ گنجد در مقام لی مع اللہ

یعنی فرشتہ اگرچہ دربارِ خداوندی میں قُربِ خاص رکھتا ہے مگر لی مَعَ اللّٰہِ کے مقام پر پَر نہیں مار سکتا۔" انہوں نے کشف اور عین الیقین سے دیکھا اور جانا ہے کہ اُن میں باہم فضل و کمال کا فرق وہی ہے جو اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔ یہاں کسی کے ادراک اور اجتہاد کا دخل نہیں ہے کہ کسی اور طرح کوئی تصرف کر سکے تو اگر اپنی رکیک عقل اور تاریک طبیعت لے کر ان کے فضائل میں دخل دے گا تو سوائے گمراہی اور کفر کے تجھے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

تفضیلیوں کے بڑے بوڑھے ایسے ہی جھگڑوں میں پڑ گئے ہیں اور اُن کے ہر

فاسد مقدمہ کا کافی و شافی جواب بھی موجود ہے جس کے آگے انہیں کچھ بن نہیں پڑتا البتہ ان کا ایک عقیدہ جس میں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پناہ گاہ اور آپ ہی کی بارگاہِ رسالت پناہ کو اپنا بھاگنے کا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں ہم اسے ایک فصل میں لکھ کر انشاء اللہ اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فصل۔ روافض کے بعض سرغنے ازلی قضاء و قدر اور لم یزلی حکم و حکمت کو علی مرتضٰے کے فضل کے ہاتھوں پر گرو رکھ کر، اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے لا پرواہ ہو کر بیٹھے ہیں گویا کہ وہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں۔ انہیں نہ قرآن و حدیث کی پرواہ ہے اور نہ اجماع کی۔ ان کے عقیدوں کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ **بیت مؤلف۔**

قرآن و خبر، ہر کہ نگیرد با مامی ۔۔۔ زو در گزرم، کفر و ضلال ست تمامی

یعنی قرآن اور حدیث کو جو شخص اپنا امام تسلیم نہیں کرتا، میں اس سے درگزر کرتا ہوں اس لیے کہ یہ سب کفر اور گمراہی ہے۔ جیسا کہ ایک سید مشہدی ولایت سے ہندوستان پہنچے اور ایک بادشاہ کے ملازم ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کی خوشنودی کے لیے ان کو قنوج عطا کیا۔ وہ قنوج گئے۔ جب قنوج کے بزرگ ان سے ملاقات کے لیے آئے تو نماز کا وقت تھا۔ سب نے آپ کے روبرو نماز ادا کی اور یہ نماز سے (گویا) وستبرداری حاصل کر چکے تھے۔ قنوج کے ان بزرگوں نے دریافت کیا کہ جناب والا نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ یہ خاموش رہے اور ان کے سوال پر کوئی توجہ نہ کی اور جب وہ لوگ چلے گئے تو حاضرین سے بولے کہ میں علی مرتضٰے کی اولاد سے ہوں۔ میرے ملک میں پچاس ہزار لوگ مجھے مانند خدا پوجتے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھو کہ مجھے نماز کا مکلف بناتے ہیں

قطعہ از مؤلف۔

سبقت ز حکمِ روزِ ازل در جہاں کراست ۔۔۔ در زیرِ حکمِ حق ہمہ اعناق انبیا است

فرزندِ حیدر از چہ بروں می رود ز حکم ۔۔۔ در ظنِّ او مگر کہ علی فارغ از خدا است

یعنی حکمِ ازلی سے دنیا میں کون بازی لے جا سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے تمام نبیوں کی بھی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ حیدر کا فرزند پھر کیسے اس کے حکم سے

باہر ہو سکتا ہے۔ ہاں مگر یہ وہی ہو سکتا ہے جس کے گمان میں حضرت علی مرتضےٰ خدائے تعالےٰ سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔

ہاں ان روافض میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن اپنی خطا اور غلطی سے بالکل بے خبر۔ ہماری ان چند باتوں میں انہیں سے بحث ہے بطریقِ محبت و خلوص نہ کہ از راہِ عداوت اور مخالفت۔ اس لیے کہ جس زمانہ میں میں یہ رسالہ سبع سنابل لکھ رہا تھا ہمارے وطن کے بعض سادات ایک مسئلہ ظاہر کرتے تھے جو مذہب اسلام کے مخالف تھا اور ایک عقیدہ بیان کیا کرتے جو عقائد علم کلام اور خاتمہ بالخیر سے خارج تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جس طرح عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے لیے دخول جنت اور خاتمہ بالخیر کا قطعی حکم ہے اسی طرح دنیا کے تمام سادات خاص و عام کے لیے دخولِ جنت اور خیریتِ خاتمہ کا قطعی حکم ہے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں یا حرام میں مبتلا۔ تارک نماز ہوں یا روزوں کے بری۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں"۔ لیکن وہ (یہ نہیں سمجھتے) کہ عشرۂ مبشرہ کے لیے اگرچہ دخولِ جنت اور خیریتِ خاتمہ کا قطعی حکم تھا مگر اس کے باوجود وہ بے خوف اور بے غم نہ تھے اور انہوں نے خوف و ہیبت کے مقام کو نہ چھوڑا تھا جب کہ نام کے ان سادات نے مقامِ خوف و ہیبت چھوڑ کر بے خوفی اور لاپرواہی کے پیروں پر کھڑے ہو کر شور و غل مچا رکھا ہے اسی لیے مجھے اس مسئلہ میں چند باتیں کہنے کی ضرورت پیش آئی۔ بیت

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است　　اگر خاموش بنشینم، گناہ است

یعنی اگر میں دیکھوں کہ اندھا ہے اور کنواں۔ اور خاموش رہوں تو میرا گناہ ہے تاکہ اس کتاب کے قاری مجھے معذور رکھیں اور یہ نہ کہیں کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا کہ سادات کے لیے ایسی بات لکھ دی۔ حاشا و کلا کہ میں اولادِ رسولِ خدا سے محبت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہوں۔ مثنوی۔

حُبِّ اولادِ نبی، حُبِّ نبی است　　ہر کرا ایں حُب نہ باشد اجنبی است
سر بسر گر خاص و گر عام اند شاں　　مستحقِ حُب و اکرام اند شاں

یعنی رسول اللہ کی اولاد سے محبت کرنا نبی ہی سے محبت کرنا ہے تو جسے یہ محبت نہ ہو وہ ابلیس ہے - ان میں اگرچہ خاص بھی ہیں اور عام بھی لیکن وہ سب محبت اور تعظیم کے مستحق تھے - یہ فقیر بھی سادات ہی سے ہے تو جو بات اپنے اور اپنوں سے کہے گا بجز اخلاص اور خیر خواہی کے کچھ نہ ہو گا (تو کہنا یہ ہے کہ) فرزندی کی جو (بظاہر) نسبت انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس نسبت کی شرافت کو درمیان میں آڑ بنا لیتے ہیں اور جو نسبت (ظاہراً) انہیں علی مرتضےٰؓ کے ساتھ ہے اس کے شرف اور فضل پر پھول کر اس نسبت پر ایسا اتراتے ہیں گویا کہ اللہ تعالےٰ کی بے نیازی سے لاپرواہ ہیں - کہتے ہیں کہ سید اگرچہ کبائر کا مرتکب، اور شراب نوشی کا عادی ہو - یا بظاہر کافر بت پرست اور زنار باندھنے والا ہو یا عیسائیوں کی طرح تین خدا مانے یا دہریہ کی طرح صانع عالم کا انکار کرے - غرض جو کچھ ہو اس کے ایمان کو کفر اور شرک کی باتوں سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا اور اس کے دین کو زنا چوری اور باقی گناہ کبیرہ سے کچھ ضرر نہیں ہوتا - اور یہ سب کچھ علی مرتضےٰ کے ساتھ والی نسبت پر پھول کر کہتے ہیں اور رسول خدا علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والتحیہ کے شرف اور فضل کو بہانہ بناتے اور زوسیلہ تراشتے ہیں - کفر اور ایمان کو نہیں پہچانتے اور اللہ تعالیٰ کے قہر سے نہیں ڈرتے - مختصر یہ کہ سادات کو علی مرتضےٰ کے ساتھ فرزندی کی نسبت ہے اور قوی، اس لیے کہ صُلبی فرزند ہیں - نیز انہیں رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والتحیہ سے بھی فرزندی کی نسبت ہے مگر یہ ضعیف ہے کہ آپ کی صاحبزادی کے فرزند ہیں - اب یہ عقیدہ جو ظاہر کرتے ہیں یا تو فضل مرتضےٰ پر بھروسہ اس کی بنا ہے یا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شرف پر آسرا اس کی بنیاد - ہم انشاء اللہ تعالےٰ ان دونوں کو بیان کریں گے - اچھا تو اگر یہ عقیدہ علی مرتضےٰ کے فضل پہ اعتماد کرتے ہوئے ہے اور شرف رسول خدا صرف بہانہ ہے تو یہ لوگ علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو تکلیف دیتے اور رنج پہ رنج پہنچاتے ہیں -

بھائیو دیکھو کہ آگ ایک نورانی جوہر ہے مگر آتش پرستوں کی حماقت کی وجہ سے

اپنے سینے میں کالا دھواں رکھتی ہے اور آفتاب کہ نیرِ اعظم ہے آفتاب پرستوں پر غصّہ کی بنا پر غروب کے وقت زرد پڑ جاتا ہے۔ صرف اس خوف کی وجہ سے کہ کل کرسئ عدالت کے سامنے حاضر ہو کر کیا جواب دوں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش گیہوں کے دانہ کی وجہ سے واقع ہوئی۔ گیہوں کا سینہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے پھٹ گیا ہے اور کھجور کا درخت جس کی پیدائش آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے ہوئی۔ اس لیے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اکرمُوا عمّتکُم النَّخلۃَ فانّھا خلقتْ مِن بَقیّۃِ طِینۃِ آدمَ۔ یعنی اپنی پھوپھی کھجور کا احترام کرو اس لیے کہ وہ آدم کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ وہ بھی جلال والے رب کی ہیبت سے درمیان سے شق کی گئی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا بڑھایا کہ انہیں بندگی کے دائرہ سے علحدہ کر دیا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے درگاہ ذوالجلال کی ہیبت اور اس محال کی تہمت کی شرم کی وجہ سے آبادی ترک کر دی اور بیابانوں، جنگلوں، میدانوں اور پہاڑوں میں سیاحت کرتے رہتے۔ اسی بنا پر آپ کا نام مسیح ہوا اور جب اللہ تعالےٰ نے ان پر عتاب کیا اور فرمایا کہ۔ ءَاَنتَ قُلتَ لِلنّاسِ اتّخذُونی واُمّیَ اِلٰھَینِ مِن دُونِ اللہ۔ ”اے عیسےٰ کیا تم نے لوگوں سے کہ دیا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا اپنا معبود بنا لو“۔ تو آپ کو اس تہمت پر بہت زیادہ شرم آئی اور آپ دنیا سے چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے۔ اور آج بھی عیسائی انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور آسمان پر بھی انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ کیا یہ بھی جانتے ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام نے چوتھے آسمان پر کیوں مقام کیا اور عرش پر کیوں نہ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور آفتاب کو پوجنے والے اُسے معبود جان کر پوجتے ہیں پس عیسےٰ علیہ السلام بھی چوتھے آسمان پر رہے تاکہ اس قدیم تہمت اور اس عظیم بہتان کی نحوست چوتھے آسمان سے نہ بڑھے۔

نقل ہے کہ ایک روز خواجہ خیر النّسّاج ایک کلیسا میں چلے گئے (دیکھا) کہ عیسائیوں

نے حضرت عیسےٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں کلیسا کی دیواروں پر بنائی ہیں اور ان کو پوج رہے ہیں۔ شیخ نے زور سے ایک آواز دی۔ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ "کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنالو"۔ فوراً ہی وہ صورت کلیسا کی دیوار سے نیچے گر پڑی اور اس کے ہر ذرّہ سے یہ آواز آئی تھی لا و اللّٰہ لا و اللّٰہ۔ نہیں خدا کی قسم نہیں"۔ سبحان اللّٰہ عیسےٰ علیہ السلام تو اس تہمت کی شرم کی وجہ سے چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے اور ان کی تصویر کا حال کہ دیوار سے گر پڑا۔ پس مُفَضّلہ کے سادات کہ فضل علی مرتضےٰ پر اعتماد کرکے اپنے خاتمہ بالخیر ہونے کا قطعی حکم تھوپتے اور کچھ بھی ہوں مگر اپنے ایمان کو عشرہ مبشرہ کے ایمانوں کے برابر جانتے ہیں تو یہ بھی علی مرتضےٰ کو رنج پہنچاتے ہیں اور پھر اس کو محبت اور تعظیم جانتے ہیں۔ صرف یہی وجہ تھی کہ مولیٰ علی نے وفات کے وقت اپنے تابوت کو ایک اونٹ پر بندھوا دیا تھا تاکہ اونٹ انہیں ایسی جگہ لے جائے جو کسی کو معلوم نہ ہو۔ اور اپنی قبر شریف کو مدینہ منورہ میں رکھنا پسند نہ فرمایا۔ اس لیے کہ باطنی نور سے یہ جان لیا تھا کہ اگر میرا مزار مدینہ ہی میں رہا تو خدا معلوم یہ مفضلہ کیا شور و غل مچائیں اور کیا آفت بپا کریں۔ رہی یہ بات جو وہ کہتے ہیں کہ آپ کو ضغطۂ قبر یعنی قبر شگافتہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا ایسا کیا تو یہ خبر اگر واقعی درست بھی ہو تو بھی بعید نہیں، اس لیے کہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کو اتنا ہی فضل و شرف اور کرامت کا مقام ملتا ہے، جتنا خوف ہیبت اور ندامت انہیں ہوتی ہے اور چونکہ ان میں خوف، ہیبت اور ندامت زیادہ ہوتی ہے وہ دنیا والوں سے فضل و شرف میں سبقت لے جاتے ہیں اور اللّٰہ تبارک و تعالےٰ کی جتنی معرفت انہیں ہوتی جاتی ہے اس کی بے نیازی سے اتنے ہی ہراساں ہوتے جاتے ہیں اور قربت و درجات کی فضا میں جس قدر قریب ہوتے جاتے ہیں دشت حیرت و استعجاب میں اسی قدر گم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو یہ لوگ قدرت کے کوہِ قاف کے سیمرغ ہیں کہ خود کو سنگانہ (ایک چھوٹا پرندہ) سے بھی کم جانتے ہیں مگر معرفت میں حضرت سلیمان

علیہ السلام کی صفت رکھتے ہیں کہ چیونٹیوں کے دروازہ پہ بیٹھتے ہیں اور اُن کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔ مثنوی۔

درِ ہر پیر زن میزدِ پیمبر — کہ اے زن در دُعایت یاد آور
نگاہ کن تا چہ کارِ مشکل اُفتاد — کہ خواہد آفتاب از ذرّہ فریاد
یقیں میداں کہ شیرانِ شکاری — دریں رہ خواستند از مور یاری

نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر بوڑھی عورت کا دروازہ کھٹکھٹاتے کہ اے عورت مجھے اپنی دُعا میں یاد رکھنا۔ غور کرو کہ یہ کیسی ناقابلِ حل بات ہے کہ آفتاب ذرّہ سے فریاد کر رہا ہے۔ بس یوں جان لو کہ شکار کرنے والے شیر شکارگاہ میں چیونٹی سے بھی دوستی رکھتے ہیں۔ تو یہ بھی ہوتا ہے مگر اُس شگافِ قبر کے دفع کے لیے تو صرف اتنا کافی تھا کہ آپ حاضرین کو نصیحت فرما دیتے کہ مجھے قبر میں نہ رکھنا ایک سنگین تابوت میں رکھ کر ایک طرف رکھ دینا۔ مگر آپ نے تو فرمایا کہ تابوت کو ایک اونٹ پر مضبوط باندھ کر اس کی نکیل چھوڑ دینا۔ تو شیعہ اگرچہ اسے بھی پسند نہ کرے گا مگر یہ فرمان بظاہر یہی بتاتا ہے کہ آپ نے ان مفضّلہ سے گریز فرمایا تھا اور ایک اونٹ کی پشت پر (تربت میں) سوار ہو کر ایسے مقام پر تشریف لے گئے کہ پھر لوگوں نے آپ کا کوئی نشان اور کوئی خبر نہ پائی۔ جب کہ آپ نے اپنی ظاہری حیات میں بھی مفضّلہ کے گروہ سے چند بار شکایت بھی فرمائی ہے چنانچہ بستانِ فقیہ ابواللیث میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یَخْرُجُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ قَومٌ یَنْتَحِلُونَ شِیعَتَنَا وَلَیْسُوا بِشِیعَتِنَا۔ لَهُمْ نَبْزٌ یُقَالُ لَهُمُ الرَّافِضَةُ۔ فَاِذَا لَقِیتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَاِنَّهُمْ مُشْرِکُونَ۔ یعنی آخری زمانے میں ایک فرقہ پیدا ہوگا جو اپنے آپ کو ہمارے گروہ کی طرف منسوب کرے گا حالانکہ وہ ہمارے گروہ سے نہ ہوگا۔ ان کا ایک بدلقب ہوگا۔ لوگ انہیں رافضی کہیں گے تو جب تم ان سے ملو ان کو قتل کر ڈالنا اس لیے کہ وہ مرتد ہیں ‘‘۔ اسی بستان میں ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ یَهْلَکُ فِیَّ

اِثْنَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ وَّمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ - یعنی میرے بارے میں دو آدمی ہلاک ہوں گے۔ ایک تو محبت میں حد سے گذر جانے والا، دوسرا مجھ سے حد سے زیادہ بغض رکھنے والا۔ پس محبت میں حد سے گزرنے والا یہی رافضی ہے کہ مولےٰ علی کو شیخین پر فضیلت دیتا اور آپ کی تمام اولاد کے لیے کہ سادات ہیں اُن کے کثیر فضل پر اعتماد کر کے خاتمہ بالخیر کا یقین اور اعتقاد رکھتا ہے اور آپ سے بلا وجہ بغض رکھنے والا وہ خارجی ہے کہ آپ کو رسولِ خدا کا خلیفہ ہی نہیں جانتا۔

اے عزیز اگر بُتوں کی زبان ہوتی تو وہ ہر آن ان بت پرستوں پر جنہوں نے پتھر اور لکڑی کے بتوں کو معبود بنالیا ہے لعنتیں بھیجتے رہتے۔ منقول ہے کہ جب خواجۂ جہاں خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ مقام اجمیر پہنچے۔ ایک روز آپ ایک جگہ تشریف رکھتے تھے اور وہیں پر پتھر کے دو بُت نصب تھے ایک مرد کی صورت اور دوسرا عورت کی شکل میں۔ اسی وقت راجہ خواجہ کے دیکھنے کے لیے حاضر آیا۔ آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ کہا کہ اس ملک کا راجہ میں ہی ہوں۔ فرمایا کیوں آیا؟ جواب دیا کہ قدم بوسی کے لیے۔ ارشاد فرمایا کہ اے راجہ تم لوگ ان بتوں کو معبود بنا کر پوجتے ہو کیا ان کی وجہ سے کوئی مشکل بھی ٹلی یا کوئی اعانت اور مدد پہنچی؟ راجہ نے جواب دیا کہ تمام چیزیں اسی کے نور کی جلوہ گاہ ہیں اور ہر جلوہ گاہ میں اس کا ظہور ہے۔ تو ہم اس جلوہ گاہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالےٰ کے ظہور پر توجہ کرتے ہیں"۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر پتھر کے مظہر میں ظہورِ حق کی طرف متوجہ ہوتے ہو تو پتھر کو مخلوق کی صورت کیوں تراشتے ہو۔ اگر انسان کہ وہ جلوۂ روح القدس کا مظہر ہے وہ جمادات کو پوجے تو وہ اپنی ہستی سے غافل ہے خود کو برباد کر رہا ہے۔ **مثنوی مؤلف**۔

گرت روح القدس تا بد ز بالا — بُوَد امر تو امرِ حق تعالےٰ ا

تو خود را بینی از کونین مقصود — دو عالم مر ترا ساجد، تو مسجود

تو مسجودِ ملائک ہستی اے خام — کہ سجدہ می کنی در پیشِ اصنام

اگر روح القدس تجھے اوپر سے چمکائے تو تیرا امر حق تعالےٰ کا امر ہو تو خود کو دونوں

جہاں کا مقصود ٹھہرا لے۔ دونو عالم تجھے سجدہ کریں اور تو مسجود ہو۔ ارے غافل تجھے تو فرشتوں نے سجدہ کیا ہے توان بتوں کو کیوں کر سجدہ کرتا ہے؟" راجہ یہ سن کر لاجواب ہوا۔ خواجہ نے اس بُت کو جو مرد کی صورت میں تھا بلایا اور فرمایا "اے شادی غلکمٹے!۔ اُس نے کہا "حاضر ہوں"۔ ارشاد ہوا "یہاں آ" وہ چلا آیا۔ پھر آپ نے اس بُت سے جو عورت کی شکل تھا فرمایا اے لکھمی لونڈی! اُس نے جواب دیا "حاضر ہوں" ارشاد ہوا "ادھر آ" وہ بھی آگئی۔ آپ نے دونوں سے فرمایا کہ یہ کافر تمہیں اخلاص و محبت سے پوجتے ہیں اور محبت اور لگاوٹ کی گرہ تمہارے ساتھ باندھتے ہیں۔ تم ان سے خوش ہو یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے خواجہ اگر پتھروں کی زبان ہوتی تو ان پر لعنتوں کی خاک اڑاتے اور اگر بھاگ سکتے تو بیابان کی طرف نکل جاتے۔ قطعہ

اے نخشی! وہ لوگ کس قدر ظالم ہیں جو پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اگر بتوں کی زبان ہوتی تو اپنے پوجنے والوں سے ہر دم لڑائی لڑتے رہتے۔ اے ہمارے مخدوم وہ جو خدائے تعالےٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ وَقُودُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔ کہ "جہنم کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔ تو وہ "آدمی" ہماری عبادت کرنے والے ہیں اور وہ "پتھر" ہم ہی ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم جہنم کا ایندھن بنے ہیں اے ہمارے مخدوم اور ہماری جائے پناہ! بعض پتھروں پر اسی حسرت کی وجہ سے ہمیشہ رونا اور چلانا طاری رہتا ہے اور ان کے اندر سے پانی کے چشمے بہتے رہتے ہیں۔ اور بعضوں کے جگر اسی ندامت سے خون ہو چکے ہیں کہ اس سے لعل و جواہر بنتے ہیں اور بعض اس پشیمانی کی بدولت آگ میں پھک چکے ہیں کہ ان کے زخموں سے لوہا برآمد ہوتا ہے اور بعض پتھر پگھل کر نمک ہو چکے ہیں"۔

اے برادر حبیب جمادات اپنے پجاریوں سے اس قدر غمگین ہیں تو غور کا مقام ہے کہ علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو ان مُفضلہ سے کس قدر غم اور تکلیف پہنچتی ہو گی کہ وہ

تو اپنے بعض عقیدوں میں انہیں بندوں کے دائرہ سے علحدہ شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس کسی پر مخلوقِ خدا ہونے کا داغ لگ چکا اُسے بندہ ہونا ضرور ہے۔ لَن یَستَنکِفَ المَسِیحُ اَن یَکُونَ عَبدًا لِلّٰہِ وَلَا المَلٰئِکَۃُ المُقَرَّبُونَ ط نفرت نہیں کرتا عیسےٰ بن مریم اس سے کہ وہ خدا کے بندے ہوں اور نہ اس کے مقرب فرشتے"۔ تو بندہ ہرگز حکم ازلی پر کہ قطعی ہے سبقت نہیں لے جا سکتا اور سادات مفضلہ علی مرتضےٰ کے فضائل اور کمالات پر اعتماد کر کے اپنے لیے خیریت خاتمہ کا جو قطعی حکم کرتے ہیں اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقیدوں میں مرتضےٰ علی کے کمالات حکمِ ازلی پر سبقت لے گئے ہیں حالانکہ یہ خود محال ہے لہٰذا خاتمہ بالخیر ہونے کا قطعی حکم لگانا بھی محال ثابت ہوا۔

اور وہ جو مولیٰ علی نے فرمایا ہے کہ "آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو ہمارے گروہ کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرے گی حالانکہ وہ ہمارے گروہ سے نہ ہوں گے ان کا ایک بد لقب ہوگا۔ لوگ انہیں رافضی کہیں گے پس جب تم ان سے ملو تو انکو قتل کر ڈالنا اس لیے کہ وہ مشرک ہیں"۔ تو اس قول میں آپ نے رافضیوں کو مشرک فرمایا ہے اس لیے کہ وہ لوگ ازلی حکم کی قطعیت کے ساتھ دوسرا حکم قطعی شریک کرتے ہیں اور یہ باعثِ تکلیف مرتضےٰ و مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور جو انہیں ایذا دیتا ہے وہ واجب القتل ہے۔ خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کے قتل کا حکم فرمایا ہے چنانچہ بستانِ ابو اللیث میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یکون فی آخر الزمان قوم یُسَمَّون الروافضۃ یرفضون الاسلام و یَلفَظُونَہُم فَاقتُلُوھُم فَاِنَّھُم مُشرِکُونَ۔ یعنی آخر زمانے میں ایک قوم ہوگی جس کو رافضی کہا جائے گا۔ وہ لوگ حقیقی اسلام چھوڑ دیں گے البتہ نام زبان سے اسلام کا لیں گے۔ پس تم لوگ اُن کو قتل کرنا اس لیے کہ وہ مشرک ہیں"۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہارون رشید نے ان لوگوں کو اسی حدیث شریف کے ماتحت قتل کرایا۔ اور حضرت عامر شعبی سے یہ منقول ہے کہ الرفضُ

سُلَّمُ الزَّنَادِقَةِ ۔ فَمَا رَأَیْتُ رَافِضِیًّا اِلَّا وَرَاَیْتُهٗ زِنْدِیقًا ۔ رفض زندقہ کی سیڑھی ہے ۔ میں نے کسی رافضی کو نہ دیکھا مگر یہ کہ وہ زندیق نکلا "۔

اور اگر خاتمہ بالخیر کا حکم قطعی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھروسہ پر لگاتے ہیں اس لیے کہ خود کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے شمار کرتے ہیں تو یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ حضور نے حضرت فاطمہ سے کہ آپ کی صلبی اور حقیقی صاحبزادی ہیں ارشاد فرمایا لَا تَتَّکِلِیْ اَنِّیْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِعْمَلِیْ اِعْمَلِیْ ۔ کہ فاطمہ اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں عمل کرو، عمل کرتی رہو، عمل میں سرگرم رہو۔ پس یہ خطاب ان سادات پر کہ نہ صلبی فرزند ہیں اور نہ حقیقی بدرجہ اولی وارد ہے ۔ اور ہاں دیکھو تو یہ تو حضور سب سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ " اس پر مت اتراؤ کہ ہم رسول خدا کے فرزند ہیں عمل کرو، عمل کرو، عمل کرو "۔ منقول ہے کہ جس روز آیۃ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی ۔ " یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہلبیت کو بلایا اور ہر اک کو عذاب الہٰی سے ڈرایا اور خوف دلایا ۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا " اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں ، اچھے عمل کرو، اچھے عمل کرو "۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت امام حسن اور امام حسین سے فرمایا کہ اے محمد کے جگر کے ٹکڑو! اَلْجَنَّۃُ لِلْمُطِیْعِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا وَالنَّارُ لِلْعَاصِیْ وَاِنْ کَانَ سَیِّدًا قُرَیْشِیًّا ۔ جنت فرمانبردار کے لیے ہے اگرچہ وہ غلام حبشی ہو اور دوزخ نافرمان کے لیے ہے اگرچہ وہ سیّد قریشی ہو "۔ اس کے بعد ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تمہارے لیے یہی آیت کافی ہے جو تمہارے حق میں نازل ہوئی ہے کہ یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاتِ الْاٰیَۃ ۔ " اے نبی کی ازواج تم میں سے جو کوئی ایک کھلا ہوا جرم کرے گا اس پر دوگنا عذاب کیا جائے گا اور یہ اللہ تعالےٰ پر آسان ہے "۔ اس پر اہلبیت سے ایک شور وغل اٹھا ۔

اے برادر اگر تمام انبیا اور رسول مل کر ایک ایسے بندہ کی شفاعت کریں جس سے

اللہ تعالیٰ راضی نہیں تو کچھ فائدہ نہ ہو چنانچہ مخدوم شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ بیت

اگر خدای نباشد ز بندۂ خوشنود — شفاعت ہمہ پیغمبران ندارد سود

اگر اللہ تعالےٰ ایک بندہ نافرمان سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی شفاعت سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تو ایسے مقام میں جہاں انبیاء اور پیغمبر خوف کھاتے اور گھبراتے ہوں وہاں اس نسبت کا پیوند کیا کام دے سکتا ہے۔ مثنوی۔

دراں دم کہ از فعل پرسند و قول — اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول

بجائے کہ دہشت خورند انبیا — تو عذر گناہ را چہ داری بیا

اس وقت کہ فعل اور قول کے متعلق سوال کریں گے تو اولوالعزم کے بدن خوف سے تھرائیں گے تو ایسے مقام پر جہاں انبیاء گھبرائیں تو عذر گناہ میں جو رکھتا ہو بیان کر۔

پھر سادات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو نسبت آج انہیں خلاف شرع امور سے باز نہیں رکھتی کل انہیں ہلاکت اور عقوبت سے کیسے روک سکتی ہے اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ سادات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں اور اُن پر فضل رسول اور شرف نبی کی وجہ سے دوزخ کی آگ حرام ہے تو اگر واقعی ان پر آتش دوزخ حرام ہے تو دنیا کی آگ جو اس آگ کا عکس ہے بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگی۔ آؤ امتحان کرلیں اگر انہیں دنیا کی یہ آگ نہ جلائے گی تو ہم یقین کرلیں گے کہ اُن کی بات تحقیق شدہ ہے۔ ورنہ یہ بات غلط اور خطا ہے اس پر اعتماد بھی نہ کرنا چاہیئے نہ کہ اعتقاد میں لائی جائے۔ بلکہ اگر دُنیا کی آگ اُن کے کسی حصۂ بدن کو نہ جلا سکے تب بھی شریعت محمدیہ ان کے خاتمہ بالخیر ہونے پر قطعی حکم نہیں لگائے گی۔

چنانچہ شہنشاہِ بابر کے زمانہ حکومت میں چند مغل پیر دستگیر مخدوم شیخ صفی قدس سرہٗ کی ملاقات کے لیے حاضر آئے اور سیادت کی صحت میں بات چھڑ گئی اور مغل اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ ہندوستان میں کوئی سیّد نہیں اور ہر چند کہ مخدوم نے انہیں بہت سمجھایا اور معقول کیا مگر وہ نہ مانے اور بہت گفت و شنید کے بعد کہنے لگے کہ ہمارے ملک کے سادات، ثابت النسب پرہیز گار، دیندار اور زاہد و عبادت گذار ہیں اور

ان کی سیادت کی صحت کی علامت یہ ہے کہ ان کے بال کو لوگ جلتی ہوئی آگ میں رکھتے ہیں اور وہ نہیں جلتے۔ مخدوم نے جواب دیا ہندوستان میں بھی ایسے ہی سیّد موجود ہیں۔ مغلوں کو بہت تعجب ہوا اور دل میں کہنے لگے کہ مخدوم شیخ نے شیخی سے یہ بات کہی ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اُن میں سے ایک کو بلائیے۔ آپ نے مؤلف کے چچا کو جن کا نام طاہر تھا اور جنہیں لوگ سیّد طاہ کہتے تھے بلایا چونکہ آپ کا جسم مبارک طاہر تھا لہٰذا آپ کا ایک مبارک بال لے کر دیر تک آگ میں رکھا ذرّہ برابر بھی اسے آگ نہ لگی اور جب آگ سے نکالا اُسی طرح ٹھنڈا تھا اُسے گرمی نہ پہنچی تھی۔ تمام مغل پشیماں اور شرمندہ ہوئے۔ کبھی حضرت مخدوم کا مبارک پاؤں پکڑتے اور کبھی میرے چچا کے قدموں پر گرتے اور بہت عذر و معذرت کرتے لیکن ایسے سیّد آج دنیا میں سُرخ گندھک کی طرح نایاب ہیں اور ایسے بیش قیمت لعل دنیا کی کان میں کہاں نظر آتے ہیں۔ بہرحال شرع محمدی ایسوں پر بھی بالخیر خاتمہ کا قطعی حکم نہیں لگاتی نہ کہ وہ سادات جن کے بالوں اور بدن کے حصّوں کو یہ آگ جلا دیتی ہے۔

میرے بھائی اگرچہ مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و شرف کے کمالاتؐ اہلِ معرفت کے دلوں میں نہیں سما سکتے اور ان کے سچّے دوستوں کے نہاں خانوں میں منزل نہیں بنا سکتے، اس کے باوجود اُن کے اِن نسب والوں میں اپنا کامل اثر نہیں دکھا سکتے خواہ وہ آباؤ اجداد ہوں یا اولاد در اولاد۔ چنانچہ ابوطالب میں اس نسب نے کوئی اثر نہیں کیا حالانکہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم آنؐ کے بارے میں بلیغ کوشش فرماتے رہے لیکن چونکہ خدائے قدوس جل و علا نے اُن کے دل پر روزِ ازل ہی سے مہر لگا دی تھی لہٰذا جواب دیا۔ اَلنَّارَ عَلَى الْعَارِ۔ "میں عار پر نار کو ترجیح دیتا ہوں" جیسا کہ مشہور ہے۔ منقول ہے کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچائی کہ مَاتَ عَمُّكَ الضَّالُ۔ حضور کے گمراہ چچا کا انتقال ہو گیا۔ بیت۔ کبھی ایسے گوہر پیدا کرنے والے گھرانہ میں ابوطالب جیسے کو، (خالقِ بے نیاز) پتھر پھینکنے والا بنا دیتا ہے۔ ضیائی نخشی نے مسلک السلوک

میں لکھا کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جنازے کے پیچھے پیچھے تشریف لے جارہے تھے اور بار بار اس کی جانب نظر فرماتے اور اپنا دست مبارک اپنی چادر پر مارتے۔ صحابہ نے ان کے دفن کے بعد آپ سے سوال کیا کہ حضور کا جنازہ کی طرف اور چادر مبارک پر ہاتھ مارنے میں کیا راز تھا؟۔ ارشاد فرمایا عذاب کے فرشتے پہنچ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں جنازہ پر سے اُٹھا لے جائیں۔ میں انہیں ہر بار اپنی چادر مبارک کی قسم دیتا کہ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ **قطعہ**

بخشی قابل نکوئے شو — خوان ادبار، فائدہ نہ دہد
گر تو نیکو نہ، ترا ہرگز — نسبت نیک فائدہ نہ دہد

اے بخشی نیکی کے قابل بن جاؤ کہ بدبختی کا دسترخوان کوئی کھانا نہیں دیتا۔ اگر تو خود نیک نہیں ہے تو تجھے نیک نسبت بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

ایسا ہی حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا واقعہ منقول و مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا باپ کہاں ہے ارشاد فرمایا "دوزخ میں" اس جواب سے حضور نے اس کے چہرہ پر کچھ خشونت محسوس کی تو ارشاد فرمایا کہ میرے والد تیرا باپ اور حضرت ابراہیم کا چچا ایک جگہ ہیں"۔ مخدوم شیخ سعد نے مجمع السلوک میں تحریر فرمایا کہ میں نے یہ کلام ام المعانی میں دیکھا کسی اور کتاب میں میری نظر سے نہ گذرا کہ "نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ علی تم نے سُنا کہ کل خدائے تعالےٰ نے مجھے کیسی بزرگی عطا فرمائی۔ عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا کل میں نے دکرم خداوندی کا، دامن تھاما اور اپنے والدین اور ابوطالب کی بخشش چاہی فرمان جاری ہوا کہ ہمارے یہاں کا فیصلہ تو اٹل ہے کہ جو میری وحدانیت پر اور تمہاری رسالت پر ایمان نہ لائے اور بتوں کو جھوٹا نہ مانے اُسے جنت عطا نہ فرماؤں گا اور نہ اسے دوزخ سے چھٹکارا دوں،، مگر آپ فلاں شعبہ یعنی ٹیلہ پر تشریف لے جائیں اور اپنے والدین اور ابوطالب کو آواز دیں وہ زندہ ہو کر آپ کے روبرو حاضر آئیں گے آپ انہیں ایمان کی طرف بلائیں وہ آپ پر ایمان لائیں گے تو میں عذاب سے انہیں چھٹکارا دُونگا۔

میں نے ایسا ہی کیا اور بلندی پر گیا اور میں نے کہا اے میری ماں، اے میرے باپ، اے میرے چچا، تینوں بدن مٹی سے سر اور بدن جھاڑتے اٹھے۔ میں نے ان کہے کہا کہ میں جس چیز کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہوں تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہے اور خدا کی وحدانیت بھی تم پر ثابت ہے اور بتوں کا باطل ہونا بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے سب نے جواب دیا کہ بے شک ہمیں بالتحقیق یہ معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے اور بت باطل ہیں اور آپ اس کے رسول برحق ہیں۔ اس پر ان پر مغفرت کی کرامت نازل ہوئی اور وہ خوش خوش اپنی قبروں میں واپس چلے گئے۔ اور یہ ایمان اور مغفرت کی خصوصیت بھی انہیں کے لیے ہے کسی اور کو اس پہ قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی حکم ہے اولاد کا کہ انساب کا پیوند ان سے گناہوں کے صدور کے باوجود ان کے حق میں کچھ اثر نہیں کر سکتا۔

مخدوم جہانیاں قدس اللہ روحہ نے خزانہ جلالی میں لکھا کہ نیکیوں اور بدیوں میں شرفِ مکان، شرف زمان اور شرفِ نفس کا بھی اعتبار ہے۔ مکان جیسے مکہ مکرمہ کہ اس میں ایک نیکی سو ہزار (ایک لاکھ) نیکیوں کا ثواب رکھتی ہے اور ایک بدی سو ہزار بدیوں کے برابر ہوتی ہے اور شرفِ زمان جیسے ماہِ رجب اور روزِ جمعہ۔ کہ ایسے زمانہ میں ایک نیکی ستر نیکیوں کی مورث ہے اور ایک بدی ستر بدیوں کے عذاب کی موجب۔ اور شرفِ نفس جیسے فاطمی سیّد اور علماء۔ کہ اگر یہ ایک نیکی کریں تو دوسروں کے مقابلے میں دوگنا ثواب حاصل کریں اور اگر ایک گناہ کریں تو دوسروں سے بڑھ کر عذاب میں مبتلا ہوں"۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیّد اگر عالم بھی ہو تو اس کو فرمانبرداری اور نافرمانی میں ثواب اور عذاب کا حصّہ دوگنے سے بھی زیادہ ہے۔

اے برادر، تمام مسائل اعتقادیہ علمِ کلام سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ مسئلہ جو تو کہتا ہے کہ باوجود کفر اور شرک صادر ہونے کے۔ سادات کے قطعی خیریتِ خاتمہ میں کوئی خلل اور رکاوٹ نہیں، یہ مسئلہ علمِ کلام کی کسی کتاب میں نظر نہ آیا۔ مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہٗ کہ ان کی سیادت اور فرزندی کا ثبوت روضۂ رسول سے ثابت اور مقرر ہے۔

ایک رات اپنے خاتمہ بالخیر ہونے کی دُعا کر رہے تھے۔ فرمان جاری ہوا کہ اگر شیخ اخی جمشید تمہارے ایمان کی سلامتی کے لیے دعا کریں تو ہم مقبول فرمائیں۔ لہٰذا مخدوم نے حضرتِ شیخ سے دُعا کے لیے التجا کی جس کا قصہ مشہور ہے۔ تو اگر سادات کے لیے خیریت خاتمہ یقینی ثابت ہوتا تو مخدوم جہانیاں کیوں اپنے ایمان کی سلامتی کی دُعا اللہ کے دربار میں کرتے۔ کیا انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا؟ یوں ہی ایک سیّد صاحب مخدوم جہانیاں کی خدمت میں شب و روز رہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے مخدوم شیخ جہانیاں سے کہا کہ آپ کے اصلاحِ کار کی خاطر ایک بات کہنا چاہتا ہوں لیکن پھر سیّد راجو قتال کے ڈر سے نہیں کہتا اس لیے کہ وہ قتال ہیں مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ اگر آپ میرے ایمان کی محافظت فرمائیں تو میں اپنی جان آپ کے کام کی مصلحت میں دے ڈالوں اور وہ بات کہہ دوں۔ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ تمہارے ایمان کی حفاظت اچھی طرح کروں گا جو بات کہنے کی ہے کہو۔ اس وقت ان سیّد نے وہ بات کہہ ڈالی۔ جب میر سیّد راجو قتّال کو معلوم ہوا کہ یہ مصلحت اور یہ رائے ان سیّد سے واقع ہوئی ہے تو آپ نے بد دُعا فرمائی، ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی کی پناہ، ایمان کی حفاظت کے لیے نہ لی ہوتی تو میں ایمان بھی سلب کر لیتا۔" یہ قصّہ مشہور ہے۔ تو اگر سیّد سے زوالِ ایمان ممکن نہیں ہے تو حضرت سیّد راجو قتّال قدس اللہ روحہ نے کہاں سے فرما دیا کہ میں ان کا ایمان سلب کر لیتا۔ اور مخدوم شیخ جہانیاں قدس اللہ سرہٗ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تم سیّد ہو تمہارے ایمان کا زوال محال ہے، میری حفاظت کی کیا ضرورت ہے۔

برادرم ایمان بہترین سرمایہ اور بڑا قیمتی متاع ہے اور جس کا دل اللہ تعالےٰ نے ایمان کی روشنی سے چمکا دیا اسے یقین ہے کہ نسبتوں کی مشعل کی روشنی، گمراہی اور نافرمانی کی آندھی کے غبار میں ماند پڑ جاتی ہے اور سیادت کے چراغ کا نور ضلالت اور بدعت کی ہوا میں نہیں ٹھہرتا۔ اور اگر اس کو اسلام کے طاق اور ایمان کے آبگینہ میں محفوظ رکھیں اور سُنت کا تیل اور فرمانبرداری کی بتّی سے اس میں اضافہ کرتے رہیں تو بیشک

اللہ لِنورِہٖ مَن یشاء (اللہ راہ دیتا ہے اپنے نور سے جسے چاہے) کی تجلیاں اس پر پڑیں اور وہ بجھتا ہوا چراغ، روشنی سے دمکنے لگے اور تمہارے ہاتھ نورِ علیٰ نور کی دولت آئے۔ بیت

پسر نور و پدر نورلیست مشہور چہ گویم چوں بود نور علی نور

"بیٹا نور ہو اور باپ بھی نور مشہور تو میں کیا بیان کروں جب کہ نور بالائے نور ہے"۔

وہ خدائے قدوس جو کافر کی صلب سے پیغمبر اور پیغمبر کی پشت سے کافر کو پیدا فرماتا ہے۔ اگر اُس کی بخشش کافرزادوں کو بہشت میں پہنچا دے تو تو کس سے فیصلہ کرانے بیٹھے گا اور اگر اس کا جلال اور غضب پیغمبر کی اولاد کو دوزخ کی جانب لے جائے تو تو کس سے جھگڑے گا۔ ٹھیک بات کو غلط بات سے مت بدلو اور اس فعال لِمَا یرید یعنی قادرِ مطلق کی حکومت اور حکمت سے لڑائی مول مت لو۔ نظم

زنار نور شود، گاہ نار از نور ست خلیل از آزر و کنعاں ز نوح مفطور است

زحلِّ خل چہ کم آید از اں کہ فرع می است بشانِ می چہ فزاید کہ اصلش انگور است

کبھی روشنی سے آگ پیدا ہوتی ہے کبھی آگ سے روشنی۔ ابراہیم خلیل اللہ، آزر بُت پرست سے پیدا ہوئے اور کنعان نوح علیہ السلام سے۔ سرکہ حلال ہونے سے اس میں اس سے کیا کمی ہوئی کہ وہ شراب سے بنا۔ اور شراب کی شان اس سے کیا بڑھ جاتی ہے کہ اس کی اصل انگور ہے۔

یہیں سے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اہلبیت کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم اصل اہلبیت دوسری قسم داخل اہلبیت اور تیسری قسم لاحق اہلبیت۔ اصل اہلبیت تیرہ نفر ہیں۔ نو ازواج مطہرات اور چار صاحبزادیاں۔ اور داخل اہلبیت تین نفر ہیں، علی مرتضےٰ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اور لاحق اہلبیت وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ناپاکیوں اور گناہوں سے کلیتہً پاک کر دیا ہے اور ان کو کمال تقوےٰ اور پاکیزگی عنایت فرمائی ہے۔ خواہ وہ سادات ہوں یا سادات کے علاوہ۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

اگرچہ سیّد نہ تھے لیکن ناپاکی سے کمال طہارت کی وجہ سے اہلبیت سے لاحق تھے، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان مِنّا اَھلَ البَیْت سلمان ہمارے اہلبیت سے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا قدس اللہ سرہٗ نے فصل الخطاب میں لکھا کہ اہلبیت کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے اور سب سے بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ اہلبیت ازواجِ مطہرات اور آپ کی صُلبی اولاد ہیں اور حسن اور حسین انہیں میں سے ہیں اور مولیٰ علی بھی ان میں سے ہیں۔"

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر المومنین حسن اور حسین اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہم کو انہوں نے اہلبیت میں داخل مانا ہے اور اگر وہ اصل اہلبیت ہوتے تو یہ کیوں فرماتے کہ امیر المومنین حسن اور حسین اور علی مرتضےٰ ان میں سے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اولادِ رسول سے مراد صرف حضور کی چاروں صاحبزادیاں ہیں اور ازواج سے مراد حضور کی نو بیبیاں ہیں۔ لہٰذا تمام اہلبیت کل سولہ نفر ہوئے۔ نو بیبیاں، چار صاحبزادیاں اور امیر المومنین علی اور حسن حسین رضی اللہ عنہم

فصل الخطاب میں یہ بھی ہے کہ اہلبیت کی جانب منسوب نہ ہوگا مگر پاکیزہ خصال۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جو ان کی جانب منسوب ہو وہ اُن سے مشابہ بھی ہو۔ لہٰذا اُن کی جانب اُسی کی نسبت کی جاتی ہے جس کی طہارت اور برگزیدگی کا حکم موجود ہو۔ اُسی میں ہے کہ اس بارے میں ایک روایت بھی مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کے وہ کون قرابت دار ہیں جن کی تعظیم اور محبّت ہم پر واجب ہے؟ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ علی فاطمہ اور اُن کے بیٹے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ چار ہی مزید تعظیم کے ساتھ مخصوص"۔ تو آپ نے مزید تعظیم اور محبّت کا حصّہ انہیں چار میں کیا نہ کہ دُنیا بھر کے تمام سادات کا۔ لہٰذا ایمان کا کمال، طہارت کے کمال کی وجہ سے ہے نہ کہ سیادت کی نسبت سے۔ اور اگر سیادت میں طہارت نہ ہو تو نسبت منقطع ہو جاتی ہے اور وہ پیوند قابلِ اعتبار نہیں رہتا جیسا کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے سے نسبت پسری اور پدری ساقط ہو گئی اور خدا نے

قدوس نے ارشاد فرمادیا کہ اِنَّہٗ لَیسَ مِن اَھلِکَ ۔ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیرُ صَالِحٍ ۔ وہ تمہاری اولاد سے نہیں بے شک اُس کے کچھن بہت خراب ہیں۔

رہی وہ بات جو بعض احمق کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قیاس کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے اس لیے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے برتر ہیں تو وہ اتنا بھی جانتے کہ یہاں قیاس کا کام ہی نہیں اس لیے کہ رب تبارک وتعالےٰ نے ازواجِ مطہرات کی تہدید کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لُوط علیہ السلام کی بیبیوں کی تمثیل بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ بھی پیغمبروں کی بیویاں تھیں لیکن جب انہوں نے دین میں خیانت اختیار کی ۔ ہم نے دونوں کو جہنم میں داخل فرمادیا ۔ یہاں بھی وہ احمق اللہ تعالیٰ پر یہ اعتراض کریں کہ تیرا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا، دوسرے پیغمبروں کی بیویوں پہ قیاس کیسے درست ہوسکتا ہے۔

اے برادر نوح علیہ السلام اور لُوط علیہ السلام کی بیویاں اپنے کفر و شرک کی بدولت دوزخ کے عذاب کی مستحق ہوئیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل اور شرف کے کمال کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کی ازواج کے کھلے ہوئے فاحشے پہ عذاب کی تہدید فرمائی جائے ۔ پھر اِن رسُولوں کی بیویوں پہ عذاب ایک چند رہا مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو دوگنے عذاب سے ڈرایا ۔ تو یہ بھی حضور کے فضل اور شرف کا کمال ہے دوسرے نبیوں کے مقابلہ پہ اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی کہ یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ مَن یَّاتِ مِنکُنَّ الایہ ۔ اے نبی کی بیبیو تم میں سے جو کوئی کھلا ہوا بُرا عمل کرے گی تو دوگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب ۔ اور خدائے قدوس کا یہ فرمان کہ کَانَ ذٰلِکَ عَلَے اللّٰہِ یَسِیرًا ۔ اور "یہ اللہ تعالیٰ پہ آسان ہے" ان فضول گویوں کے گمان کا صریح رد ہے ۔ اس لیے کہ وہ اس امر کو اللہ تعالےٰ سے محال جانتے ہیں ۔ غرض ثابت ہوا کہ ازواجِ رسول کے علاوہ جو لوگ کہ اہلبیت میں داخل یا لاحق ہیں خواہ سادات ہوں یا غیر سادات، ان کا حکم بلا کسی فرق کے وہی ہے جو ازواجِ مطہرات کا ہے یعنی اطاعت و

عبادت میں انہیں دوگنا ثواب ہے دوسرے کے مقابلہ میں۔ اور گناہوں اور بدکاریوں میں دوسروں کے مقابل دوگنا عذاب۔ یہی وہ بات ہے جب کہ مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہٗ نے خزانۂ جلالی میں لکھا چنانچہ ان کا کلام اوپر گذر بھی گیا اور اس میں نہ ازواج کی توہین ہے نہ ان کے درجوں میں تنقیص۔ بلکہ یہ سب کے ان کے بلند درجات اور عالی مقامات کا ثمرہ ہے۔

اے برادر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت اگرچہ نجاستوں اور گندگیوں سے بہت پاک و صاف تھے مگر ان میں وہ غرور اور گھمنڈ نہ تھا۔ ایسے ہی عشرہ مبشّرہ کو اپنے خاتمہ بالخیر ہونے کا یقین تھا مگر وہ خیریت خاتمہ کا دعوےٰ نہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ سب اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے خوف اور ہیبت سے کانپتے اور تھرتھراتے رہتے اور خاتمہ بالخیر ہونے کی یہی علامت ہے۔ تو تجھے اپنی خیریت خاتمہ کا دعویٰ اور اپنی پاکیزگی وطہارت پر غرور اور گھمنڈ کہاں سے آیا کہ تو ان حضرات سے بھی بڑھا جا رہا ہے۔ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کل قیامت کے روز یہ فرمان ہو کہ ہم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو بہشت میں بھیجیں گے اور ایک شخص کو دوزخ میں، تو میرے خوف کی یہ حالت ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ شخص میں نہ ہوں۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ کہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے منافقین کے ساتھ تو ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح کبھی کبھی آپ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرماتے۔ ” اے مسلمانوں کے سردار مجھے دوزخ سے ڈراؤ۔ اسی طرح تمام عشرہ مبشّرہ اور باقی تمام اصحاب اور اہلبیت اگرچہ خدائے قدوس کی صدق اور اخلاص سے عبادت کرتے اور طہارت و پاکیزگی میں منتہےٰ تک پہنچ چکے تھے مگر ان کا خوف اور ہیبت، اس دن کی تہدید سے کہ لِیَسْئَلَ الصَّادِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْ۔ ” صادقوں سے اُن کے صدق کا سوال کیا جائے گا۔“ بہت زیادہ رہتا اور اس خوف سے کہ مخلصین ہمیشہ خطرۂ عظیم پر رہتے ہیں ہمیشہ کانپتے رہتے۔ اور تو کہ خیریت خاتمہ کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے

گلا پھاڑتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کی معرفت ہی سے بے بہرہ ہے۔

اے برادر تیری خیریت خاتمہ کو کسی نے نہ غصب کیا ہے نہ اس پر زبردستی کسی کا قبضہ ہے۔ لوگوں کے سامنے کیا دعوے کرتا ہے اور ان سے کیا لڑتا ہے۔ تیرا دعویٰ اور تیری لڑائی شریعت کے اصول سے ہے اس لیے کہ قرآن شریف اور حدیث کریم اور صحابہ کے اجماع نے ہر صاحبِ ایمان کے بالخیر خاتمہ کا حکم مبہم بیان فرمادیا ہے خواہ سادات ہوں یا غیر سادات۔ اور تو کہ یقین کے ساتھ خاتمہ بالخیر ہونے کا حکم کرتا ہے تو شرع شریف ہی سے لڑائی مول لیتا ہے اور جو چیز کہ شریعت میں ثابت نہیں ہے اُسے کوئی مسلمان ہرگز قبول نہ کرے گا۔ اگر تیری عبرت کی آنکھ کھلی ہے تو پہلے انبیاء علیہم السلام ہی کے حالات پر نظر ڈال لے کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس تک اپنے بیٹے کے لیے کوشش کی اور اہتمام کلی کیا کہ کسی طرح وہ مسلمان ہو جائے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے (جسے وہ باپ کہتے تھے) بہتیری کوششیں کیں کہ وہ بت پرستی سے باز رہے اور مسلمان ہو جائے مگر کچھ نہ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو کہ آپ پیغمبروں کے سردار ہیں خاص کر فرعون کی جانب بھیجا گیا اور ان کی دعوت کی تائید اور قوت پہنچانے کے لیے نو معجزے بھی عطا فرمائے مگر فرعون پر کچھ اثر نہ ہوا اور فرعون ملعون پانچ سو سال تک خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کے لیے کتنی کوشش فرمائی مگر مفید اور سُود مند نہ ہوئی تو ایسی جگہ جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی کوششیں اور ان کا اہتمام بار آور نہ ہوا اس جگہ فرزندی کی نسبت کیا کام آسکتی ہے۔ بیت

اگر خدائے نہ باشد ز بندہ خوشنود　　　شفاعت ہمہ پیغمبراں ندارد سُود

اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی کوشش بھی مفید نہیں ہوتی۔

اے برادر اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں میں سے ایک بھی زندہ رہتے اور ان کے بیٹے اور پوتے پیدا ہوتے تو وہ رسول کے حقیقی فرزند ہوتے تو ان حقیقی فرزندوں کے ہوتے ہم سادات کے گروہ کہ اُن کی صاحبزادی کی اولاد میں

کوئی بھی فرزندِ رسول نہ کہتا مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُن حقیقی فرزندوں کو بھی منع فرماتے کہ اپنی پیغمبر زادگی پر بھروسہ نہ کرنا ۔ جیسا کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہی فرمائی۔ تو چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اور صلبی فرزند نہ رہے سادات کو کہ آپ کی صاحبزادی کی اولاد ہیں، ان کے قائم مقام کر لیا گیا ۔ اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں میں شمار ہونے لگے تو وہ پیغمبر زادگی پر بھروسہ کرنے کی نہی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھے ان پر بھی وارد ہوئی اس لیے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم مامور فرمائے گئے ہیں۔ وانذر عشیر تک الاقربین (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں) کے حکم پر۔

اب تو تجھے معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جتنی نسبت قریب ہوتی چلی جائے گی عذابِ الٰہی سے ڈرانا اور اس کی تہدید اتنی ہی بڑھتی جائے گی اس لیے کہ اہلبیت کے جرم اعمال کے ترازو میں عامی لوگوں کے کفر سے بڑھ کر ہیں اور اللہ پاک نے عوام کو ان کے گناہوں پر مغفرت کی بشارت دی ہے اور اہلبیت اور صدیقوں کی معصیت پر اپنی غیرت سے خوف دلایا ہے کہ

یاداؤد بَشِّرِ المُذْنِبِین بِاَنِّی غفورٌ وَاَنذِرِ الصِّدِّیقِین بِاَنِّی غَیُورٌ

اے داؤد گناہگاروں کو بشارت دے دو کہ میں بخشنے والا ہوں اور صدیقین کو یہ جتا دو کہ میں بڑی غیرت والا ہوں ۔ اور حضور کے قرابت والوں اور اہلبیت کو جرم اور معصیت سے منع فرمایا ہے حالانکہ ان کی طرف سے کفر اور شرک خیال میں بھی نہیں آتا کہ اس سے منع فرمایا جائے اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور بیٹوں کی بیبیوں کی طرح نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ یانساء النبی لستن کا حد الی قولہ و یطھر کم تطھیرا ۔ یعنی اے نبی کی بیبیو تم دوسری عورتوں میں سے ہر ایک کی طرح نہیں ۔ اگر تم پرہیزگاری کرتی ہو تو بات چیت میں ملائمت مت کرو کہ دل کا روگی کچھ للچائے ۔ اور اچھی بات کہو اپنے گھروں میں رہو اور پہلی جاہلیت کا سا بناؤ سنگھار مت کرو ۔ نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے

رسول کے کہنے پر چلو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہلبیت تم سے پلیدگی کو دُور فرما دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے"۔

بعض رافضی آیۃ انما یرید اللہ الایۃ کو پہلی آیت سے جدا مانتے ہیں۔ تفسیر ماتریدی میں ہے کہ "بعض نے کہا کہ یہ آیت پہلی آیت سے مقطوع ہے اس لیے کہ پہلی آیت ازواج کے بارے میں ہے اور یہ آپ کے اہلبیت کے حق میں اور یہ رافضیوں کا قول ہے"۔ لیکن علمائے اہلسنت وجماعت دونوں آیتوں کو باہم مربوط مانتے ہیں اس لیے کہ ازواج مطہرات تو اصل اہلبیت ہیں اور باقی دوسروں میں سے بعض داخل اہلبیت ہیں، بعض لاحق اہلبیت۔ جیساکہ اوپر گذر چکا۔ پس ان کی پلیدگی یہی ہے کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری سے جی چرائیں اور کوتاہی ظاہر کریں کہ ان کا یہ قصور عام لوگوں کے کفر اور شرک سے بڑھ کر ہے۔ **مثنوی مؤلف**۔

دوستاں و مخلصاں را سربسر ۔۔۔ ذرّہ عصیاں ز کفر آید بتر

بازیک ذرہ عبادت زیں گروہ ۔۔۔ در گرانی نزدِ حق باشد چو کوہ

طاعت و عصیاں ازیں خیر الرجال ۔۔۔ ہر دو را ثقلےست افزوں از جبال

لاجرم آں ہر دو را اجر و عقاب ۔۔۔ از دو چند افزوں بود روزِ حساب

دوستوں اور اخلاص میں ڈوبے ہوؤں کا ذرّہ برابر گناہ کفر سے بدتر ہوتا ہے، اسی طرح ان کی عبادت کا ایک ذرّہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ تو ان بہترین مردوں کی اطاعت اور نافرمانی دونوں کا بوجھ پہاڑ سے زیادہ ہوتا ہے۔ لامحالہ ان دونوں کا اجر اور عتاب قیامت کے دن دونے سے زائد ہوگا۔ المومن یری ذنبہ کالجبل یقع علیہ والمنافق یری ذنبہ کالذباب یطیر منہ۔ مومن اپنا گناہ پہاڑ کی طرح جانتا ہے کہ اس پر گرا آرہا ہے اور منافق اپنی سرکشی کو مکھی کی طرح سمجھتا ہے کہ اس سے اڑ جائے گی۔

اے بھائی! اللہ والے اپنی اطاعت اور عبادت کو اگرچہ بے قدر اور بے قیمت جانتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ بیش قیمت ہوتی ہے اور لغزشوں اور گناہوں

کو جلنا وہ بوجھل اور بُرا سمجھتے ہیں وہ اتنے ہی ہلکے اور چھوٹے رہ جاتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں رُخساروں پر دو کالی لکیریں پڑگئی تھیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دوستوں کا رونا معصیت کا رونا نہیں گریہ معرفت ہے کہ وہ اپنے وجود کو سر سے پیر تک ناقص اور عیبی جانتے ہیں۔ وجودک ذنبٌ ولا یقاس بہ ذنبٌ۔ کہ تیرا وجود خود ایک گناہ ہے اس کے برابر کسی گناہ کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور اپنے نقص اور عیبوں پر جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی گریہ وزاری میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اگر گناہگار اور عاصی اپنے گناہوں کو ندامت کے پانی سے نہ دھوتا رہے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری اور شیبان راعی ایک جگہ جمع ہوئے۔ حضرت سفیان ثوری تمام رات روتے رہے۔ امام شیبان نے دریافت کیا کہ اے سفیان اتنا کیوں روتے ہو اگر گناہوں کے سبب روتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کرو۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے رونے کا سبب اپنے خاتمہ کا خوف ہے اس لیے کہ میں نے اور چند اور لوگوں نے ایک شیخ مجتہد سے چالیس سال علم حاصل کیا اور انہوں نے ساٹھ برس تک خانہ کعبہ کی مجاوری کی تھی لیکن جب جان دی تو کفر پر دی خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہُوا۔" جواب دیا کہ اے سفیان وہ اُس کے گناہوں کی شامت تھی اگرچہ جو تم کہتے تھے وہ بھی اس میں تھا لیکن جرم کوشی بھی تھی (ندامت و توبہ کے بغیر) تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اُس کے حکم کی کسی آن مخالفت نہ کرو۔

مروی ہے کہ ابراہیم نخعی ایک فقیہ کے شاگرد تھے۔ لوگوں نے اُن کے مرنے کے بعد انہیں خواب میں دیکھا کہ مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھے ہوئے ہیں لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فقیہ نے جواب دیا کہ جب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف آتا میں درود شریف نہ پڑھتا۔ اسی کی نحوست سے معرفت اور ایمان سلب کر لیا گیا۔"

اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ کل من ھو محبوبٌ ومرضیٌّ لدیہ کما تحب وترضی۔ مثنوی۔

کس چہ داند کہ تا چہ رفت قلم — ہر کسے راست عاقبت مبہم
خوض سرِّ ازل بسی نہ کند — حکم بالقطع بر کسی نہ کند
گر مطیع ست، بندۂ حبشی — یا کہ عاصی ست سیّد قرشی
گرچہ فرمود سیّدِ ابرار — کاں بجنت برند وایں در نار
لیک سرِّ اطاعت و عصیاں — شد بجلبابِ علمِ غیب نہاں
تا چہ کس راندۂ حکمتِ ازلش — یا کرا خواندہ لطفِ لم یزلش
راہِ دیں را دو پاست، خوف و رجا — نتواں رفت راہ، جز بدو پا
ظرفِ ایماں، مقام خوف و رجاست — ہست مظروف تا کہ ظرف بجاست
گر رجا پروری و خوف ہِلی — ظرف بشکستی از سیاہ دلی
ظرف بشکست و خوف شد مظروف — بنود نطق، جز بصوت و حروف
ہر کرا خوف نیست، در کفر ست — ہم چو ارجا کہ سربسر کفرست
دین ارجا نبود، عہدِ رسول — کہ تو می پروری، بعقلِ فضول

مرجیاں کافرند و بے دیناں
بشنو از شرع، حالت ایشاں

کوئی کیا جانے کہ قلم قدرت نے کیا لکھ دیا۔ ہر شخص کا انجام مبہم ہے۔ ازلی بھیدوں میں غور کرنا کفایت نہیں اور نہ کسی کی موت کا بالیقین حکم اس سے معلوم ہوتا ہے۔ غلام حبشی اگرچہ فرمانبردار ہو یا قریشی سیّد اگرچہ گنہگار ہو، اگرچہ سید الابرار علیہ الصلوٰۃ الی یوم القرار نے (بحسب ظاہر) یہ حکم فرما دیا کہ فلاں جنت میں جائے گا اور فلاں دوزخ میں لیکن اطاعت اور سرکشی کا راز علمِ غیب کی چادر میں پوشیدہ ہے اور اب (کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا) کوئی نہیں بتا سکتا کہ حکمتِ ازلی نے کسے راندۂ بارگاہ کیا اور لطفِ لم یزلی نے کسے اپنی طرف بلا لیا۔ (بس یوں سمجھ لو) کہ دین کی راہ چلنے کے لیے دو پاؤں ہیں۔ خوف و رجا اور بغیر پیروں کے راستہ چلنا ممکن ہی نہیں۔ ایمان کا ظرف امید اور خوف کا مقام ہے اور مظروف اسی وقت تک رہتا ہے جب تک ظرف

ٹھیک رہے۔ اگر تو امید پالتا رہے اور خوف خدا چھوڑ دے تو تو نے اپنی سیاہ دلی سے ظرف ایمان کو توڑ دیا اور جب ظرف ٹوٹ گیا تو مظروف بھی غارت ہوا کہ بات چیت (کہ مانند مظروف ہے) آواز اور حرفوں ہی سے ہوتی ہے (کہ مثل ظرف ہیں)۔ اسی طرح جسے خوف نہیں وہ کفر میں ہے جس طرح طریقۂ مرجیہ کہ سراسر بے دینی و بدعقیدگی ہے۔ مرجیہ کا دین زمانۂ اقدس میں نہ تھا مگر تو اسے اپنی فضول عقل میں پال رہا ہے۔ تمام مرجیہ کافر اور بے دین ہیں ان کی بدعقیدگی کا حال شریعت سے عیاں ہے۔

اے گروہِ سادات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرزندی کے شرف پر گھمنڈ اور غرور مت کرو کہ تمام نسبتیں دنیا میں جان پہچان کے لیے ہیں۔ آخرت کی بزرگی صرف تقوٰی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ط اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہیں کنبے اور قبیلے میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ کرامت والا وہ ہے اللہ کے نزدیک جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار رہے"۔ لہٰذا دینی عزت کا ثبوت تقوٰی سے ہے نہ کہ سیادت سے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کے ظاہری پیوند سے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ لو کان فی بلدٍ ولدی والناس اتقٰی منہ فلیس منی۔ اگر کسی شہر میں میرا کوئی فرزند ہے اور دوسرے لوگ اس سے زیادہ پرہیزگار ہیں تو وہ میرا نہیں"۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین ط اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے"۔ تو قبول کا انحصار تقوٰی پر رکھا نہ کہ نسبت اور سیادت پر۔ اور فرمایا وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی ط کہ لوگو توشہ بنا لو اور تحقیق کہ بہترین زادِ راہ تقوٰی ہے"۔ یہاں بھی آخرت کا توشہ تقوٰی فرمایا نہ سیادت اور نہ نسبت۔ اور فرمایا ان اولیاءہ الا المتقون ط اس

کے دوست نہیں مگر متقین"۔ تو بندہ کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی تقویٰ پر منحصر ہے نہ کہ انساب پر۔ رسالہ مکیہ میں ہے کہ یہ نظم قرآنی اور اسی طرح سے اور عبارتیں حصر کا فائدہ دیتی ہیں۔

مسئلہ پر غور کرو اور دیکھو کہ ابلیس اور بلعام اور برصیصا اپنے حالات زندگی میں ظاہری کمال اور کرامت رکھنے کے باوجود، جب انہوں نے تقوےٰ چھوڑ دیا اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو وہ اپنے درجوں سے کیسے گرا دیئے گئے۔ شعر

لو کان فی العلم من دون التقی شرف

لکان اشرف خلق اللہ ابلیس

اگر علم میں بغیر تقوےٰ کے کوئی بزرگی ہوتی تو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ شرف والا ابلیس ہوتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اٰلی کُلُّ مُومنٍ تَقِیّ۔ ہر متقی مسلمان میری آل ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ میری آل میری اولاد ہے۔

پھر آل کا استعمال تین طرح ہوتا ہے۔ کبھی تو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے ذات ہی مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ و بقیۃ مما ترک اٰل موسےٰ و اٰل ھٰرون ط بقایا ان میں سے جسے آل موسےٰ اور آل ہارون نے چھوڑا۔ اور کبھی مذکور ہوتا ہے اور اس سے آدمی کے قرابت داروں کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ قال رجلٌ مومنٌ من اٰل فرعون ط کہا ایک مرد مسلمان نے آل فرعون سے" اور وہ حزبیل فرعون کے چچا ہیں۔ اور کبھی بولا جاتا ہے اور اس سے ملت والے مراد ہوتے ہیں جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مَن اٰلک؟ فقال اٰلی کل مومنٍ تقی ط آپ کی آل کون ہے؟ ارشاد ہوا میری آل ہر متقی مسلمان ہے"۔ اور یہ رافضیوں پر حجت ہے اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ آل محمد صرف علیؓ اور ان کے فرزند ہیں۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آل دو قسم کی ہے۔ ایک نسبی جیسے حضرت جعفر اور عقیل بن ابی طالب کی اولاد اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

اولاد اور حارث بن عبد المطلب اور علی اور آپ کی اولاد کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ عنہم۔ دوسرے سببی کہ ہر متقی مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ تو آلِ نبی میں آخرت کی نجات کے لیے تقوےٰ اور طہارت شرط ہے اور خاتمہ کی خیریت اور حسنِ عاقبت بھی تقوےٰ پر موقوف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ط کہ عاقبت تو پرہیزگاروں ہی کی ہے"۔ اب کہ میں نے اس سنبلہ کو ختم کیا ہدایت اور گمراہی کے عذر میں سب سے یہی کہتا ہوں کہ من یھدہ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ ومن یُضْلِلہ فلا ھادِیَ لہ ط نعوذ باللّٰہِ مِن شُرُورِ انفسنا ومِن سیّاٰتِ اَعْمالِنَا۔ اللہ جسے ہدایت فرمائے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ چھوڑ دے اُسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ رباعی۔

گہ رشک برد فرشتہ از پاکیٔ ما — گہ خندہ زند دیو زبیباکیٔ ما
ایماں چو سلامت بلب گور بریم — اَحسنت بریں چستی و چالاکیٔ ما

کبھی فرشتہ ہماری پاکی پر رشک کرتا ہے تو ہماری بیباکی پر کبھی شیطان بھی خوش ہوتا ہے اگر ہم قبر تک اپنے ایمان کو سلامتی سے لے جائیں تو اس چستی اور چالاکی پر شاباش ہے۔

دوسرا سنبلہ پیری مریدی کے بیان اور اسکی حقیقت اور ماہیت میں

یاد رکھو کہ پیری اور مریدی، بیعت یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور عہد باندھنے کا نام ہے جیساکہ پیرانِ طریقت نے اپنے ہاتھ سچے مرید کے ہاتھوں پر رکھے اور رکھتے ہیں اور کلمہ استغفار اور توبہ کی تلقین کی اور کرتے ہیں اور مریدوں سے یہ عہد لیتے ہیں کہ مَا آتٰکُمُ الرسول فَخُذُوْہُ وما نھٰکم عنہ فَانْتَھُوا ط جو رسول اللہ تمہیں دیں اُسے لو اور جس سے تمہیں منع کر دیں اُس سے

باز رہو۔ اس بیعت کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے نیچے بیعت کی تو اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوا چنانچہ ارشاد فرمایا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ط کہ بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مسلمانوں سے جب اے رسول وہ تمہارے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کرتے ہیں" نیز خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا کہ اے رسول تمہارے صحابہ نے جو بیعت تم سے کی ہے وہ مجھ سے کی ہے اور تمہارا وہ پیارا ہاتھ جو اصحابِ آپ کے ہاتھوں پر تھا وہ میرا دستِ قدرت تھا۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ط کہ بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے"۔ روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک مبارک ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام کیا اور دوسرے مبارک ہاتھ کو دستِ قدرت کا نائب بنایا اور فرمایا "یہ اللہ کا دستِ قدرت ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے" تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور بیعت کی۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صادقِ طالب اگر حاضر نہ ہو تو اس کی غیر حاضری میں اُسے بیعت کرنا جائز ہے۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے اور مکان کے اندر تشریف لے گئے تو تمام عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ الْاٰیَۃ۔ یعنی اے نبی جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس حاضر آئیں اور اس چیز پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی نہ وہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی۔ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ نہ ایسا بہتان لائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان کسب کریں اور نیک بات میں

تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو آپ اُن کو بیعت کر لیں اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بموجب عورتوں کو بھی بیعت کر لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت صرف کلام سے ہوئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوا"۔ پیری مریدی کے اثبات میں یہ ایک مستحکم اور قطعی اصل اور وہ بنیاد ہے جسے مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی کہا جاتا ہے ۔ اس میں کسی منکر کو انکار کی گنجائش نہیں۔

اے برادر سماع کے حلال اور حرام ہونے کے متعلق قدیم زمانے سے علماء اور مشائخ میں گفتگو چلی آتی ہے ۔ اسی طرح ذکر خفی وجلی میں بھی کلام مدت سے جاری ہے لیکن پیری مریدی کا انکار کسی زمانہ میں نہ پایا گیا اور نہ بیعت کے قبول میں کسی مجتہد نے کوئی بات نکالی تو اپنی انتہائی بیوقوفی سے بیعت کے انکار میں کیوں زبان چلاتا ہے ۔ بیت ۔

زیں قصہ ہفت گنبدِ افلاک پُر صدا ست — کوتاہ نظر ببیں کہ سخن مختصر گرفت ۔

اس واقعہ کی آواز سے ساتوں آسمانوں کے گنبد گونج رہے ہیں کوتاہ نظر کو دیکھو کہ اسے کوئی بات ہی نہیں سمجھتا ۔ حضرت داؤد طائی قدس اللہ روحہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے جب آپ نے حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خاص کمائی میں سے کچھ حصہ انہیں نذر فرمایا اور اس کو آپ نے وجہ تقرب جانا ۔ **مثنوی**

مریدی چیست ، توبہ از گناہاں — شدن تقصیر ہا را عذر خواہاں
مریدی عقد توبہ بستن آمد — ز اخلاقِ ذمیمہ رُستن آمد
چو دیں بے توبہ در نقصان و شین ست — مُریدی عین نص و فرضِ عین ست
مریدی ، بیعت از عہدِ رسول ست — نہ بدعت اے جہالِ فضول ست
نخست آورد بیعت ، چار یارش — وزاں پس ، جملہ اصحابِ کبارش

زنان، ہم بیعتی کردندش از دل ... کہ شد نصِ فبایعھُنَّ نازل
وز انجا تا بعہدِ ما رسیدہ ... در اطرافِ جہاں، ہر جا رسیدہ
وجوبش آمد از آغاز و انجام ... شدہ فرضیتش بر خاص و بر عام
شُد استغفار و توبہ فرض ایں راہ ... بحکمِ آیۂ توبُوا اِلَی اللہ
جمیعاً گفت در آیہ کریمہ ... کہ ہر کس راست توبہ از جریمہ
وگر کس ظن برد، کیں فرض جازم ... بر استحقاق بر من نیست لازم
برو لازم تراست ایں کار کردن ... وزاں ظنِ بد، استغفار کردن
نبی ہر روز، استغفار کردے ... بسبعین مرتبش تکرار کردی
وجوبِ توبہ، چوں بر خاص و عام ست ... تفاوتہا بمقدارِ مقام ست
ندانی توبہ از خود کردن، اے یار ... برد خود را بمردِ توبہ بسیار
کہ دارد صحتِ اسناد توبہ ... ترقی کردہ بر مرصادِ توبہ
مقامِ خاص و عام از ہم شناسی ... نہد بر ہر یک از توبہ اساسی
گرفتن توبہ، از ہر کس سزا نیست ... نقودِ ناسرہ، جز غم فزا نیست
جوانا! چند خواہی بود، بے پیر ... کہ آفتہاست، در اہمال و تاخیر
چو پیرت نیست، پیرِ تست ابلیس ... کہ راہِ دیں زدہ ست از مکر و تلبیس
کرا ہر چند شیطاں کردہ داعی ... نباید خورد ازو آب و طعامی
سبک تر، بیعتِ پیرے بد ست آر ... بود بے پیر مردن، مرگِ مردار
وسیلہ خود بہ نصِ وَابتغوا خواں ... بپرس از اہلِ فکر و فَاسئَلوا خواں
سراپائی وجودِ ما گناہ ست ... مریدی ہر گناہے را پناہ ست

مُریدی شُد حصارِ دین و ایماں
غمِ ایماں خورد، مردِ مسلماں

مریدی کیا ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذرخواہی کرنا۔مریدی ایک معاملہ ہے توبہ کرنے اور بُری باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا۔چونکہ بغیر

توبہ کے دین بھی نقصان میں اور بے رونق رہتا ہے لہٰذا مریدی بے حد ضروری اور ہر شخص پر لازم ہے ۔ مریدی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عہد و پیمان کی بیعت ہے نہ کہ ان جاہلوں اور فضول لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں ۔ حضور سے سب سے پہلے چار اصحاب نے بیعت کی اس کے بعد آپ کے اور اصحاب نے ۔ عورتوں نے بھی حضور سے دل سے بیعت کی اس لیے کہ ایۂ یبایعنک نازل ہوئی ۔ اس وقت سے لے کر ہمارے زمانہ تک برابر جاری اور دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچی ہوئی ہے ۔ اس کی ضرورت اول آخر میں ہے اور اس کی فرضیت ہر خاص اور عام پہ ۔ اس راستہ میں استغفار اور توبہ فرض ہے کہ آیت شریف توبوا الی اللہ کا حکم ہے ۔ اس آیت کریمہ میں جمیعاً بھی فرمایا گیا ہے اس لیے ہر شخص پر گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے ۔ تو اگر کوئی یوں اٹکلیں دوڑائے کہ یہ فرض یقینی میرے اوپر لازم نہیں ہے تو اس پر سب سے زیادہ یہ کام ضروری ہے اور اس گمان سے توبہ اور استغفار کرنا بھی ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم روزانہ استغفار کرتے اور دن میں ستر مرتبہ اس کی تکرار فرماتے توبہ کا وجوب تو ہر خاص اور عام پر ہے لیکن اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے فرق ہے ۔ اے دوست تو خود توبہ نہیں کر سکتا ، اپنے نفس کو کسی صاحب توبہ کے سپرد کردے جو توبہ کی صحت کی سند رکھتا ہو اور توبہ کے راستے میں ترقی کرتا جا رہا ہو ۔ جو خاص اور عام کا مقام بھی پہچانتا ہو اور ہر مقام پر توبہ کی ایک بنیاد بھی رکھتا جاتا ہو ۔ توبہ کرنا ہر شخص کے ہاتھ پر زیبا نہیں ہے کہ کھوٹے سکے سوائے غم بڑھانے کے کسی کام نہیں آتے ۔ اے جوان تو کب تک چاہے گا کہ بغیر پیر کے رہے اس لیے کہ مہلت دینے اور ٹالتے رہنے میں مصیبت ہی مصیبت ہے ۔ اگر تیرا کوئی پیر نہیں ہے تو شیطان تیرا پیر ہے جو دین کے راستوں میں دھوکے اور چالوں سے ڈاکہ ڈالتا ہے ۔ شیطان نے اگرچہ تیرے لیے جال لگا دیئے ہیں لیکن تو اس کے دانہ اور پانی میں سے ذرہ برابر نہ لے اور بہت جلد کسی پیر کا ہاتھ پکڑ لے ۔ بغیر پیر کے مرجانا مردار موت کے مانند ہے ۔ اپنا وسیلہ آیہ وابتغوا کے ماتحت

تلاش کر اور جاننے والوں سے پوچھ اور فَاسْئَلُوْا (الآیۃ) کو پڑھ ۔ ہمارا سر تا پا وجود گناہ ہے اور مرید ہو جانا ہر گناہ کے لیے پناہ گاہ ۔ مریدی دین اور ایمان کی چار دیواری ہے اور ہر مرد مسلمان کو اپنے دین کی فکر رہتی ہے ‘‘۔

الغرض پیری اور مریدی کے حقوق اور شرائط آج کل بہت خراب اور پراگندہ حالت میں ہیں ۔ نہ پیروں کو پیری کے حقائق اور آثار کی کچھ خبر ہے اور نہ مریدوں میں مریدی کے آداب اور لطیف باتوں کا کچھ اثر ہے ۔ آج کل کوئی شخص مریدی ہی کے لائق نہیں پیری کے قابل کہاں سے ملے ۔ اگر پیری اور مریدی کا تھوڑا سا حال بھی مفصل لکھوں تو تمام دنیا جو پیروں اور مریدوں سے بھری ہوئی ہے یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم سب خطا پر غلطی اور باطل پر ہیں ۔ حالانکہ ایسا نہیں ۔ بات یہ ہے کہ صفائی قلب باقی نہیں رہی تلچھٹ رہ گئی ہے ۔ تو جس کو عیسٰے علیہ السلام میسّر نہ ہوں اگر جڑی بوٹیاں استعمال نہ کرے تو پھر کیا کرے ۔ اور جسے سورج کی روشنی نہ پہنچے اسے چراغ جلانا ضروری ہے ۔ ہائے افسوس وہ پیری مریدی کہاں غائب ہو گئی ۔

منقول ہے کہ حضرت ابو قاسم گرگانی جنوں اور انسانوں کے پیر تھے اور آپ کے ہزارہا مرید صاحب روزگار تھے ۔ اس کے باوجود آپ فرمایا کرتے کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ دنیا میں ہمارا کوئی ایسا مرید ہو کہ ہم اس کی کھال اتار کر اس میں بھس وغیرہ بھر کر دھوپ میں لٹکا دیں تاکہ دنیا والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مریدی کس کا نام ہے‘‘ ہاں بے شک چونکہ انہوں نے مریدی کی تھی وہ مریدی کی قدر اچھی طرح جانتے تھے ۔

تو جب تک ہر مرید کی سچی عقیدت اپنے مرشد کے تصرّف میں ، اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ اپنی ہر مراد کو فنا کر دے ، اس کو سچا اور واقعی مرید نہیں کہا جا سکتا ۔ اور جب مرید حقیقی بالکلیۃً اپنے ارادہ اور اختیار سے خالی رہ جاتا ہے تو معرفت اور سعادت کے کمال کے آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے ۔ بیت

تا ترکِ مرادِ خود نہ گیری صد بار
یکبار مُراد ، در کنارت نیاید

جب تک تم اپنی سینکڑوں مرادیں ترک نہ کرو گے اپنا مقصود ایک مرتبہ

بھی نہ پا سکو گے۔

خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو پہلی بیعت میں ایسی ہی تہی دامنی اور ہر مراد سے دامن کشی کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ فلا و ربک لا یومنون الآیۃ۔ یعنی ان کا ایمان اس وقت کامل ہو گا جب کہ اے محبوب وہ تمہیں اپنا حکم بنا لیں اور پھر تم انہیں جو حکم دو اس سے وہ اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور تمہارے حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں"۔ چنانچہ جب صحابہ کرام نے اپنے ارادہ اور خواہش کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے حضور ترک کر دیا اور اپنی تمام تمناؤں کو ٹھکرا دیا تو دین میں کمال اور نعمت و سعادت میں تمامیت حاصل کر لی۔ اور ارشادِ ربانی کہ الیوم اکملت لکم دینکم الآیہ۔ یعنی آج میں نے تمہارے دین کو اور تم پہ اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرما لیا اُس پر صراحتہً دلالت کرتا ہے۔ اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس کمال پر مشتمل پایا تو دوسروں کو ان کی پیروی اور بیعت کا حکم دیا اور فرمایا اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم۔ کہ" میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ پاؤ گے"۔ اس کے بعد تمام تابعین اور تبع تابعین کی کہ اس امت کے علماء ہیں تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل۔ میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں" یہ بھی ارشاد کیا کہ العلماء ورثۃ الانبیاءِ "علماء انبیاء کے وارث ہیں" تاکہ تمام اُمتی ان کی پیروی اور بیعت میں آجائیں اور اُن کی یہ بیعت اُخروی سعادتوں اور اُس جہان کی نجات اور ترقی درجات کا وسیلہ بن جائے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اے برادر پیری اور مریدی سے سوائے رسم اور نام کے کوئی اور چیز باقی نہیں رہی اور وہ نام و رسم بھی چند شرطوں پر مبنی ہے کہ بغیر ان شرطوں کے پیری اور مریدی درست ہی نہیں ہو سکتی۔ تو پیری کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ پیر صحیح مسلک

رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر شریعت کے حقوق کی ادائیگی میں پیچھے رہ جانے والا اور سستی برتنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے اہل سنت و جماعت کے موافق درست ہوں۔ لہٰذا پیری اور مریدی کی جو رسم ابھی باقی ہے، ان تینوں شرطوں کے بغیر درست ہی نہیں ہو سکتی۔ اب ان تینوں شرطوں کی میں مختصر وضاحت کرتا ہوں۔

پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو اس کی توضیح یہ ہے کہ سچّے مرید کو صحیح سلسلہ تلاش کرنا چاہیئے کہ اکثر جگہ خلط اور خبط ہو گیا ہے انہیں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ جس درویش نے اپنی غفلت یا کسی اور سبب سے اپنے بیٹے کو خلافت نہیں دی اور لوگوں کو وصیّت بھی نہیں کی کہ میرے بعد، میرے فرزند کو میرا خرقہ پہنا دینا اور اسے میرے قائم مقام کر دینا اس جگہ کے رہنے سہنے والے تیسرے روز اس درویش کا خرقہ اس لڑکے کو پہنا دیتے ہیں اور اپنی اس حرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا مطلقاً خیال نہیں رکھتے۔ اب ایک کثیر مخلوق اس کی بیعت کے جال میں پھنس جاتی ہے اور یہ رخصت و اجازت کے بغیر پیر بن جاتا ہے حالانکہ یہ گمراہی در گمراہی ہے اس لیے کہ اگرچہ باپ کا متروکہ خرقہ وراثت کی وجہ سے اس کے ہتّھے چڑھا لیکن بیعت کی صحت کے لیے باپ کی رخصت اور اجازت شرط ہے نہ کہ صرف باپ کا خرقہ پا لینا۔ قطعہ

اے پسر، شرطِ صحت بیعت　　　　در طریقت، اجازتِ سلف ست

بد غل سکہ بنہرہ مزن　　　　کاں رہ کاسدانِ ناخلف ست

اے بیٹے بیعت صحیح ہونے کی شرط طریقت میں سلف کی اجازت ہے۔ دھوکے سے کھوٹے سکوں کو مت چلاؤ اس لیے کہ یہ ناخلف اور بگڑے ہوئے لوگوں کا راستہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ گذشتہ اولیا کہ ولی اور قطب تھے (آج کل) ان کی اولاد دستی سند کے بغیر، اور بلا رخصت اور اجازت، محض فرزندی کی نسبت

کی بنیاد پر مخلوق کو مرید کرتے ہیں اور مخلوق یہ سمجھتی ہے کہ ہم تو فلاں قطب اور غوث کی سرکار سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم تو اُن کے نائب ہیں حالانکہ یہ سراسر گمراہی ہے۔

کہتے ہیں کہ خانوادۂ شاہ مدار کا سلسلہ درست نہیں ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے سلسلے کو خود سوخت کر دیا ہے۔ اس کا مختصر قصّہ یوں ہے کہ حضرت شاہ مدار صاحب کا قیام کالپی شریف میں ایک مدت تک رہا۔ اس وقت اس ولایت کا والی ایک نیک مرد تھا جس کا نام قادر بخش تھا جو درویشوں کی خدمت کرتا اور ٹوٹے دلوں کو سہارا دیتا اور فقیروں سے محبت رکھتا تھا۔ اکثر اوقات حضرت شاہ مدار کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا مگر آپ کچھ توجہ نہ فرماتے اور نہ اس کو اپنے حضور حاضری کی اجازت دیتے، وہ والی ہر بار لوٹ جاتا۔ ایک روز قادر شاہ ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو دیکھا کہ دو شخص شاہ مدار صاحب کے مکان میں گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ ایک اونچے گھوڑے پر سوار تھا۔ گردن اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ مدار صاحب اور ایک جوگی باہم بات چیت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا کہ یہ عجیب درویش ہیں کہ میں دین کی طلب میں ان کے پاس بار بار آتا ہوں مجھ سے ملاقات نہیں کرتے اور ایک جوگی سے کلام میں مشغول ہیں۔" یہ کہا اور لوٹ آیا (یہ سن کر) اس جوگی نے کچھ ایسی حرکت کی کہ قادر شاہ کے بدن میں جگہ جگہ سفید دھبّے پڑ گئے۔ قادر شاہ اپنے پیر کی خدمت میں جن کا نام شیخ سراج تھا حاضر ہوا اور ان سے تمام ماجرا بیان کیا۔ اور وہ سفید داغ دکھائے۔ شیخ سراج قدس اللہ روحہ نے اپنا لعاب دہن ان داغوں پر مل دیا وہ داغ دُور ہو گئے اور قادر شاہ تندرست ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو شاہ مدار تلوار لیے ہوئے نمودار ہوئے اور آپ نے چاہا کہ قادر شاہ کو ختم کر دیں۔ حضرت شیخ سراج آڑے آئے کہ یہ تو ہمارا مرید ہے، بے گناہ کو کیوں مارتے ہیں۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ یہ تو دین کی طلب کے لیے حاضر ہوتا تھا اس نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ دونوں حضرات میں تکرار بڑھ گئی، کہ اتنے میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور شاہ مدار سے منع

فرمایا کہ اس بے گناہ کو مارنا چاہتے ہو یہ کون سی درویشی ہے۔ حضرت شاہ مدار نے عرض کیا یا رسول اللہ درویش جب اپنی تلوار نیام سے نکال لیتا ہے کسی نہ کسی پر ضرور چلاتا ہے۔ اب کہ میں اپنی تلوار کھینچ چکا ہوں کس پر چلاؤں؟ شیخ سراج نے فرمایا تمہارے اس وار کو میں اپنے اوپر لیتا ہوں لیکن اپنے مرید کو کوئی تکلیف پہنچانا مجھے پسند نہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا تو اچھا ہم نے تمہیں سوختہ کر دیا۔ شیخ سراج نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے تمام مریدوں کو گمراہ کیا۔ شاہ مدار نے فرمایا میں نے گنتی کے چند آدمی مرید کئے ہیں اور آج کی تاریخ سے کسی کو مرید بھی نہیں کروں گا رہی خلافت وہ میں نے نہ کسی کو دی ہے اور نہ اب دوں گا۔ چنانچہ شیخ سراج کے باطن میں کچھ سوزش شروع ہوئی اور آپ تمام عمر اس میں مبتلا رہے اسی لیے ان کو شیخ سراج (سوختہ) کہا جاتا ہے (سراج بمعنی چراغ، سوختہ بمعنی جلا ہوا)

لیکن شاہ مدار صاحب کے وہ چند مرید بغیر رخصت، بغیر اجازت اور بغیر خلافت کے مرید کرتے تھے اور سلسلہ بڑھاتے تھے اور اپنا خلیفہ بناتے۔ یہی ان کی گمراہی ہے۔ اور یہ سب شاہ مدار کی وفات کے بعد ہوا آپ کی حیاتِ ظاہری میں مرید کچھ نہ کر سکے۔ اور جب حضرت شاہ مدار کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی فراست باطنی سے جانا کہ میرے مرید ایک عارف کے گمراہ کیے ہوئے ہیں ان سے یقیناً بددیانتی ظاہر ہو گی لہٰذا آپ نے دستِ مبارک سے بہت کثرت سے خطوط لکھے اور چاروں طرف ان کو روانہ فرما دیا کہ ہم نے کسی کو خلافت نہیں بخشی ہے چنانچہ حضرت شاہ مدار صاحب کے دستخط کا ایک کاغذ حضرت مخدوم شیخ سعد کے قبضہ میں آیا جس میں حضرت شاہ مدار نے تحریر فرمایا تھا کہ ہم نے کسی کو خلافت نہیں بخشی ہے۔ اسی بنا پر مخدوم شیخ سعد حضرت شاہ صاحب کے مریدوں کو اس سے باز رکھتے دیانت کے مدِ نظر نہ کہ ان کی اہانت کی خاطر۔ اور مخدوم شیخ سعد کے خلفاء بھی لوگوں کو اس بیعت سے لوٹایا کرتے تھے۔ چنانچہ مخدوم شیخ صفی قدس سرہ کو فقیر نے بچشم خود دیکھا۔ اور مخدوم شیخ محمد منگن کو کہ آپ ملاوہ میں آرام فرما رہے ہیں اور مخدوم

شیخ نظام الدین کو کہ مقام امیٹھی میں آرام فرما ہیں۔ کہ یہ حضرات بھی تمام لوگوں کو اس بیعت اور انابت سے لوٹاتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر کو جو کچھ صحیح خبروں سے بالتحقیق معلوم ہوا وہی کہا ہے۔ ہماری اس تحقیق کے بعد جو شخص رجوع کرنے میں اپنی ہتک سمجھے وہ جانے۔ ہمارے پاس اس واقعہ کی صحت اور سچائی پر ایک قوی مصداق اور روشن دلیل بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ شاہ مدار کے مریدوں میں سے ہزاروں مریدوں نے بیعت توڑ دی اور اس سے باز رہے۔ بہت سے مخدوم شیخ سعد کے مرید ہو گئے۔ اور بہتیرے مخدوم شیخ سعد کے خلفا اور ان کے خلفاء کے خلفاء کے مرید ہوئے۔ بہت سے مریدوں نے شیخ محمد مُنگن اور بہت سوں نے شیخ نظام الدین اور شیخ الہ دیا خیر آبادی اور سندیلی سے اپنی عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ اور شاہ مدار صاحب کی مریدی سے پھر گئے۔ تو اگر شاہ مدار صاحب ان مریدوں کے مراجعت پر رضامند نہ ہوتے اور اپنے مریدوں کا دوسرے بزرگوں سے پیوند روا نہ رکھتے تو یقیناً ان مریدوں کو ان کی جانب سے کوئی نقصان وخلل اور بدلہ یا سزا ضرور پہنچتی اور ان بزرگوں پر کچھ عتاب یا غصہ اور تنبیہ ضرور ہوتی۔ اور جب آپ نے نہ ان بزرگوں پر کچھ عتاب یا غصہ کیا اور نہ ان مریدوں کو کوئی نقصان یا خلل پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے سلسلہ کو خود ہی برہم کر ڈالا۔ یہاں تک تمہیں معلوم ہوا کہ سلسلہ کی صحت، پیری کی شرطوں میں سے پہلی شرط ہے۔

پیری کی دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم وعامل ہو، جملہ عبادات کا۔ فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ ہر وضو کے لیے مسواک کرے۔ داڑھی میں کنگھا کرے کہ یہ دونوں سنتیں ہیں۔ پانچوں نمازیں، اذان اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ تعدیل ارکان کا خیال رکھے اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے اور اگر وہ ان عبادتوں کا عالم نہ ہوگا تو ان پر عمل نہ کر سکے گا تو حد شرع

سے گر جائے گا۔ لہٰذا پیر نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر آکر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے شریعت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرا، گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب مخلوق جھکی پڑتی ہو مثلاً اکثر مخلوق اس کی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہے، اُس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض اور لازم ہے۔ اسے چاہیئے کہ شریعت کے دقائق میں سے ایک شمہ بھی فوت نہ ہونے دے۔ کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہٰذا وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت حسن بصری نے ایک مستانہ کو راستے میں دیکھا کہ چلا جا رہا ہے اور ہر قدم پر ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ فرمایا قدم کو جما کر رکھ تاکہ ٹھوکر نہ لگے۔ کہنے لگا تم اپنے قدم سنبھال کر ڈالو کہ کہیں بھٹک نہ جائیں۔ اگر میرا قدم لڑکھڑایا تو میں دیوانہ و معذور ہوں (میرا فعل سند نہیں) لیکن اگر تمہارے قدم ڈگمگائے تو تمام دنیا کے بھٹکنے کا سبب ہوں گے اس لیے کہ عالم کی راہ یابی تمہاری پیروی میں ہے۔"

پیری کی تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے درست ہوں۔ مذہب اہل سنت و جماعت کے موافق۔ اور وہ متعصب پکا سُنی ہو اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتر[۷۳] فرقوں میں سے ایک کو ناجی فرمایا ہے اور بہتر[۷۲] فرقوں سے دُوری اور پرہیز کا حکم فرمایا ہے اور وہ نجات پانے والا گروہ وہی ہے جو قرآن حدیث اور صحابہ کرام کے طریقوں پر کاربند ہے۔ بیت

سہ آمد اصلِ شرع اے مومن صاف — کتاب و سنت و اجماعِ اسلاف
قیاس راسخون العلم برحق — تو دہ باہر سہ اصلِ شرع ملحق
تو گر بیروں روی زیں ہر سہ یک گام — بر افتادی ز راہِ دینِ اسلام

یہی تینوں ہیں بس اصل شریعت - کتاب و سنت و اجماع امت - قیاس راسخون العلم بر حق - انہیں تینوں سے ہے بے شبہ ملحق - تو گر ان سے قدم باہر رکھے گا - تو راہِ دین سے باہر گرے گا -

تو مرید جب پیر میں یہ تینوں شرطیں پائے اس کا مرید ہو جائے کہ جائز اور مستحسن ہے اور اگر پیر میں ان تینوں شرطوں میں سے ایک بھی کم ہو تو اس سے بیعت جائز نہیں - اور اگر کسی نے غلطی سے اس سے بیعت کر لی ہے تو اس پر ضروری ہے کہ اس بیعت کو توڑ دے - (اور طریقت کی طرف آئیں تو) طریقت میں پیری کی شرطیں بہت زیادہ ہیں اُن میں سے بعض ہم لکھتے ہیں - پہلی شرط اکل حلال ہے - پیر کو اکلِ حلال میں احتیاط کلی برتنا چاہیئے - ہرگز ہرگز کوئی ایسا لقمہ جو غیر حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو یا مشتبہ ہو اُس کے پاس نہ پھٹکے اس لیے کہ کُلُّ لحمٍ نبتَ منَ الحرامِ فالنارُ اَولٰی بہ - ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوا دوزخ ہی کے لیے مناسب ہے - دوسری شرط صدق مقال سچا بول ہے ، پیر کو چاہیئے کہ ہرگز جھوٹ غیبت اور فحش زبان پر نہ لائے کہ سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے - بیت

از کجی اُمتی بکم و کاستی ۔۔۔۔۔ واز ہمہ درستی اگر راستی

راستی آور کہ شوی رستگار ۔۔۔۔۔ راستی از تو ظفر از کردگار

کجروی کی بدولت تو بلاکم و کاست گر پڑے گا اور اگر تو سچا ہے تو سب باتوں میں ٹھیک ہے - راستی اختیار کر کہ تجھے چھٹکارا ملے تیری طرف سے راستی، اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح مندی ہے -

تیسری شرط دنیا کی حرص ، اس کی لذتیں ، اس کی خواہش ترک کر دینا اور مخلوق کے اس کی جانب رجوع اور قبولیت پر کوئی توجہ نہ دینا ہے - اگر مالدار اور تمام دنیا دار اس کی طرف رجوع کریں تو پیر پر واجب ہے کہ کسی رغبت اور دل کا میلان اُس سے ظاہر نہ ہو - اور ان کے مابین قبولیت کی وجہ سے پیر میں کوئی

غرور اور گھمنڈ نہ اس کے ظاہر میں آنے پائے اور نہ باطن میں۔

چوتھی شرط مال کا نہ جمع کرنا ہے۔ اگر اسے کثرت سے فتوحات اور نذرانے میسر ہوں تو چاہیئے کہ (ان سے حاصل شدہ سب مال) راہِ خدا میں خرچ کر دے۔ انہیں سمیٹ کر نہ رکھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بیت

بر وفائے زمانہ کیسہ مدوز بگزرانش بخرج روز بروز

یعنی زمانے کی وفا سے تھیلی کو نہ سی بلکہ اس کے مصارف میں برابر خرچ کرتا رہ۔ ہاں اگر متواتر مال نہ آتا ہو اور دوسری جگہ سے (کبھی کبھی) مال کثیر مل جاتا ہو۔ اس حالت میں اگر اہل وعیال کے، نفقہ کی طرف سے دلجمعی اور عبادت کے لیے فراغتِ قلبی کی نیت سے مال کو حفاظت سے رکھے تو جائز ہے۔

پانچویں شرط اچھی خصلتیں اور مخلوق کی خیر خواہی ہے۔ پیر کو چاہیئے کہ مخلوق کو ایذا رسانی اور رنج دہی سے دُور رہے اور ترش رو اور بداخلاق نہ بنے اس لیے کہ جو شخص لوگوں کو آزار پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے بیزار رہتا ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو عزت کی نظر سے کبھی نہ دیکھے اور خود بینی اور خود نُمائی کی صفت کو، صدق اور اخلاص کے مقام پر اتار دے (یعنی ان کی بجائے صدق واخلاص حاصل کرے) بیت

اگر خواہی کہ گردی بندۂ خاص مہیّا شو برائے صدق واخلاص

اگر تو چاہتا ہے کہ خدا کا خاص بندہ بن جائے تو اپنے آپ کو صدق واخلاص پر آمادہ کر لے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید بنانے پر حریص نہ ہو اگر کوئی شخص سچے دل سے اس کی طرف رجوع لائے اُسے بیعت کرے ورنہ فراغ خاطری سے خدائے برتر کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے عزیز وقت کو کہ عمر کی پونجی ہے برباد نہ کرے تمام انبیائے کرام علیہم السلام جن کو صرف خدا کی طرف بلانے اور ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا اُن میں سے بعض کی امت میں صرف ایک ہی شخص تھا اور بعض

کی اُمت میں ایک بھی نہیں تھا۔

آٹھویں شرط مخلوق کی زیادتیوں کو برداشت کرنا اور لوگوں سے جو تکلیف پہنچے اس پر صابر رہنا ہے اس لیے کہ درویشوں کا خرقہ، رضائے الٰہی کا جامہ ہے تو جو شخص اس خرقہ کو پاکر اپنی نامرادیوں کو برداشت نہ کرے وہ محض فقر کا مدعی ہے اور خرقہ اس پر حرام۔

نویں شرط گناہوں اور نافرمانیوں کو یکسر چھوڑ دینا ہے۔ پیر کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے فرمان کو بجالانا اور اس کی نافرمانیوں سے پرہیز کرنا اپنے اوپر نہایت اہتمام سے لازم کرے۔

دسویں شرط یہ ہے کہ کشف اور کرامتوں کا متوالا نہ ہو بلکہ استقامت کا شیدائی ہو اس لیے کہ خلافِ عادت امور اور کشف تو بے دینوں سے بھی ظاہر ہوجاتا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ حق پر ثابت قدم رہنا، کرامت سے بڑھ کر ہے۔ **مثنوی**

ما براہِ استقامت می رویم　　نَے پئے کشف و کرامت می رویم
ہر کہ او از کشفِ خود گوید سخن　　کشف او را، کفش کن بر سر بزن
وانکہ دارد از کرامتہاش لاف　　چوں سگی باشد کہ گوید عاف عاف
ور شد از نیکی بعالم شہرۂ　　آں بخوش رنگی بود خر مہرۂ

ہم استقامت کی راہ پر چلتے ہیں۔ کشف و کرامت کے پیچھے نہیں دوڑتے جو شخص اپنی اٹکل سے کوئی بات کہے تو اس کی اٹکل کو جوتا بنا کر اُس کے سر پر مار دو اور جو شخص اپنی کرامتوں پر شیخی بگھارتا ہو تو (سمجھ لو کہ) وہ کتے کی طرح بھوں بھوں کرتا ہے۔ اور اگر نیکی کی وجہ سے عالم میں اُس کا شہرہ ہوگیا ہے تو وہ اپنی خوشنمائی کی بنا پر خرمہرہ ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ پہلی تین شرطیں ان دس شرطوں میں داخل ہیں۔ البتہ پیری کی شرطیں بے شمار ہیں۔ صرف دس ہی شرطیں جن کو ہم نے بیان کیا ان میں انحصار نہیں ہے۔

تو اب طالبِ صادق، پیر کو جب ان شرطوں سے موصوف پائے تو اُس کے ساتھ اپنی انابت کا پیوند، اُس کے ساتھ سچی عقیدت اور حُسنِ اعتقاد سے ملا دے۔ مرید کی سچی عقیدت اور حُسنِ اعتقاد جس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے کام دُنیا اور دین میں اتنے ہی بنتے رہتے ہیں اس لیے کہ پیر پرست خدا پرست ہوتا ہے۔

پیرانِ طریقت نے ثبوتِ بیعت اور اس دینی اخوت کے لیے دو نشانیاں مقرر کی ہیں۔ ایک تو کاغذ ہی جس پر وہ اپنے پیروں کے نام لکھتے ہیں اور اس کو شجرہ کہتے ہیں اس لیے کہ شاخ در شاخ ہونے میں درخت سے مناسبت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی تھی۔ اذیبایعونک تحتَ الشجرۃ۔ اسی طرح مریدوں کی اپنے پیروں کے ساتھ بیعت اس درخت کے نیچے واقع ہوتی ہے اس کو لکھ کر مریدوں کو دے دیتے ہیں۔ دوسری علامت ٹوپی ہے۔ مخدوم شیخ فرید گنج شکر قدس اللہ روحہ کے ملفوظات میں ہے کہ کلاہ اصل میں حضرت حق جلّ و علا کی جانب سے ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے چار ٹوپیاں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یک ترکی۔ دو ترکی۔ سہ ترکی۔ چہار ترکی (ایک گوشہ، دو گوشہ، تین گوشہ، اور چار گوشہ والی) اور عرض کیا کہ فرمانِ باری یہ ہے کہ آپ یہ چاروں ٹوپیاں سرِ مبارک پر رکھیں، پھر جسے چاہیں عطا فرما دیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ چاروں ٹوپیاں سرِ اقدس پر رکھیں۔ اس کے بعد کلاہ یک ترکی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو دو۔ اور کلاہِ دو ترکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پہ رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو بخش دو اور کلاہِ سہ ترکی حضرت عثمان کے سر پہ رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو سونپ دو اور کلاہِ چہار ترکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے اس کے لائق دیکھو اور جو اس کا حق ادا کر سکے اُسے عطا کر دو۔ مجھے یہ فرمان تھا کہ کلاہِ چار ترکی تمہیں پہناؤں۔"

کلاہ کو انابت اور بیعت کی علامت اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ سر کا لباس ہے اور سر تمام اعضا اور جوارح سے افضل اور اشرف۔ عقل کا مسکن، اور حواسِ خمسہ و باطنی کا مقام ہے۔ علاوہ ازیں حواس ظاہری میں سے زبان کہ کلام کی جگہ ہے۔ اور مُنہ کو کہ پینے اور کھانے کی جگہ ہے اور چہرہ کو خواص اور عوام کی نظریں اُس پر پڑتی ہیں، سب سر میں داخل ہیں گویا کہ تنہا سر ہی تمام انسان ہے۔ پھر اُس کا لباس بھی مختصر ہے اس لیے کہ ایک گز کپڑے میں متعدد ٹوپیاں تیار ہو سکتی ہیں اسی وجہ سے کلاہ کو بیعت کی علامت قرار دیا ہے اور بیعت کے وقت اپنے سر سے اتار کر مُرید کے سر پر رکھ دیتے ہیں تاکہ یہ دلیل ہو اس پر کہ مرید اس برادری میں پیر سے بالکل مل گیا اور اس نے بیعت کو بسر و چشم قبول کر لیا اور سرتابی سے توبہ کر لی اور روگردانی سے پناہ پائی۔

کہتے ہیں کہ ایک دیندار کا غربت میں انتقال ہو گیا، اُن کا سر ہلتا تھا اور قرار نہ پکڑتا تا۔ لوگوں نے اُن کو وطن کی جانب روانہ کر دیا۔ جس منزل و مقام پر پہنچتے وہاں کے علماء اور مشائخ سے سر کے ہلنے کا راز پوچھتے مگر شافی جواب نہ پاتے یہاں تک کہ لکھنؤ جا پہنچے اور حضرت مخدوم شیخ مِینا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر آئے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ مخدوم نے فرمایا کہ یہ کسی کے مرید نہیں ہیں ایک کلاہ اور شجرہ منگوایا اور فرمایا کہ یہ ٹوپی ان کے سر پر اور شجرہ اُن کے سینے پر رکھ دیں۔ جونہی لوگوں نے یہ کیا سر کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ اور سب کو یہ راز معلوم ہو گیا کہ اگرچہ بظاہر اُن کا سر ہل رہا تھا لیکن جنبش باطنی تمام سروں میں ہے کہ پیر کی کلاہ کے بغیر اُن کو آرام میسّر نہیں آ سکتا۔

علاوہ بریں بیعت کے وقت یہ بھی ہوتا ہے کہ مرید کے سر سے دو تین بال دائیں جانب سے اور دو تین بال بائیں طرف کے قینچی سے کاٹ لیتے ہیں اور ان میں گرہ دے دیتے ہیں اس لیے کہ کل قیامت کے روز جب رواں، رواں بندہ کے اعمال پر گواہی دے تو یہ بال سچی بیعت پر گواہی دیں۔ اور ان بالوں

میں گرہ دے دینا گواہی ہیں ان کے الفاظ اور معانی کا ایک کرنا مقصود ہوتا ہے۔
البتہ عورتوں کے سروں سے یہ بال نہیں کاٹتے۔ دامنی اور شجرہ پر اکتفا کرتے ہیں اس لیے کہ قینچی چلانا بالوں کے کتروانے اور مونڈھنے کی جانب اشارہ ہے اور یہ دونوں چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ ایسے ہی بیعت کے وقت عورتوں کا ہاتھ بھی ہاتھ میں نہیں لیتے لیکن اگر وہ پیر کے سامنے آجائیں اور کلمۂ استغفار پیر کے روبرو کہیں تو جائز ہے۔
مقراض کے بارے میں تابعین اور سلف کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مقراض لکڑی کی بنائی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مقراض سنگ سفید سے تراشی جائے۔ بعض کہتے ہیں لوہے سے بنائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تانبے کی بنائی جاتی ہے۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سب طبقہ والوں اور تمام شہروں کے تابعین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ قینچی لوہے اور تانبے سے بنائی جاوے اور حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرید اس وقت تک مرید نہیں ہو سکتا جب تک اس کا مرشد اس کے سر کے بال نہ لے۔ اور قینچی کا مسئلہ اہل طبقات میں مختلف رہا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ اس کا واقعہ وہ ہے جو حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک روز حضرت شیث علیہ السلام کو دیکھا انہیں بلایا اور فرمایا اے جانِ پدر تمہیں کون سا کام پسند ہے۔ جواب دیا کہ ”گھر میں گوشہ نشینی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے غیر سے پرہیز۔“ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے معاملہ میں کچھ تردّد فرمایا۔ کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر آئے اور کہنے لگے کہ اے آدم (علیہ السلام) حضرت شیث صوفی ہیں چنانچہ حضرت شیث سے تصوّف ظاہر بھی ہوا۔ آپ نے ایک قینچی لی اور جو شخص ان کی بیعت میں داخل ہوتا، اُس کی پیشانی کے تین چار بال اُس قینچی سے کاٹ لیتے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہل

تصوّف ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور قینچی کا استعمال انہیں کی سُنت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہلِ تصوّف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور مقراض انہیں کا طریقہ ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ مقراض کی کیفیت، تابعین اور اہلِ طبقات میں دُشوار ہو گئی یہاں تک کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص احکام مقراض کا عالم نہ ہو وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے لوگ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر بغداد شریف کی مسجد میں بہت سے بزرگانِ زمانہ جمع ہوئے۔ اور بیعت، خرقہ اور مقراض کے متعلق بات چھڑ گئی کہ مقراض کہاں سے ثابت ہے اور خرقہ کس سے مروی ہے تمام لوگ اس معاملہ میں غور و فکر کرنے لگے۔ وہ سب اس بارے میں حیرت زدہ تھے۔ آخر کار حضرت خواجہ عبداللہ تستری نے فرمایا کہ خرقہ پہنانا تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ثابت ہے اور مقراض کا عمل بھی انہیں سے مروی ہے ابھی لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک ہاتفِ غیبی نے ندا دی کہ خرقہ ربّ تبارک و تعالیٰ کی سنت ہے اور مقراض حضرت شیث علیہ السلام کی''۔

اب یہ جو مشہور ہے کہ خرقہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے وہ یوں ہے کہ آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے گوپھن میں رکھ کر پھینکا اور وہ خرقہ جنت کا تھا۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ مقراض کسی ایسے شخص کو حلال نہیں جو تھیلی میں ایک درم بھی بچا بچا کر رکھے۔ اور مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ شریر اور اُن کا گمراہ کرنے والا وہ ہے جو دنیا کا بھی مرید ہو اور مقراض بھی اختیار کرے۔ سوال کیا گیا کہ صاحبِ دنیا کون ہے؟۔ فرمایا جو دنیا کی ضرورت سے زیادہ طلب کرے''۔ لیکن حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے بھی مقراض استعمال فرمائی ہے اور بالوں کے تین تار تراشے ہیں۔ لہٰذا آپ کی سنت کا خیال رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اچھا ہے۔ مقراض سے

بال کاٹنے کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح قول پیشانی کے بال لینا ہے۔ تو چاہیئے یہ کہ سب سے پہلے پیشانی کا ایک بال قینچی سے لیا جائے اس کے بعد ایک پیشانی کی دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے ۔ حضرت مخدوم شیخ مینا قدس سرہ کی بیعت میں داخل ہونے والا، سر منڈائے ہوتا، تب بھی آپ اُس کے سر پر قینچی چلا دیتے ۔ الغرض مقراض اسرار الٰہی جلّت قدرتہٗ میں سے ایک راز ہے جس پر کسی شخص کو یقینی اطلاع نہ ہوئی اگرچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قینچی کا چلانا دوسرے علاقوں کے توڑنے کے لیے جو بندہ اور مولیٰ کے درمیان میں ہوں ۔ لہٰذا ہر شخص کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی کا ہاتھ پکڑ لے۔

نظم مؤلف۔

ما از جناب پیر کلاہے گرفتہ ایم — وز شرّ ہر دو کون پناہے گرفتہ ایم
ماراست زیں کلاہ، کلہ گوشہ بر فلک — زیں تاجِ فقر، شوکت شاہی گرفتہ ایم
الحق یکی ست پیر پرست و خدا پرست — انکار ایں عقیدہ، گناہی گرفتہ ایم
مائیم و آستانِ پیر و سرِ نیاز — زیں مکنت و وجاہت جایے گرفتہ ایم
مارا بس ست پیر خدا و رسول را — بر صدق ایں مقال گواہے گرفتہ ایم

ہم نے اپنے پیر سے کلاہ پا کر دونوں جہان کی آفت سے پناہ حاصل کر لی ہے اس کلاہ کی بدولت ہمارا طرّہ آسمان پر ہے ۔ ہم نے فقر سے تاجِ شاہی کی شوکت پائی ہے ۔ حق تو یہ ہے کہ پیر پرست اور خدا پرست ایک ہی ہے ۔ ہم اس عقیدہ کا انکار گناہ سمجھتے ہیں ۔ ہم ہیں، پیر کا آستانہ اور ہمارا سرِ نیاز ۔ ہم نے اس مقام و وجاہت کے طفیل، شوکت کا مقام حاصل کیا ہے ۔ ہم کو خدا اور رسول تک پہنچانے کے لیے پیر ہی کافی ہے ۔ ہم نے اس سچی بات پر گواہ بھی مہیا کر لیے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مرید کی دو قسمیں ہیں ۔ رسمی اور حقیقی ۔ رسمی مرید تو وہ ہے جو ایسے شخص سے کلاہ اور شجرہ حاصل کر لے جو پیری کے لائق ہو اور اُس کا دل سے معتقد ہو کر جو کچھ پیر فرمائے اس پر ثابت قدم رہے اور جس سے منع کرے اُس سے

باز رہے۔ اور حقیقی مرید وہ ہے کہ اس کا ظاہر اور باطن پیر کے ظاہر اور باطن کے مطابق ہو اور اس کے تمام حرکات و سکنات پیر کے حرکات اور سکنات کے موافق ہوں۔ اس کی راہ اور روش کے مخالف کوئی قدم نہ اٹھائے۔ اُس کے خلاف ایک سانس بھی نہ لے۔ اور پیر کو چاہیئے کہ جب مرید میں معاملہ کی صفائی دیکھے اس کا حلق کرائے اور اُسے خرقہ پہنا دے۔ اسے ذکر اور مراقبہ کی تلقین کرے اور خلوت میں بٹھا کر مجاہدہ اور ریاضت کی تعلیم دے اور آہستہ آہستہ اُسے اپنا جیسا بنا لے۔

اب ہم سر منڈانے، خرقہ پہنانے اور ذکر اور مراقبہ کرانے اور خلوت نشین کرنے کا، جداگانہ لیکن مختصر بیان کرتے ہیں۔

حلق

قطعہ

بمردِ صوفی گفتم، چرا تراشی سر | جواب داد کہ ایں امتحانِ اہلِ صفاست
تو خود بگوئی کہ از سرِ حکم نہ برخیزد | کسے کہ از سرِ مو، برنمی تواند خاست

میں نے ایک صوفی مرد سے کہا کہ اپنا سر کیوں منڈاتے ہو جواب دیا کہ یہ اہلِ صفا کا امتحان ہے۔ تو ہی بتا کہ سر کے کل وہ کس طرح فرمانبرداری کے لیے تیار ہو سکتا ہے جو اپنے سر کے بالوں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ ہدایۃ السعداء میں تشریح سے یہ نقل فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین اور دوسرے تمام صحابہ ہمیشہ سر منڈاتے رہے اور ایسے ہی تمام آئمہ۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور تمام طبقات کے مشائخ رضی اللہ عنہم کے سر منڈے ہوئے تھے تو ان کی سیرت کا پیرو بننا ہی بہتر اور اچھا ہے۔ جامع نصرت میں فرمایا کہ مومن کا جمال سر منڈانا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی سر منڈے ہوئے شخص کو موت کی تلخی، قبر کا عذاب اور قیامت کا خوف نہ ہو گا۔ اور ایسے شخص کو انبیاء کرام کے ساتھ قبر سے اٹھایا جائے گا اور رسولوں کے پاس اُسے جگہ دی جائے گی اور اُس کے سر سے جتنے بال جدا ہوں گے ہر بال کے

عوض میں ایک فرشتہ پیدا کیا جائے گا اور وہ قیامت تک اس کیلیے استغفار کرتا رہیگا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الٰہی سر منڈانے والوں کو بخش دے۔ عرض کیا یارسول اللہ بال کترنے والوں کو بھی۔ پھر آپ نے فرمایا" الٰہی سر منڈانے والوں کی بخشش فرما۔" صحابہ نے پھر عرض کیا یارسول اللہ بال کترنے والوں کی بھی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا" الٰہی سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ بال کترنے والوں کی بھی۔ "آپ نے فرمایا اور بال کترنے والوں کی بھی (مغفرت فرمادے)۔ مؤلف کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ وضو میں سر کا مسح فرض ہے نہ کہ بالوں کا۔ اگرچہ سر کے بالوں پر مسح کرنے سے کامل مسح ہوجاتا ہے لیکن حقیقتِ مسح نہیں پائی جاتی مگر سر کے منڈانے میں۔ اسی وجہ سے مولیٰ علی سے مروی ہے کہ آپ روزانہ سر منڈایا کرتے۔

خرقہ پوشی پیر کو چاہیئے کہ اپنے سچے مریدوں کو محض بخلوصِ نیت اور مخلصاً للہ خرقہ پہنا دے۔ نہ اس سے مشیخیت کی دُکان کی رونق مقصود ہو اور نہ کسی قسم کی ناموری اور شہرت مدِ نظر۔ والعیاذ باللہ تعالےٰ۔ اور طالب اگر مبتدی ہو اور طلب کے کمال تک نہ پہنچا ہو اُسے بھی خرقہ پہننا ناجائز ہے۔ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک روز ایک مرید حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ کے پاس حاضر ہوا اور خرقہ طلب کیا۔ شیخ نے اُسے میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے اس سے خرقہ کے حقوق اور شرطیں بیان کیں۔ وہ مریدان حقوق اور شرائط کو سُن کر تھر تھرا گیا اور بغیر خرقہ پہنے واپس چلا گیا۔ حضرت امام غزالی نے مجھے یاد فرمایا اور مجھ پر بڑا اعتاب ظاہر کیا کہ میں نے تو اُسے تمہارے پاس اس لیئے روانہ کیا تھا کہ تم اس سے کوئی ایسی بات بیان کردینا جس سے اس کی رغبت اور زیادہ ہو۔ تم نے ایسی بات کہہ دی کہ جو رغبت اُسے تھی وہ بھی جاتی رہی۔ حالانکہ جو تم نے کہا وہ صحیح تھا لیکن اگر ہم یہ تمام باتیں مبتدی پر لازم کردیں تو بھاگ اُٹھے گا۔

اور اُس کی بجاآوری اُس سے ہو ہی نہ سکے گی۔ ہم تو خرقہ اس لیے پہناتے ہیں کہ یہ شخص اس قوم مشائخ کے ساتھ مل جُل جائے اور پھر ان حضرات کے ساتھ ملنا جلنا اُن کے افعال پہ نظر رکھنا اور اُن کے احوال کو دیکھنا بھالنا، اس میں پورا پُورا اثر کرے۔ اور یہ بھی انہیں جیسے عمل کرنے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی انہیں میں سے فرما دے۔

اور مرید جب حلق کے سکّے اور خرقے کو پیر اور مُرشد کی مہربانی سے حاصل کرلے تو چاہیئے کہ اس سکہ کو دنیا و آخرت کی دولت اور دونوں جہان کی سعادت جانے۔ اور فضول فکریں اور وسوسے اپنے دل میں نہ آنے دے اور اس کو چہ سے منہ نہ پھیرے۔ یعنی یہ خیال نہ کرے کہ فلاں حضرت نے جو مجھے خرقہ پہنایا یہ اُن کا کرم ہے ورنہ مجھ میں اس کی لیاقت کہاں۔ اور اُس کی وجہ سے اپنے سر پہ باقی بال رکھے اور خرقہ کو تبرک سمجھ کر محفوظ کرلے اور خود کوئی دُوسرا لباس پہنے۔ برادرِ من! مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ "جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہو جاتا ہے"۔ یہ کوئی تھوڑی دولت نہیں۔ اور وَهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ "یہ وہ قوم ہے جس کا ہم نشیں محروم نہیں ہوتا"۔ کچھ کم سعادت نہیں۔ اگرچہ خود میں اس کی لیاقت نہ سمجھنا بھی کمال سعادت، فکرِ صحیح اور خیریت اور فتح مندی کے دروازے کی کنجی ہے لیکن اس سکّہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ بیت

تو تصرّف ہائے خود، بر دستِ پیراں واگذار
مردہ را در دستِ زندہ، کے بود ہیچ اختیار

تو اپنے تصرفات کو پیروں کے ہاتھ پہ چھوڑ دے اس لیے کہ جو مُردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اُسے اختیار ہی کب ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے حسین منصور سے کہا کہ وہ وقت کب آئے گا جب آپ خشک لکڑی کو سُرخ کریں گے۔ جواب دیا

کہ جس روز میں چوب کو سُرخ کروں گا تمہیں اس مشیخیت کے لباس سے علحدہ کر دوں گا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اہل معرفت کے نزدیک نیکوں کے کوچے سے نکلنا، پھانسی سے زیادہ دشوار بلکہ آگ سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

ذکر و مراقبہ خواجگان چشت قدّست اسرارہم کا اس پہ اجماع ہے کہ طالب صادق کے لیے ایک ذکر اور ایک فکر کافی ہے اور وہ ذکر کلمہ لا الہ الا اللہ ہے کہ تمام ذکر اس کلمہ میں داخل ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو حاظر و ناظر جانے اور اعضاء کی حرکتوں اور دل کی باتوں پر مطلع رہے۔ آئمہ طریقت اور سادات حقیقت کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ خدائے تعالےٰ کے راستوں میں سے سب سے قریب کا راستہ دکھا دیجئے۔ ارشاد فرمایا علی ہمیشہ ذکرِ خدا کرتے رہو۔ عرض کیا کس طرح؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کر دو اور مجھ سے سنو۔ اس کے بعد حضور نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے سُنا۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے تین بار ذکر کیا اور حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو سُنا۔

پھر علی مرتضےٰ نے تعلیم فرمایا یہ ذکر، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ کو اور اُن سے حضرت خواجہ عبد الواحد زید کو پہنچا۔ اور اُن سے خواجہ فضیل کو۔ اُن سے خواجہ ابراہیم ادھم بلخی کو، اُن سے خواجہ حُذیفہ مرعشی کو، اُن سے خواجہ ہُبیرہ بصری کو، اُن سے خواجہ علو دینوری کو، اُن سے خواجہ ابو اسحٰق شامی کو، اُن سے خواجہ قدوۃ الدین ابو احمد فرشانہ کو، اُن سے خواجہ ناصر الدین محمد ابو اسحٰق چشتی کو، اُن سے خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کو، اُن سے حضرت خواجہ قطب الدین مودود یوسف چشتی کو، اُن سے خواجہ حاجی شریف زندنی کو، اُن سے خواجہ عثمان ہارونی کو، اُن سے حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن سنجری کو، اُن سے خواجہ قطب الحق والدین بختیار اوشی کو، اُن سے خواجہ فرید الحق والدین مسعود سلیمان اجودھنی کو، اور

اُن سے حضرت خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی کو، اُن سے خواجہ نصیر الحق والدین محمود بن یوسف رشید اَوَدہی کو اور اُن سے مخدوم جہانیاں کو پہنچا جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو دوسری اور جگہوں سے بھی پہنچا تھا، پھر اُن سے میر سیّد راجو قتال کو اور اُن سے مخدوم شیخ سارنگ کو پہنچا۔ جب کہ مخدوم شیخ سارنگ کو تلقینِ ذکر مخدوم شیخ یوسف ایرچی سے بھی پہنچا تھا اور مخدوم شیخ یوسف نے بندگی مخدوم جہانیاں سیّد جلال سے حاصل کیا تھا۔ نیز مخدوم شیخ سارنگ نے تلقینِ ذکر مخدوم شیخ قیام الدین سے بھی پایا تھا۔ اور مخدوم شیخ قیام الدین مخدوم شیخ میناؒ کے چچا اور مخدوم شیخ نصیر الدین محمود اودہی کے مرید تھے، اور مخدوم جہانیاں سے انہیں خلافت حاصل تھی۔ مخدوم شیخ سارنگ سے یہ ذکر مخدوم شیخ مینا کو پہنچا، اور اُن سے مخدوم شیخ سعد بدہن کو، اُن سے مخدوم شیخ عبد الصمد کو جو شیخ صفی مشہور ہیں، اور اُن سے مخدوم شیخ حسین محمد بنی اسرائیل کو، اور اُن سے اس فقیر مؤلف کو پہنچا۔ اس ذکر کے فوائد و آثار انشاء اللہ تعالیٰ ہم لکھیں گے۔

اب رہی خلوت تو وہ چالیس روز سے کم نہیں ہونا چاہیئے اس لیے کہ چالیس دن (چلّے) میں بڑی تاثیر ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس روز خمیر کیا گیا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَربَعِیْنَ صَبَاحاً ظَھَرَتْ یَنَابِیعُ الحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ۔ جس نے چالیس صُبحیں اللہ تعالےٰ کے لیے خالص کر دیں حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر بہنے لگیں گے۔

منقول ہے کہ خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی قدس سرہٗ نے شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ رُوحہ سے فرمایا کہ تم چلّہ چشتیانہ کھینچو۔ آپ نے بعض احباب سے دریافت کیا کہ چلہ چشتیانہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک دیوار کے پیچھے بلیٹھ رہو (یعنی دنیا سے کلیتہً منقطع ہو کر)

یاد رہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تمام سال میں پانچ چلّے مروی ہیں۔ ایک چلّہ سیدنا آدم اور عیسےٰ علیہما السلام کا جمادی الاخریٰ کی بائیس تاریخ سے لے کر ماہِ رجب کے ختم تک۔ ایک چلّہ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا بیس شعبان سے شب عید الفطر تک۔ ایک چلّہ سیّدنا یونس علیہ السلام کا ذی الحجہ کی پندرھویں سے محرم الحرام کی پچیس تک۔ ایک چلّہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا شب غرہ (یکم) ذی قعدہ سے لے کر شب عید الاضحےٰ تک۔ اور ایک چلّہ سیّدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیسویں رمضان سے آخر ماہِ شوال تک۔ چلّہ کشی کی جو شرطیں زیادہ اہم ہیں ان میں سے ایک بھی ترک کرنے سے مقصودِ کلّی حاصل نہیں ہوتا۔

مرید جب سیدھا پاؤں حجرۂ خلوت میں رکھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے اور پوری سورۃ والناس تین بار پڑھے۔ اس کے بعد بایاں پیر حجرہ میں رکھے اور یہ دُعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اَنتَ وَلِیّی فِی الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃِ کُن لِی کَمَا کُنتَ لِمُحَمَّدٍ عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَارزُقنِی مَحَبَّتَکَ ط اَللّٰھُمَّ ارزُقنِی حُبَّکَ فِی شَغَفِی وَاجذِبنِی بِجَلَالِکَ وَجَمَالِکَ۔ وَاجعَلنِی مِنَ المُخلِصِینَ ط اَللّٰھُمَّ امحُ نَفسِی بِجَذبَاتِ ذَاتِکَ یَا اَنِیسَ مَن لَّا اَنِیسَ لَہٗ رَبِّ لَا تَذَرنِی فَردًا وَّاَنتَ خَیرُ الوَارِثِینَ ط (الٰہی تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو میرے لیے ایسا رہ جیسا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور اپنی محبّت مجھے عطا فرما۔ الٰہی میرے پردۂ دل میں اپنی محبت ڈال۔ اور مجھے اپنے جلال و جمال سے اپنے مخلصین میں شامل فرما۔ الٰہی مجھے اپنے جذبات ذات سے میرا نفس محو کر دے۔ اے بے کسوں کے انیس۔ الٰہی مجھے تنہا نہ چھوڑ تو بہتر وارثوں میں ہے) اس کے بعد مصلّے پر کھڑا ہو اور مُنہ قبلہ کی طرف کرے اور ایک مرتبہ اِنّی وَجَّھتُ وَجھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ حَنِیفًا وَّمَا اَنَا مِنَ

الْمُشْرِکِیْنَ (میں نے اپنا چہرہ متوجہ کیا اُس ذات کی جانب ،جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا در انحالیکہ میں سب سے یک سو ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں) پڑھے - اس کے بعد دو رکعت نمازِ جلالت الٰہی کے لیے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سُورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسُول بِمَا اُنْزِلَ آخر سورۃ تک پڑھے - اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے اور یوں کہے - (الٰہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معاون - الٰہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنا دے اور مجھے اُس کام کی توفیق دے جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہے - الٰہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں - الٰہی مجھے بندگیٔ نفس سے دُور رکھ - الٰہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دے اور میرے دل کا زنگ دُور کر دے تاکہ میں لا الٰہ الا اللہ کا جمال دیکھ سکوں) اَللّٰھُمَّ کُنْ لِی اَنِیْسًا فِی خَلْوَتِی وَمُعِیْنًا فِی وحْدَتِی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِی خَلْوَتِی ھٰذِہٖ مُوْجِبَۃً لِمُشَاھَدَتِکَ وَوَفِّقْنِی فِیْہِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَاَسْئَلُکَ رِضَاکَ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِی اَنْ اَعْبُدَ الْھَوٰی - اَللّٰھُمَّ اَکْشِفِ الْغِطَاءَ عَنْ عَیْنِی وَارْفَعِ الْغَیْنَ عَنْ قَلْبِی حَتّٰی اُشَاھِدَ جَمَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس کے بعد ذکر نفی و اثبات میں خاص الخاص توجہ و ارادت سے مشغول ہو جائے - اور کبھی ذکر ذات میں ملاحظہ اور مفہوم کے ساتھ مصروف رہے کہ اس کا ایک لحظہ بھی ذکر نفی و اثبات سے خالی نہ رہے -

چلّہ کشی کے لیے آٹھ شرطیں ہیں - اوّل خلوت گاہ میں تنہا ہونا - قبلہ رُو پالتی مار کر بیٹھنا - ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھنا - مردہ کو غسل کی نیت کرتا - خلوت گاہ کو اپنی لحد تصور کرنا اور اس جگہ سے وضو کرنا اور نماز پڑھنے کے علاوہ باہر نہ نکلنا خلوت گاہ تاریک ہونا چاہیے - یہ بھی ہو کہ اس کے دروازے پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں

ذرا بھی روشنی نہ آسکے اور نہ کسی کی آواز پہنچ سکے کہ وہ آواز جو اس کو دوسری طرف مشغول کر دے دیکھنے سننے یا کہنے میں - اس لیے کہ جب یہ محسوسات میں مشغول ہو گا عالمِ غیب سے محروم رہے گا - اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو اور تمام اندیشے دل سے نکال دے تاکہ اللہ تعالیٰ سے جان و دل کے ساتھ مشغول ہو۔ مخلوق سے گھبرائے اور پوری طرح حق کی جانب متوجہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے اس لیے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبہ کی راہ ہے تاکہ وہ اس پر غالب نہ ہو۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ یذکرون اللہ قیاما وقعودا الایۃ (وہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر) اور یہ دوامِ ذکر کی جانب اشارہ ہے۔

چوتھی شرط اندیشوں کی نفی اور اُن کا دفع - چاہیئے کہ جو خطرہ دل میں آئے خواہ نیک یا بد اُسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے نفی کر دے - اس لیے کہ جس چیز کا نقش صفحہِ دل پر پڑتا ہے خواہ نیک یا بد، وہ صفائیِ قلب کو نقوشِ قلب کے قبول سے سدِّ راہ بن جاتا ہے اور جب تک صفحہِ دل ان شہوانی نقشوں سے پاک نہیں ہوتا وہ مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علمِ لدنی کے قابل نہیں ہوتا اور مکاشفاتِ روحانیہ کے انوار اور تجلیاتِ ربّانیہ کو قبول نہیں کرتا۔

پانچویں شرط ہمیشہ روزہ رکھنا ہے تو خلوت گزیں ہمیشہ روزہ دار رہے کہ روزہ تعلقاتِ بشریہؔ اور خواہشاتِ نفسانیہؔ کے دُور کرنے میں بڑا قوی اثر رکھتا ہے۔

چھٹی شرط ہمیشہ خاموش رہنا۔ تو چاہیئے کہ کسی سے بات نہ کرے مگر اپنے شیخ سے کشف واقع میں ضرورت کے مطابق - اور باقی پر من سکتَ سَلمہ وَمَن سَلمَ نجا (جو خاموش رہا سلامت رہا اور جو سلامت رہا اُس نے نجات پائی) پڑھے۔

ساتویں شرط اپنے دل کی توجہ شیخ کے دل سے ہمیشہ قائم رکھو تاکہ شیخ کے

دل سے کچھ التفات مرید کے دل میں پہنچتا رہے اس لیے کہ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَی الْقُلُوْبِ رَوْزَنَۃٌ۔ کہ دل سے دل کی راہ ہوتی ہے۔ اور مرید کے دل کو شیخ کے دل سے جس قدر تعلق ہوگا دل کا روزن بڑھتا جائے گا۔ اس لیے کہ مبتدی مرید اس عالمِ شہادت کا عادی ہے کہ اس کے روبرو بہت زیادہ پردے ہیں لہٰذا اس کی توجہ حضرتِ عزت پہ نہ ہو سکے گی ہاں شیخ کے دل کی طرف توجہ ہو تو آسانی سے راہ پاسکتا ہے کہ شیخ کا دل عالمِ غیب کا پروردہ اور حضرت عزت کی جانب متوجہ ہے۔ فضلِ الٰہی کے فیوض ہر دم شیخ کے دل میں پہونچتے رہتے ہیں اور شیخ کے دل سے مرید کے دل تک پہنچتے ہیں اسی طرح رفتہ رفتہ مرید، قبول فیضان کے لیے بے واسطہ استعداد پیدا کر لیتا ہے اور عالمِ غیب سے اسے واقفیت ہو جاتی ہے۔ شیخ کی توجہ کو ہمیشہ اس راہ کی دلیل اور رہبر جانے اور جب مرید کو کوئی آفت یا خوف پہنچے فوراً ولایتِ شیخ کی جانب رجوع کرے اور شیخ کے اندرونِ دل سے مدد چاہے تاکہ وہ آفت اور خوف، شیطانی ہو، یا نفسانی دُور ہو جاوے۔

آٹھویں شرط اللہ تعالےٰ سے شکایت اور اپنے شیخ پر اعتراض کا ترک کر دینا ہے۔ بایں معنیٰ کہ اسے جو کچھ غیب سے پہنچے تنگی و کشادگی، رنج و راحت، صحت و بیماری۔ کشائش و بستگی اس پر راضی رہے اور حق سے اعراض نہ کرے۔ اسی طرح شیخ کا جو قول اور فعل، حال یا مآل دیکھے اس پر کوئی اعتراض نہ کرے اور شیخ کے ظاہری و باطنی تصرفات کے تسلیم کر لینے میں مشغول رہے اور شیخ کے تمام احوال اور اقوال پہ نظر ارادت نہ ڈالے مبادا کہ طریقت کا مرتد ہو جائے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کی ولایت سے مردود ہو جاتا ہے تو کوئی شیخ اس کو مقام پر نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں وہ مرید صادق جس نے شیخ کی خدمت میں تربیت نہیں پائی اور کسی وجہ سے وہ اس سے باز نہ رہا اور اس وقت وہ دوسرے شیخ کی خدمت میں مصروف ہو اور عذر لائے تو اس شیخ کے تصرفات

اب اس میں ممکن ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شیخ اس کو منزل تک پہنچادیں مگر اس مرید کو یہ چاہیئے کہ جو برکت اور فیض اس پیر سے پائے وہ اپنے پیر کی قبولیت کے آثار سے جانے۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت سلطان المشائخ ایک چوڈولہ پہ سوار ہو کر تشریف لیے جارہے تھے۔ کہار کو ٹھوکر لگی اور وہ چوڈولہ اٹھانے کے قابل نہ رہا ایک قلندر بھی وہاں موجود تھے انہوں نے وہ چوڈولہ اُٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور ایک ہی کاندھے پہ آپ کو منزلِ مقصود پر پہنچا دیا۔ حضرت مخدوم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ایک قلندر ہے اور اُس نے جو خدمت کی تھی وہ بھی بیان کر دی۔ حضرت مخدوم نے اُن پہ نظرِ عنایت فرمائی۔ حضرت مخدوم کی نظرِ پاک کی برکت سے اس کی باطنی کدورت کا زنگ دُور ہوگیا اور تمام عالم علوی و سفلی اس پر منکشف ہوگیا۔ قلندر خوشی میں جھومنے لگا اور کہتا تھا کہ میرے پیر کا فیض مجھ پر پڑ گیا اور میرے پیر کی مدد نے میری دستگیری کی اور میرے پیر کی عنایت نے مجھے نوازا"۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ اے قلندر ہوش میں آ، یہ دولت اور نعمت جو تمہیں ملی ہے حضرت مخدوم سلطان المشائخ کی نگاہِ کرم کی بدولت ہے تیرا پیر یہاں کہاں؟۔ جواب دیا کہ اے دوستو اگر میرے پیر نے مجھے قبول نہ فرمایا ہوتا تو حضرت مخدوم یہ نظرِ عنایت بھی نہ فرماتے۔ لہٰذا جو فیض مجھے حضرت مخدوم نے بخشا میرے پیر کی قبولیت کے آثار سے ہے کہ پہلے انہوں نے مجھے قبول فرما لیا تھا اس کے بعد مخدوم نے قبول فرمایا۔ حضرت مخدوم کو یہ بات بہت پسند آئی اور ارشاد فرمایا کہ اے دوستو پیر پرستی اس قلندر سے سیکھو"۔ حضرت مخدوم شیخ سعد بدھن قدس اللہ روحہ نے شرح رسالہ مکیہ میں یہ قصہ اور ماجرا حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا کے نام لکھا ہے اور یہی صحیح ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلوت کی شرطیں بہت زیادہ ہیں۔ یہ آٹھ جو لکھی گئی ہیں بجد ضروری ہے۔

فصل مرید حقیقی صادق الارادت کو چاہیئے کہ مکارم اخلاق حاصل کرے اور مقامات و حالات پر مشق جاری رکھے۔ مکارم اخلاق یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ”کیا میں تمہیں اپنے سب سے زیادہ اور ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو قیامت کے روز مجھ سے قریب تر ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ ہاں یارسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں جو نرم عادات والے ہیں۔ جو الفت رکھتے اور الفت سکھاتے ہیں۔ اور مہربانی کرنا۔ محبّت برتنا، بہادری دکھانا، چشم پوشی کرنا، عیب کو چھپانا، دوسرے کی خطا سے درگزر کرنا، صبر کرنا، راضی رہنا، بشارت و بردباری، تواضع، خیر خواہی، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، کرم، جوانمردی، بذل جاہ، مروّت، دوستی، آہستگی، عفو، گناہ سے درگزر کرنا، سخاوت، جود و فا، حیا، تلطّف، کشادہ روئی، تمکین، وقار، دعا ثناء، حُسنِ ظن، فروتنی، بھائیوں کی توقیر، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں اور بوڑھوں پر رحم، جو دوسروں کو دے اُسے حقیر جاننا اور جو دوسروں سے ملے اُسے بڑا سمجھنا، اس کی عادتوں میں داخل ہو۔“

اہل تصوّف کا اخلاق یہ ہے وہ نہیں جو جھوٹے مدعی کہتے ہیں کہ انہوں نے طمع کا نام زیادت۔ بے ادبی اور گستاخی کا نام اخلاص اور حق سے نکلنے کا نام شطح رکھ لیا ہے۔ یعنی یہ اپنی زبان درازی اور بلیا کی سے وہ باتیں زبان سے نکالتے ہیں کہ وہ دین سے خروج کا سبب ہوتی ہیں۔ یہی لوگ اتباع خواہش کو ابتلا، بدخلقی کو رعب و دبدبہ اور حکّام سے قربت کو مسلمانوں کے لیے شفاعت کا نام دیتے اور بخل کو دانائی سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور مقامات سلوک کا بیان یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادتوں میں خداوند تعالیٰ کے روبرو قیام کرے۔ سب سے پہلا مقام انتباہ ہے اور وہ خواب غفلت سے بیدار ہونے کا نام ہے۔ اس کے بعد توبہ ہے اور وہ خدائے تعالےٰ کی

جانب رجوع کرنے، اپنے گناہوں اور معصیت کو ترک کرنے اور ہمیشہ نادم ہونے کا نام ہے اور بکثرت استغفار کے بعد انابت ہے اور وہ غفلت سے باز رہ کر ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ توبہ حق سے ڈرنا اور انابت اس کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اس کے بعد ورع ہے اور وہ اس چیز کا ترک کر دینا ہے جس کے حلال ہونے میں کچھ شبہ ہو۔ اس کے بعد نفس کا محاسبہ ہے اور وہ نفس کی خیر خواہی ہے نفع و نقصان میں، زیادتی اور کمی میں۔ اس کے بعد ارادت ہے اور وہ راحت ترک کر کے اطاعت اور عبادت میں مسلسل کوشش کا نام ہے۔ اس کے بعد زہد ہے یعنی دنیا کی حلال چیزوں کا ترک کر دینا اس سے باز رہنا اور اس کی خواہشیں چھوڑ دینا۔ اس کے بعد فقر ہے اور وہ تمام چیزوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور دل کو ہر اس چیز سے باز رکھنا ہے جو بدست نہ ہو۔ اس کے بعد صدق ہے اور وہ ظاہر و باطن میں یکسانیت ہے۔ اس کے بعد تصبّر ہے یعنی نفس کو سختیاں برداشت کرنے اور کڑوے گھونٹ پینے کا عادی بنانا ہے۔ اس کے بعد رضا یعنی بلا سے لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد اخلاص ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے ساتھ اپنے معاملات میں سے مخلوق کو نکال دینا۔ اس کے بعد خدائے تعالےٰ پر توکل ہے اور وہ رزاق مطلق حق سبحانہٗ پر بھروسہ کرنا اور دوسروں سے کوئی طمع نہ کرنے کا نام ہے۔

اب رہے احوال۔ تو وہ نام ہے دل کے معاملات کا۔ جو صفائے اذکار سے اس پر نازل ہوتے ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ حال دل پر نازل ہونے والا وہ حادثہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہتا۔ انہیں (معاملات) میں سے ایک مراقبہ ہے یعنی صفائے یقین سے مُغیبات پر نظر کرنا۔ اس کے بعد قرب ہے اور وہ اپنے ارادوں کو اس کے ماسوا کی طرف سے سمیٹ کر حق تعالیٰ کی جانب جمع کرنا ہے۔ اس کے بعد محبت ہے اور وہ اپنے محبوب کے ساتھ

اس کی پسندیدہ اور غیر پسندیدہ چیزوں میں موافقت کرنا ہے ۔ اس کے بعد رجا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق ۔ اس کے بعد خوف ہے یعنی دلوں کی نگرانی رب تعالیٰ کی سخت گرفت اور عذاب کے مدِ نظر ۔ اس کے بعد حیا ہے یعنی دل کو کشادگی سے سمیٹ لینا ۔ اس کے بعد شوق ہے یعنی محبوب کا ذکر سن کر وجد میں آجانا ۔ اس کے بعد اُنس ہے یعنی اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سکون اور فروتنی ہے ۔ اس کے بعد طمانیت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی راہوں میں پُرسکون رہنے کا نام ہے ۔ اس کے بعد یقین ہے یعنی ایسی تصدیق ۔ کہ اس کے ساتھ شک کا شائبہ نہ رہے ۔ اس کے بعد مشاہدہ ہے اور وہ رویت یقینی اور رویت عینی میں فرق کرنا ہے ۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ۔ اُعبُدِ اللہ کانّک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہٗ یراک ۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو ۔ اگر یہ نہ ہو تو (کم از کم یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں ملاحظہ فرما رہا ہے "۔

یہ درجہ احوال کا آخری درجہ ہے ۔ لہٰذا مرید صادق کو چاہیئے کہ ان ذکر شدہ امور میں سعی و مشق جاری رکھے تاکہ اُس کو تمام اخلاق، حالات اور مقامات رفتہ رفتہ حاصل ہوتے رہیں اور وہ حقیقتاً مرید بن جائے ۔ اس کے بعد وہ خوشبوئیں وہ تجلیاں اور وہ عطائیں ہیں جو لکھنے میں نہیں آسکتی ہیں ۔ وان تعدّوا نعمۃَ اللہ لا تحصوھا ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اگر تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے ۔

اور یہ اخلاق مقامات احوال اور کشف علویات و سفلیات اکثر پیران طریقت کو بیعت سے پہلے ہی حاصل ہو جاتے ہیں ۔ منقول ہے کہ مخدوم شیخ فرید گنج شکر مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا اور مخدوم شیخ نجم الدین کبریٰ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم بیعت کی نیت سے مخدوم شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت مخدوم نے شیخ فرید سے فرمایا کہ تمہارا حصّہ تو خانوادہ چشت میں ہے اور تمہارے پیر شیخ قطب الدین بختیار ہیں جو دہلی میں تشریف فرما ہیں اور باقی دونوں حضرات

کو بیعت میں قبول فرما کر اپنا مرید بنا لیا۔ ایک بوڑھی دایہ جو مخدوم شیخ شہاب الدین کی ملازمہ تھی طشت اور آفتابہ لائی تاکہ سب مہمان ہاتھ دھو لیں۔ سب سے پہلے طشت کو حضرت فرید کے روبرو رکھا۔ شیخ فرید عرصہ تک اپنے ہاتھ دھوتے رہے یہاں تک کہ آفتابہ کا تمام پانی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ بہاؤ الدین اور شیخ نجم الدین کے ہاتھ دُھلانے کے لیے وہ اور پانی لائی اور جب کھانا چُنا گیا اور کھانا کھانا شروع کیا تو شیخ بہاؤ الدین اور شیخ نجم الدین نے شیخ فرید سے کہا کہ آپ نے جو ہاتھ تمام آفتابہ کے پانی سے دھوئے۔ ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ آپ نے یہ کیا کیا مخدوم شیخ فرید نے فرمایا کہ یہ بوڑھی دایہ شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر رہتی ہے اور لوحِ محفوظ میں اسے دوزخی لکھا گیا ہے۔ مجھے افسوس ہوا کہ جو شخص ایسے بڑے پیر اور ایسے بزرگ کی خدمت کرے وہ دوزخ میں دوزخی کیوں کر ہے؟ میں نے اس حرف کو لوحِ محفوظ سے دھو دیا اور اُس کا نام وہاں سے مٹا کر بہشت والوں میں لکھ دیا۔" پھر اُن دونوں صاحبان نے (اپنے کشف سے) تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یوں تھا اور یوں ہی ہوا جیسا کہ شیخ فرید نے فرمایا تھا۔ اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی کہ اس قسم کے مکاشفات اور لوح محفوظ میں تصرف محو و اثبات۔ آپ کو بیعت سے پہلے ہی حاصل تھا۔

اور جب مخدوم شیخ فرید دہلی میں پہنچے اور حضرت مخدوم قطب الدین بختیار سے بیعت ہوئے تو آپ نے انہیں کی خدمت کو لازم قرار دیا اور وہیں قیام پذیر رہے۔ کچھ مدت کے بعد خواجہ یہاں شیخ معین الحق والدین اجمیر سے تشریف لائے تو مخدوم شیخ فرید اُن کی قدم بوسی کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ تردّد یہ تھا کہ اگر میں مرشد کی موجودگی میں مرشد کے مرشد کی پہلے قدم بوسی کروں گا تو پیر کا احترام نہ رہے گا اور اگر پہلے پیر کی قدم بوسی کروں گا تو پیر کے پیر کا تقدّس جاتا رہے گا۔ اب حضرت خواجہ معین الحق والدین نے خواجہ قطب الدین سے ارشاد فرمایا کہ شیخ فرید کو بلاؤ اور یہاں حاضر کرو۔ جب آپ اُن کی طلب پہ حاضر ہوئے تو پہلے اپنے

پیر کی قدم بوسی کی۔ اُن کے مرشد نے مخدوم شیخ فرید کا بازو پکڑ کر اپنے مُرشد کے پیروں پر ڈال دیا۔ آپ نے شیخ فرید کو اپنی بغل میں لیا اور بڑی مہربانی اور نوازش فرمائی۔ اس کے بعد خواجہ قطب الدین علیہ الرحمۃ سے ارشاد فرمایا کہ "شیخ فرید کا معاملہ کیوں تعطّل میں ڈال دیا ہے۔ ان کا کام پورا کر دو"۔ سبحان اللہ جب کہ آپ کا قدمِ سعادت اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ لوحِ محفوظ میں تصرّف کر بیٹھے تو پھر اب وہ کون سی مہم اور کون سا کام تھا کہ ان کے حق میں معطل اور موقوف تھا۔

اے برادر اس شُبہ کو آخر دل میں جگہ نہ دینا اس لیے مادر زاد نیک بختوں کو، بغیر پیر کی بیعت اور بلا مرشد کی تربیت کے، ایسی کرامتیں اور ایسے مقامات حاصل ہو جاتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں تصرف کرنا، ہوا میں اڑنا، غیب کی خبریں دینا، جلتی آگ میں گھس جانا، پانی پہ کھڑے ہونا، مُردے کو زندہ کرنا، زندہ کو قبر میں بھیج دینا اور اسی قسم کے دوسرے تصرفات اُن کو شروع ہی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ضیا بخشی نے فرمایا ہے کہ طریقت میں سو مقامات ہیں جب راست رو سالک سترھویں مقام پہ پہنچتا ہے تو اس قسم کی کرامتیں اور تصرفات اُسے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد تراسی مقام باقی رہتے ہیں کہ جب تک انہیں حاصل نہیں کرتا اس کا کام معطل رہتا ہے اور وہ پیر و مرشد کی امداد کا محتاج رہتا ہے تاکہ ان تمام مقامات پہ پہنچ جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص بخششیں ہوتی ہیں اور بکثرت اور متواتر، کہ اس پر دروازہ کھولتی اور سرحدِ انتہا تک پہنچا دیتی ہیں جو اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوتی ہیں۔ لَهُم مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ۔ یعنی انہیں جنت میں وہ ہے جس کی وہ خواہش کریں اور ہمارے پاس اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ سے حکایت فرمائی کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار فرمائی ہیں جو نہ کسی نے

آنکھ سے دیکھیں نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گذرا"۔ اور وہ ہیں کہاں - فی مقعدِ صدقٍ عندَ مَلیکٍ مُقتدِر قدرت والے مالک کے پاس صاف جگہ میں - بیت -

ازجمالش، بر جمالش پردہاست　　محرم آں جا، چند جانی بیش نیست

اُس کے جمال پر جمال ہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کا سوائے چند نقوش کے اور کوئی محرم ہی نہیں - منقول ہے کہ درگاہ رب العزت سے حضرت مخدوم فرید گنجشکر علیہ الرحمتہ کے دل پر ہزاروں مرتبہ یہ ندا القاء ہوتی کہ فرید کس قدر نیک آدمی ہے - اسی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ

پیر ما پیرست مولینا فرید　　ہم چو او در خلق مولینا فرید

ہمارے پیر مولینا فرید (جیسے) پیر ہیں جو اپنے نام کی طرح خُلق میں بھی فرید و یکتا ہیں - حضرت سلطان المشائخ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا بیت

بودی اگر نبوت بعد از نبی روا　　گفتی تمام خلق مر اُو را پیمبرست

کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ممکن ہوتی تو تمام خلق ان کو پیمبر کہتی۔ مریدانِ صادق کو اپنے پیروں کے ذکر میں بھی حلاوت ایمان حاصل ہوتی ہے اور جو لذّت انہیں اللہ تعالےٰ کا نام لینے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے میں حاصل ہوتی ہے، صادقین کو اتنی ہی لذت اپنے پیر کے نام لینے میں ہوتی ہے - مثنوی مؤلف -

بر مرید صادق صاحب تمیز　　ہست ذکر سیرت پیراں عزیز

ذکر پیراں تازہ ایمانش کند　　قصّہ شاں جلوہ برجانش کند

تمیز والے مرید صادق کو اپنے پیروں کی سیرت کا ذکر بڑا عزیز ہوتا ہے - پیر کا ذکر ان کے ایمان کو تازہ کرتا ہے اور ان کے واقعات اس کے ایمان پر تجلّی ڈالتے ہیں -

حکایت ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت حضرت مخدوم شیخ فرید کی خدمت

میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا بچہ وطن سے باہر گیا ہے اور برسوں سے اس کی خیریت ہی معلوم نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مر چکا۔ قدرے تامّل کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ تمہارا بیٹا مکان پر آگیا۔ وہ عورت واپس آئی اور مکان پر بیٹے کو موجود پایا۔ ماں بیٹے دونوں آپس میں ملے۔ ماں بولی کہ بیٹا تم کہاں تھے اور کس صورت سے یہاں پہنچے۔ کہنے لگا کہ میں فلاں ملک میں تھا مجھ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ تیری ماں تو تیرا راستہ تکتی رہتی ہے۔ اب تجھے مکان پر جانا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ حضرت بزرگوار میں تو مکان سے بہت دُور پڑا ہوں اتنا راستہ چلنا میرے لیے تو دُشوار ہے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھی اپنی آنکھیں بند کر۔ میں نے جب بند کر لیں تو فرمایا کھول دے کہ تیرا مکان آپہنچا۔ میں نے جب آنکھیں کھولیں خود کو اس مکان میں پایا۔ ماں نے کہا اچھا چلو مخدوم شیخ فرید کی قدمبوسی کر آئیں۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ چلا اور حضرت مخدوم کی قدمبوسی کی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اب ماں کی خدمت سے دُور نہ ہونا اور ان کی نگہداشت کرنا۔ اس نے قبول کر لیا۔ جب وہاں سے چلے تو ماں سے بولا کہ یہی بزرگ ہیں جو مجھے مکان پر لائے ہیں۔

حکایت مخدوم شیخ جمال ساکن ہانسی حضرت مخدوم شیخ فرید علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں سب سے بزرگ اور بلند پایہ تھے۔ ایک روز حضرت مخدوم شیخ فرید علیہ الرحمۃ نے اپنے بھانجے کو جن کا نام شیخ علی صابر تھا خلافت عطا فرمائی اور شیخ جمال کی خدمت میں روانہ کر دیا اور فرمایا کہ اگر میرے برادر دینی شیخ جمال نے اس خلافت کو قبول کر لیا صحیح ہو گی ورنہ نہیں"۔ خیر جب آپ مخدوم شیخ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ جمال نے اُن سے جامۂ خلافت لے لیا اور فرمایا کہ ابھی تم اس جامہ کی لیاقت نہیں رکھتے ہو۔ وہ حضرت مخدوم شیخ فرید کی خدمت میں واپس آئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "شیخ جمال جس سے جامۂ خلافت لے لیں فرید اس کو دوبارہ نہیں دے سکتا"۔

آج پیر بھی کثرت سے ہیں اور مرید بھی کثیر ہیں - خلافت دینے والے بھی بہت ہیں اور جامۂ خلافت پہننے والے بھی کافی پیدا ہو چکے ہیں مگر ایسے کہ ان کے حال کی شکایت سے دفتر سیاہ ہو جائیں اور خود ہم تدبیر بتانے والوں کا بھی یہی حال ہے

نا سزائے کہ خرقہ در بر کرد   جامۂ کعبہ را جل خر کرد

جس نالائق نے کہ خلافت کا خرقہ بغل میں دبایا یہ ایسا ہے گویا غلافِ کعبہ کو گدھے کی جھول بنا دیا - اسی معنی میں مخدوم شیخ فرید قدس اللہ روحہ نے یہ دو دوہرے فرمائے ہیں - دوہرہ

ٹوپی لیندی باوری دیندی کہری للج   چوہا کڈھ نمانوے پچھے بندھتے چھج

اس دوہرہ کا مضمون فارسی میں یہ ہے

ناداں تر ست مرد کلہ گیر بے خرد   مرد کلاہ دہ بیقیں سخت بے حیا
موشی کہ خود برخنہ نگنجد ز تنگیش   بندد بخویش بار گراں در مضیق جا

یعنی سب سے زیادہ نادان اور احمق ہے وہ شخص جو کلاہ لے لے اور کچھ بھی اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو - اور ایسے کو کلاہ دے دینے والا بھی یقیناً سخت بد لحاظ ہے - وہ چوہا جو اپنے سوراخ کی تنگی کی وجہ سے اس میں خود نہیں سما سکتا وہ اپنی تنگ جگہ میں بھاری بوجھ کہاں ڈالے گا -

مناں من منائیاں سر مٹی کیا ہوئے   کتیں بھیڈاں منیاں سرگ نہ لدھی کوئی
موںڈاں منڈ منڈائیاں سر مونڈیں کیا ہوئے   کتنی بھیڈاں سنڈیاں سرگ نلدھی کوئے

اے سر تراش، دل بتراش از ہوائے نفس
کز سر تراشیت نبود راہِ دیں حصول
چندیں ہزار میش تراشیدہ ہر طرف
زینہا یکی بدر گہ مولیٰ نہ شد قبول

قطعہ مؤلف یعنی اے سر کو منڈانے والے خواہش نفسانی دل سے چھیل ڈال - کہ تیرے (اس طرح) سر منڈانے سے دین کا راستہ چلنا میسر نہیں آتا -

تو نے ہر طرف ہزاروں قربانیاں بھی کی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ان میں سے ایک بھی مقبول نہیں۔ ان دونوں دوہروں سے مقصود مریدوں کو خوابِ غفلت سے جگانا اور پیروں کو ایسی لغویت سے روکنا ہے۔

منقول ہے کہ جب مخدوم شیخ فرید نے نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی کو جامۂ خلافت عطا فرمایا اور انہیں شیخ جمال کی خدمت میں بھیجا تو خواجہ نظام الدین کے دل میں یہ خیال گزرا کہ شیخ جمال نے جب حضرت مخدوم کے بھانجے سے جامۂ خلافت واپس لے لیا تو میرے پاس کیوں رہنے دیں گے بلکہ کیا عجب کہ میرے ڈانٹنے اور ڈپٹنے کی خاطر لکڑی بھی اٹھا لائیں (خیر) جب حضرت نظام الدین وہاں پہنچے اور حضرت شیخ جمال کو اس کی خبر ہوئی تو ایک مسواک ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور فرمایا بابا نظام الدین ذرا اپنی چوب کو تھامو۔ اور ان کے سر سے پیر تک نظر کی اور فرمایا کہ سبحان اللہ کثیراً، حمد اسی کے وجہ کریم کو کہ آج ہمارے مرشد نے وہ درخت لگایا ہے کہ قیامت تک ہر زمانے میں لاکھوں کروڑوں آدمی اس کے سایۂ دولت میں آرام کرتے رہیں گے"۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم سلطان المشائخ ہو یہ خرقۂ خلافت تمہیں مبارک ہو"۔ ہاں ہاں اگر ان درختوں کے پھیلے ہوئے سائے اور ان نیک بختوں کی دراز پرچھائیاں ہم کم نصیبوں کے سروں پہ جلوہ افگن نہ ہوں تو کسی کو آرام عزیز نہ ہو۔ ان حضرات کا سایہ دنیا میں ہمارا مقصود اور انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں سببِ بہبود ہو گا۔ **بیت**

خدایا برحمت نظر کردۂ　　　که ایں سایہ بر خلق گستردۂ

مولیٰ تو نے نظرِ رحمت فرمائی ہے کہ اس سایہ کو مخلوق کے سر پہ پھیلایا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ بڑے باادب تھے چنانچہ آپ جب کبھی خواجہ قطب الدین بختیار قدس اللہ روحہ کے مزار مبارک پر زیارت اور فاتحہ کے لیے حاضر ہوئے تو آستانے کو چومتے اور اسی جگہ فاتحہ و درود شریف پڑھتے اور واپس تشریف لے آتے اور حضرت کے مرقد مبارک پر حاضر نہ ہوتے اور فرمایا

کرتے کہ جب ہم سرتاپا آلودہ ہیں اس پاک مرقد پر کیسے حاضر ہوں - ایک روز آپ زیارت کے لیے تشریف لائے اور حسب عادت قدیمہ آستاں بوسی کی وہیں فاتحہ و درود پڑھی اور لوٹ آئے مگر دل میں یہ خیال گذرا کہ خدا معلوم حضرت خواجہ کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں"۔ مزار مبارک سے آواز آئی کہ۔

مرا زندہ پندار، چوں خویشتن　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

درودم فرستی، فرستم درود　　بیائی بیایم ز گنبد فرود

مجھے اپنی ہی طرح زندہ سمجھو۔ تم اگر جسم سے آتے ہو، تو میں جان سے آتا ہوں تم نے میرے پاس تحفہ فاتحہ و درود بھیجا میں تم کو ہدیہ درود و سلام بھیجتا ہوں اور جب تم یہاں تک آؤ گے تو میں بھی گنبد سے باہر آسکتا ہوں۔

حکایت ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ (محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ اپنے احباب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ناگاہ کھڑے ہو گئے پھر بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور کس بنا پر کھڑے ہوئے فرمایا کہ ہمارے پیر دستگیر کی خانقاہ میں ایک کتا رہتا تھا آج اُسی صورت کا ایک کتا مجھے نظر آیا کہ اس گلی میں گذر رہا ہے۔ میں اس کتے کی تعظیم کی خاطر اٹھا تھا" ارے یہ تو اس کتے کی تعظیم ہے جو خانقاہ کے کتے کے مشابہ تھا اور اگر خود وہی کتا سامنے آجاتا تو خدا معلوم اس کی کس قدر تعظیم اور عزت فرماتے۔ (افسوس) آج کوئی مرید اپنے پیرزادوں کی بھی اتنی توقیر نہیں کرتا۔ اے برادر یہ پیری مریدی بھی کوئی آسان کام نہیں۔

نقل ہے کہ ایک شخص حضرت سلطان المشائخ (کی عظمت) کا منکر تھا۔ روزانہ آپ کی شکایتیں اور برائیاں کرتا رہتا اور کہتا کہ یہ شخص اپنے آپ کو سلطان المشائخ کہلواتا ہے اور خود کو درویش مشہور کر رکھا ہے۔ حالانکہ نہ اُسے مقام مشیخیت کی خبر ہے اور نہ اس میں درویشی کا کوئی اثر۔ اس کا سکہ بالکل کھوٹا ہے اور خود وہ دیانت اور امانت سے بے بہرہ۔ اور اسی قسم کی بیہودگیاں بکتا رہتا

مگر حضرت سلطان المشائخؒ اس کی گذر اوقات کے لائق کچھ نہ کچھ روزانہ روانہ فرما دیتے اور اُس کے اہل و عیال کا نفقہ اُسے عنایت فرما دیتے۔ اسی حال پر مدت دراز گذر گئی۔ آخر ایک روز اس کی بیوی نے اُس سے کہا کہ اے نا انصاف مرد! اُس درویش پر تیرا کوئی حق بھی نہیں۔ پھر بھی وہ ہر روز تیرے ساتھ بخشش کرتے ہیں اور تو اُن کے ساتھ بیہودگی سے پیش آتا ہے اور انہیں بُرا بھلا کہتا رہتا ہے یہ کونسی مسلمانی ہے۔ وہ شخص آپ کو بُرا بھلا کہنے سے خاموش ہو گیا اور زبان درازی سے باز رہا۔ مگر اس روز حضرت سلطان المشائخ نے اس کے پاس کچھ نہ بھیجا تو وہ شخص حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مخدوما! میں جب تک آپ کو بُرائی اور بدی سے یاد کرتا رہا اور آپ پر طعنہ زنی کرتا رہا، آپ ہمیں نقد روانہ فرماتے رہے کہ بال بچوں کے لیے کافی ہو جاتا اور جب میں اپنی بیہودگی سے باز آیا اور میں نے پشیمان ہو کر زبان روک لی تو آپ نے کچھ بھی روانہ نہ کیا اور نہ کچھ عنایت فرمایا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ جب تو مجھے بدی اور بُرائی سے یاد کرتا اور خواہ مخواہ تو مجھے جفا کار اور احمق کہتا رہتا میرے گناہ معاف ہوتے اور میں گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا۔ تو تو میرا مزدور تھا میں تجھے مزدوری بھیج دیتا۔ اب جب تو اس سے باز آیا اور مجھے میرے گناہوں سے پاک نہیں کرتا تو اب تجھے کس کام کی اجرت دوں۔ مثنوی۔

بدی را مکافات کردن بدی　　　بر اہل صورت بود بخردی
بمعنی کسانیکہ پی کردہ اند　　　بدی دیدہ و نیکوئی کردہ اند

بدی کا بدلہ اہل ظاہر کے نزدیک بُرائی کے ساتھ دینا خواہ دانائی ہو لیکن اہل باطن تو بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک جوان نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ روحہ سے

بیعت کی۔ روزانہ آپ کی مجلس شریف میں حاضر ہوتا اور روز کوئی اُس کا جُوتا چرا لیتا۔ پھر وہ نیا جُوتا پہن کر حاضر ہوتا۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اے جوان جو شخص تیری جوتیاں چُرا کر لے جاتا ہے اُسے بخش دے اور کہہ دے کہ میں نے تمام جُوتے معاف کیئے اور اُسی کو بخش دے۔" اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُس روز سے پھر کسی نے اُس کا جُوتا نہ چرایا اور نہ کوئی لے گیا۔ اور جب حاضرین نے اس کا بھید حضرت سلطان المشائخ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس چور کا رزق حرام میں تھا اور جب اس نے بخش دیا تو وہ تمام جوتے اُس پہ حلال ہو گئے اور حلال رزق اُس کی قسمت میں لکھا نہیں اس لیے وہ نہیں لے گیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت سُلطان المشائخ ایک روز کتاب ضو کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ حاضرین نے دریافت کیا کہ حضور آپ کو اس نحو کی کتاب کے مطالعہ کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی آجائے اور کتاب ضو کا کوئی مسئلہ پوچھے تو ہم اُسے کیا جواب دیں گے۔ جب آپ مطالعہ سے فارغ ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص آیا اور کتاب ضو کا وہی مقام جو حضرت نے مطالعہ فرمایا تھا دریافت کرنے لگا۔ آپ کے پاس جواب موجود تھا۔ ارشاد فرما دیا۔" یکے بعد دیگرے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں گانا اور قوالی بکثرت ہُوا کرتا تھا۔ اگرچہ گانا اور قوالی تمام خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم کا طریقہ اور روش ہے مگر آپ کے زمانہ میں اس کا بہت چرچا تھا اور حضرت امیر خسرو نے فنونِ موسیقی میں کچھ اور ہی بات پیدا کر دی تھی اور ایک نیا اسلوب اُسے دے دیا تھا۔ حالانکہ حضرت امیر خسرو کمال تقویٰ اور دیانت سے آراستہ اور کثیر در کثیر علم و فن سے پیراستہ تھے اور حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ نے اُنہیں تُرک اللہ کا خطاب بخشا تھا اور فرماتے تھے اگر کل قیامت میں خداوند تعالےٰ دریافت فرمائے گا کہ دُنیا سے کیا لائے تو میں ترک اللہ کو حاضر کر دوں گا

اور عرض کروں گا کہ اس مردِ سلیم کو حاضر لایا ہوں ۔ یہ بھی فرمایا کرتے کہ اگر یہ جائز ہوتا کہ دو مرد ایک ہی قبر میں آرام کریں تو میں اور ترک اللہ ایک ہی قبر میں ہوتے اور یہ بیت اپنی زبانِ دُر افشاں سے فرماتے ۔ بیت

گر ز بہر ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند
ترک تارک گیرم اما نہ گیرم ترکِ تُرک

یعنی اس تُرک کو ترک کرنے کی خاطر، اگر لوگ میرے سر پہ آرہ بھی چلائیں تو میں اسے گوارا کر لوں گا۔ تُرک کو نہ چھوڑوں گا ۔ المختصر آپ کی خانقاہ میں اکثر اوقات گانے اور قوالی کا سماں رہتا۔

حکایت ۔ ایک شخص حضرت سلطان المشائخ کے احوال کا منکر، آپ کی راہ و روش سے متنفر، اور ایک دوسرے درویش کا معتقد تھا ۔ ایک روز اُس درویش سے کہنے لگا کہ میری یہ آرزو ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کروں اگر سرکار کے کرم سے ملاقات ہو جائے تو انتہائی بندہ نوازی اور سرفرازی ہو"۔ درویش نے جواب دیا کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ کے یہاں مجلس سرود و سماع ہوتی ہے اُس روز حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کے جوتوں کی نگہبانی فرماتے ہیں"۔ وہ شخص اب اپنے انکار پر پشیمان ہوا اور قوالی والے دن آپ کی خانقاہ میں حاضر ہو گیا ۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور اُن سے خوب فیض حاصل کیا ۔ ایک روز مخدوم شیخ فرید گنجشکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قرب میں مسرور تھے ۔ اسی حالت میں آپ نے ارشاد فرمایا "بابا نظام الدین! اس وقت جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو" ۔ آپ نے اپنے دین پر استقامت طلب کی ۔ حضرت مخدوم شیخ فرید کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی خانقاہ میں جب کبھی گانا یا قوالی ہوتی اور حضرت سلطان المشائخ پر رقّت و کیفیت طاری ہو جاتی تو آپ افسوس کرتے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر سے اپنے دین کے کام میں استقامت چاہی ۔ یہ کیوں نہ مانگا کہ میری جان سماع میں جائے اور اکثر اوقات

یہ شعر پڑھتے۔

از کاسۂ رباب مرا نعمتی رسید　　شُد آفتاب ہر کہ ازو ذرّہ چشید

ساز کے پیالے سے مجھے وہ نعمت پہنچی ہے کہ وہ سُورج کی طرح ہو جاتا ہے جس نے اس میں سے ایک ذرہ چکھ لیا۔

کہتے ہیں کہ مخدوم شیخ فرید کے عرس کے دن حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں گانا اور قوالی ہو رہی تھی۔ آپ کے دردمند احباب پر وجد و کیفیت طاری تھی کہ حضرت سلطان المشائخ خانقاہ سے باورچی خانے کی طرف تشریف لائے تاکہ اشیائے خورد و نوش کا انتظام ملاحظہ فرمائیں۔ ہوا بہت گرم تھی اور مطبخ میں ہر طرف آگ کی گرمی کا اثر تھا۔ اتنے میں کسی شخص نے ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورا آپ کو پیش کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ہمارے احباب تو وہاں خونِ جگر پی رہے ہیں ہم یہاں ٹھنڈا پانی پی لیں یہ موافقت کے مطابق نہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کی خانقاہ میں لوگوں نے ایک خیمہ نصب کیا تھا اور اُس کے اندر قوالی ہو رہی تھی۔ شیخ ضیائی سنامی کو اس کی خبر ہوئی۔ وہ اپنے دونوں لڑکوں کو لے کر تحقیق حال کے لیے آئے تاکہ ان لوگوں کو قوالی سے منع کریں۔ چنانچہ آپ نے خیمہ کی طنابیں اکھاڑلیں تاکہ خیمہ گر پڑے اور سماع میں خلل پیدا ہو لیکن خیمہ بالکل ویسا ہی کھڑا رہا جیسا کہ طنابوں پر کھڑا تھا۔ شیخ ضیا حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنی کرامتیں ہمیں دکھاتے ہیں۔ ایسی ہی کچھ سخت باتیں کہیں۔ حضرت مخدوم بڑی نرمی اور شفقت سے پیش آئے اور فرمایا کہ ہم تو تمہارے محکوم ہیں جو حکم دو وہی کریں گے۔ کہنے لگے کہ لوگوں کو سماع سے باز رکھئے اور انہیں گانے سے منع کیجئے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد جب شیخ ضیائی اپنے گھر پہنچے تو اُن کے لڑکے کو کچھ تکلیف ہوگئی اور کچھ عرصہ کے بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرا لڑکا بیمار ہوا اور وہ بھی جاتا رہا۔ اس کے بعد

خود حضرت ضیا بیمار ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخ کو جب اُن کی بیماری کی خبر ہوئی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ شیخ ضیا نے حضرت سلطان المشائخ سے پوچھا کہ آپ اپنی اُس ناشائستہ حرکت سے باز آئے"۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ ہماری تو صدقِ دل سے تمنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام بُری باتوں سے بچائے۔ آپ بھی دعا کریں"۔ شیخ ضیا نے جواب دیا کہ آپ میں کوئی بُرائی نہیں ہے مگر یہ کہ آپ قوالی سنتے اور گانے میں مشغول رہتے ہیں۔ خیر حضرت سلطان المشائخ وہاں سے واپس تشریف لے آئے اور شیخ ضیا کا دو تین روز میں انتقال ہو گیا۔ سبحان اللہ۔

شاید شیخ ضیاء نے احیاء العلوم مصنفہ امام محمد غزالی قدس اللہ روحہ کا مطالعہ نہ کیا تھا (ورنہ معلوم ہوتا) کہ اَلسَّمَاعُ مُبَاحٌ لِاَھْلِہٖ یعنی اہلِ سماع کے لیے مباح ہے اسے اُس مقام پر جمہور کے اتفاق سے ثابت کیا ہے۔ تو کیا انہوں نے اہلِ سماع اور اُن کے غیر کو نہ پہچانا۔

زد طعنہ شیخِ شہر بہ احوالِ اہلِ دل
اَلْمَرْءُ لَا یَزَالُ عَدُوًّا لِمَا جَھِلْ

یعنی شہر کے کوتوال نے اہلِ دل کے احوال پر طعنہ زنی کی (سچ ہے) آدمی اُس چیز کا دشمن ہی رہتا ہے جس کو وہ جانتا نہیں۔

کہتے ہیں کہ شیخ ضیا سنّامی سب سے پہلے احتساب کی خاطر حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُن کا محاسبہ کیا تھا۔ شیخ شرف الدین قدس سرہٗ نے دو تین مرتبہ ان پر تیز نظر ڈالی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ جب آپ وہاں سے لوٹ آئے تو لوگوں نے حضرت شیخ شرف الدین سے عرض کیا کہ آج شیخ ضیاء نے بڑی سختی دکھائی۔ فرمایا کہ میں نے دو تین مرتبہ چاہا کہ انہیں سزا دوں مگر وہ شریعت کی زرہ پہنے ہوئے تھے، میرے تیر نے کوئی اثر نہ کیا۔ شاید شیخ ضیاء یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے تو شریعت کی زرہ اور جوشن پہن لی ہے"

مجھ پر کسی درویش کی رنجش کا دنیا میں کوئی اثر نہ ہوگا، مگر یہ نہیں جانتے کہ اگرچہ کوئی شخص جوشن پہن لے مگر موت کی جگہ خالی ہے۔

ہزار جوشن فولاد، گر بپوشی تو ز آہِ گرم فقیرے چو موم بگدازد

تو اگرچہ فولاد کے ہزاروں جوشن پہن لے مگر فقیر کی ایک آہِ گرم سے وہ موم ہو سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ خواجگانِ چشت نے اپنی تلوار بغیر نیام کے لٹکا دی ہے اور کسی پر اٹھاتے نہیں ہیں مگر جو شخص اُس سے خود اُلجھتا ہے یقیناً زخمی اور مجروح ہو جاتا ہے۔

بس تجربہ کردیم' دریں دیرِ مکافات با دردکشاں ہر کہ درافتاد' برافتاد

ہم نے اس دُنیا میں بارہا تجربہ کیا ہے کہ جو دردمندوں سے اُلجھتا ہے ٹھوکر کھاتا اور گر پڑتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کو پوربی پردہ (ایک قسم کا گانا) بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ بعض حاضرین نے دریافت کیا کہ حضرت مخدوم پوربی پردہ بہت سنتے ہیں اور یہ آپ کو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں صحیح ہے ہم نے ندائے اَلَستُ بِرَبِّکُم اسی پردہ میں سُنی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ کے خلفاء بہت تھے اور وہ لوگ مولیٰ تعالیٰ کی رضا کی راہ میں جو ریاضتیں اور مشقتیں کھینچے اور جو سختیاں اور دُشواریاں برداشت کرتے وہ تحریر میں نہیں سما سکتی ہیں۔

من ندانم تاچہ مرداں بودہ اند کز عمل یکدم نمی آسودہ اند

سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے لوگ گزر چکے جنہیں بغیر عمل کے ایک دم چین نہ آتا تھا۔

آپ کے جملہ خلفاء میں سے مخدوم شیخ نصیر الدین محمود سب سے زیادہ معظم اور بزرگ ترین خلیفہ تھے۔ جب حضرت سلطان المشائخ کو مرض موت

ہوا اور وفات کا وقت قریب پہنچا تو شیخ نصیر الدین محمود نے التماس کی کہ میں بغیر مرشد کی جلوہ آرائی کے دہلی میں نہ رہ سکوں گا۔ حضور کے بعد حج کے لیے چلا جاؤں گا اور اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پہ اپنی زندگی گذار دوں گا"۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہ مصرعہ ارشاد فرمایا کہ

زنہار مرو کہ با تو کاری دارم

ہر گز نہ جا کہ تجھ سے بہت کام ہے مجھے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم تمہیں اپنی جگہ چھوڑتے ہیں تمہیں چاہیئے کہ تم اہل دہلی کی جفا و قفا (یعنی اذیت اور ایذا رسانی، جس کا تعلق گردن سے ہوتا ہے) پہ صبر کرو"۔ چنانچہ آپ نے جب رحلت فرمائی اور فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (اپنے قدرت والے رب کے پاس سچائی کی جگہ میں) آرام کیا اور لوگوں نے آپ کا جنازۂ مبارکہ اٹھایا تو قوالوں، شامیوں اور تاتاریوں کی ایک جماعت بھی ہمراہ چلی اور یہ شعر پڑھی پڑھی۔

سرو سیمینا! بصحرا می روی | نیک بد عہدی، کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ جانہا، روئی تو | تو کجا بہر تماشا می روی
دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست | تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

اے سروِ سیمیں! تم تو صحرا کی طرف سدھارے۔ یہ اچھا عہد ہے کہ بے ہمارے چل دیئے۔ تمہارا چہرہ تمام جانوں کی تماشا گاہ ہے۔ تم کدھر تماشا دیکھنے جاتے ہو۔ سعدی کی آنکھیں اور اُس کا دل تمہارے ساتھ ہے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ تنہا جا رہے ہو۔ اس پہ حضرت سلطان المشائخ کا ہاتھ جنازہ سے نمودار ہو کر بلند ہوا۔ امیر خسرو نے قوالوں کو روک دیا اور فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت مخدوم جنازہ سے اُٹھ کھڑے ہوں، سماع میں شریک ہو جائیں۔ اُن پر کیفیت طاری ہو جائے اور پھر ایک نیا فتنہ بہ پا ہو جائے۔

خاک را می جُست گردوں تا کند بر سر نیافت
زانکہ دیدگاں روی زمیں جز تو نیافت

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ نے رحلت فرمائی حضرت امیر خسرو چھ مہینے اسی رنج میں مبتلا رہے نہ سوتے میں آرام ملتا نہ جاگتے میں یغرضیکہ چھ مہینے کے بعد فوت ہو گئے اور اُس وقت مخدوم شیخ رُکن الدین سہروردی قدس اللہ روحہ دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کو حضرت امیر خسرو کے انتقال کی خبر پہنچی تو احباب سے فرمایا کہ آؤ فلاں جگہ چلیں اور امیر خسرو کی تجہیز و تکفین اپنے روبرو کرا دیں اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مغفرت طلب کریں، اس لیے کہ اُن سے شاہانِ وقت کی مدح سرزد ہوئی ہے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ امیر خسرو کا لاشہ رکھا ہوا ہے (ان کو دیکھ کر) امیر خسرو اُٹھ بیٹھے اور یہ شعر پڑھا۔

ما بنعمتہای پیر خود بسندہ کردہ ایم　　　نیست مارا حاجت آمرزش پروردگار

کہ ہم نے تو اپنے پیر کی نعمتوں کو اپنا پُشت پناہ بنا لیا ہے۔ ہمیں (کسی اور کی شفاعت سے) مغفرت کی حاجت نہیں۔ یہ شعر پڑھا اور پھر بدستور آپ کی نعش زمین پہ آ رہی۔

جب مخدوم شیخ نصیر الدین محمود بن یوسف رشید اودھی قدس اللہ روحہ کا مبارک زمانہ آیا تو ایک قلندر نے جس کا نام تُرابی تھا داخل ہو کر آپ کے بدن مبارک پر پندرہ سترہ زخم چھُری سے کر دیئے۔ مخدوم نے اس جفا کو برداشت کیا اور قلندر سے فرمایا کہ میرے حجرہ میں آ کر چھُپ رہ ورنہ لوگ تجھے زندہ نہ چھوڑیں گے اُس نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے اُسے بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ آدھی رات ہوئی تو مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ نے اس قلندر سے فرمایا کہ اگر اپنی خیریت اور زندگی چاہتا ہے اسی وقت دہلی سے بھاگ جا۔" وہ بھاگ گیا اور ایسی جگہ پہنچا کہ پھر اُس کا پتہ نہ چلا۔

ازاں دوستانِ خدا برتر اند　　　کہ از خلق بسیار بر سر خوراند

خدا کے دوست اس سے برتر ہیں کہ مخلوق کے ہاتھوں سر پہ چوٹیں کھائیں

(اور نہیں آزار پہنچائیں)

کہتے ہیں کہ ایک درویش نے حضرت مخدوم کو خط لکھا کہ جفا کاروں کی اتنی جفائیں تو برداشت نہیں کرنا چاہئیں۔ اگر آپ بدلہ نہیں لیتے تو ہمیں رخصت اور اجازت دیجئے کہ ہم ایسے لوگوں سے خود بدلہ لیں"۔ حضرت مخدوم نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

چوں حوالہائے ایں ضربت بجائی دیگرست
ننگم آید گر بگویم از فلاں رنجیدہ ام

یعنی جب یہ چوٹیں کسی اور ہی کی مشیّت سے ہیں تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں یہ کہوں کہ فلاں نے مجھے ستایا ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت مخدوم اُن زخموں سے بالکل تندرست ہو گئے اور اپنی حالت پر لوٹ آئے۔ یہ دہلی کی جفا کی ایک مثال تھی۔

اور دہلی کی قفا یہ ہے کہ بادشاہِ وقت نے تمام درویشوں کو بلا کر یہ حکم دیا کہ وہ سب ہماری ایک ایک خدمت اپنے ذمہ لیں۔ اس خدمت کو بوقت خدمت بجالائیں اور اس میں غفلت نہ برتیں"۔ حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین کو بھی بلایا آپ نے بہت عذر خواہی اور التجا کی کہ ہمیں بخشئے اور معاف رکھئے۔ بادشاہ کی عادت ظالمانہ تھی، آپ کو قفا کر دیا یعنی گلے کی ہڈیوں کے نیچے اس نے سوراخ کرائے۔ اُن ہڈیوں کو رسّی میں مضبوطی کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا اور کہا کہ ان رسیوں کو بلند جگہ باندھ دو اور انہیں بندھا رکھو یہاں تک کہ یہ ہماری ایک خدمت قبول کر لیں۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ چشتیوں کی وہ ننگی تلوار نمودار ہوئی تاکہ بادشاہ کا سر قلم کر دے کہ اُسی وقت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود نے بادشاہ کو اپنی پناہ میں کھینچ لیا اور اپنی آستینیں بادشاہ کے سر پر رکھ دیں کہ آپ کی آستینیں کٹ گئیں اور بادشاہ صحیح و سالم رہا۔ سبحان اللہ ایسی جفا اور قفا کو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود برداشت کرنا سوائے مخدوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے کون کر سکتا ہے۔

منقول ہے کہ جب حضرت ذکریا علیہ السلام کے سرِ مبارک پر آرہ رکھا گیا تو لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت آپ کا دل کیا چاہتا تھا۔ آپ ثابت قدم تھے۔ لہٰذا جواب دیا کہ میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ جب دو ٹکڑے کر دیا جاؤں تو میرا ایک ٹکڑا مشرق میں لٹکا دیں اور دوسرا مغرب میں، تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ راہ جس میں ہم نے قدم رکھا ایسی خونخوار ہے۔

ایں رہ ما بوئے عدم می زند کیست دریں رہ کہ قدم می زند

اس راستہ میں ہمیں فنا کی بو آتی ہے۔ کون ہے جو اس راستے میں قدم رکھے۔

خیر حضرت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ ہم خوشی سے تمہاری ایک خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ اس وقت آپ کو اتار لیا گیا اور قفا سے آپ کو لوگوں نے چھٹکارا دیا۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا "تمہارا کام یہ ہے کہ روزانہ میرے سفید کپڑے چھانٹ کر اور صاف کر کے تیار رکھو اور روزانہ ہمیں پہناؤ"۔ چنانچہ آپ کے زخم مندمل ہو گئے تو آپ مدتوں یہی خدمت بجالاتے رہے کہ روزانہ اس کی پوشاک درست کرتے اور پہناتے۔

منقول ہے کہ اُس بادشاہ کا وزیر جس کا نام شیخ عبد المقتدر تھا ایک ہوشیار آدمی تھا کہ میزان منطق اُسی کی تصنیف ہے۔ وہ جب بادشاہ کے دربار سے لوٹتا تو کبھی کبھی حضرت مخدوم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور اپنے احباب سے کہتا کہ آؤ حضرت مخدوم کے سامنے دو چار متنازعہ فیہ مسئلے پیش کر کے چلتے ہیں۔ غرض وہ آتا اور حضرت مخدوم سے بحث و مناظرہ کرتا۔ حضرت مخدوم بھی بڑے فاضل تھے (آپ بھی اس کو منہ پھٹ جواب دیتے) غرض وہ آپ کو بڑا دکھ پہنچاتا حضرت مخدوم کے مصاحبوں نے آپ سے عرض کیا کہ شیخ عبد المقتدر بڑی گستاخی کرتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ ایک چڑیا ہے عنقریب ہماری گرفت میں آجائے گی۔ وزیر کی عادت یہ تھی کہ جب وہ سفید کپڑے پہنتا تو اپنے گیسوؤں میں موتی پروتا۔ ایک

روز وہ خادم خاص اُن کے بالوں کو پرو رہا تھا کہ ایک فقیر بھیک مانگتا ہوا نکلا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

سعدیا! بسیار گفتن، عمر ضائع کردن ست
وقت عذر آوردن ست، استغفر اللہ العظیم

اے سعدی بہت باتیں بنانا اپنی عمر کو برباد کرنا ہے۔ اب عذر خواہی کا وقت ہے۔ بارگاہِ عظمت سے اپنی مغفرت کا طالب ہو۔ اس بیت نے وزیر کے دل کو ایسا گرما دیا کہ اس کا باطن دُنیا کے شعلوں سے ٹھنڈا پڑ گیا۔ خادم سے کہا کہ ہمارے بال تراش دے۔ اس نے کہا کہ مجھے گیسو گُندھنے سے فراغت مل چکی صرف ایک ہی گرہ باقی ہے۔ جواب دیا کہ اے احمق یہاں دل میں دوسری گرہ پڑ چکی ہے تو جلد میرے بال تراش دے اُس نے وہ بال تراش دیئے۔ وزیر نے وہ زر بافتہ (موتی پرو دئے ہوے بال) گیسو بھی اُسے دے دیئے۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور کہا کہ کوئی ہے جو دین کی راہ میں ہمارا ساتھ دے اور فقر کے راستہ میں ہمارا ساتھی بنے۔ اس کی بیوی کھڑی ہوئی اور بولی ایک تو میں ہوں۔ وزیر نے کہا کہ فقر کی آگ بہت تیز ہے تو اُسے برداشت نہ کر سکے گی۔ تجھے جتنا مال چاہیئے لے لے اور ایک طرف ہو بیٹھ۔ عورت نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ تو مرنا ہر شخص کو ضروری ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ موت کا مزہ ہر نفس چکھے گا۔ پس بہتر یہی ہے کہ طلب مولیٰ کی راہ میں جان جائے اور ان شاء اللہ تم مجھے صبر کرنے والوں میں پاؤ گے۔ وزیر نے جواب دیا کہ اچھا ایک چادر اوڑھ کر ایک طرف ہو جا۔ اس کے بعد شہر میں ندا کرا دی کہ آؤ اور ہمارے مال اسباب اور گھر کو لوٹ لو اور برباد کر دو۔" کہتے ہیں کہ اس وزیر کے مکان کی اینٹیں شیشے اور آبگینے کی تھیں کہ تمام گھر میں شیشے کی طرح مُنہ نظر آتا تھا اُسی روز لوگوں نے اس مکان کو اس بُری طرح ڈھا دیا کہ دیواریں توڑ کر مٹی میں سے وہ شیشے کی اینٹیں بھی نکال کر لے گئے اور رات کو چراغ جلانے کا بھی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ وزیر تیس برس تک فاقہ کشی

کرتا رہا اور عوارف کا نسخہ سامنے رکھ کر بندگی اور عبادت میں مشغول ہو گیا قائم اللیل صائم النہار بن گیا کہ رات بھر قیام کرتا اور دن میں روزہ رکھتا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ تیس سال کے بعد حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ کی طرف رجوع لایا اور اُن کی جانب متوجہ ہوا۔ حضرت مخدوم نے ایک عمل فرمادیا کہ تھوڑی مدت میں کشائش ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ باطن کے دروازوں کے کھولنے اور تمام مشکلوں کے حل کرنے کی کنجی پیروں اور مُرشدوں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ارادت نداری سعادت مجوئی　　بچوگانِ خدمت توان برد گوئی

اگر عقیدت نہیں ہے تو سعادت کو نہ ڈھونڈو۔ چوگان خدمت ہی سے یہ گیند لے جائی جاسکتی ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مرد کو کھجور کے درخت سے تشبیہہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے کہ جس کے پتے کبھی نہیں گرتے اور وہ درخت مسلمان کی مانند ہے۔ بتلاؤ کہ وہ درخت کونسا ہے؟ تمام صحابہ کے خیالات جنگل کے درختوں کی جانب گئے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے"۔ اتنے میں صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ارشاد فرمائیے وہ درخت کونسا ہے؟ فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے"۔ اور یہ اس لیے فرمایا کہ کھجور کا درخت اس وقت تک پھل نہیں لاتا جب تک اُس کی (تابیر) اصلاح نہ کی جائے۔ یہی مثال ہے سچے مسلمان مرید کی جب تک وہ کسی شیخ کامل سے ذکر و فکر کی تحصیل نہیں کرتا اس کے وجود کا درخت وہ پھل نہیں لاتا جو اُس کے پیدا کرنے والے نے اپنے کرم سے اس میں ودیعت کر رکھے ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود ابھی تک بادشاہ کی خدمت میں موجود ہیں

اور کپڑے پہناتے ہیں۔ ایک روز بادشاہ نے نماز عصر کے وقت دوسرے کپڑے آپ سے طلب کیئے۔ آپ کپڑے پہنانے میں مشغول ہوئے۔ سورج ڈوبنے کے قریب آچکا تھا۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر آفتاب سے فرمایا کہ اے مخلوقِ خدا بادشاہ بے مروّتی کرتا ہے اُسے ہماری نماز کے فوت ہو جانے کا غم نہیں۔ تو لحظہ بھر کے لیے اپنی جگہ ٹھہر جا اور بے مروتی مت کر"۔ آفتاب وہیں ٹھہر گیا یہاں تک کہ آپ کپڑے پہنانے سے فارغ ہوئے اور جب آپ نے بند باندھے تو فرمایا " بندد نصیر الدین و کشاید غسال"۔ کہ باندھیں نصیر الدین اور کھولے غسل دینے والا۔ جب آپ بالکل فارغ ہوئے تو وضو کیا اور نماز ادا فرمائی اس کے بعد آفتاب ڈوب گیا۔ اِدھر جب بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑے سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور اپنی جان ملک الموت کو سونپ دی یعنی مر گیا۔ اس واقعہ سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ وہ عارفِ کامل جو انتقام کی قدرت کے باوجود ایسی جفا و قفا کو معاف کر دیتے ہیں۔ انہیں اس کی تاب نہیں ہوتی کہ نماز اور روزہ فوت ہو جائیں اس لیے کہ اہلِ معرفت کے لیے نماز اور روزہ کا فوت ہو جانا ایک ناگوار موت، اور عبادت کا وقت پیدا کر لینا ایک خوشگوار زندگی ہے۔

منقول ہے کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد تمام خوانین، سلاطین اور تمام لشکر اس پر متفق ہوا کہ اب ہمارا بادشاہ سلطان فیروز ہو گا۔ اور سلطان فیروز بادشاہی پر راضی نہ ہوتے تھے اور کہتے کہ تمام مخلوق کا بوجھ اپنے سر پر لادنا قیامت کے روز ہر شخص کی جانب سے جواب دہ ہونا اور اس قدر حساب کے لیے کار بند ہو بیٹھنا، عقلمندوں کا کام نہیں۔ بلکہ ہوشیار بادشاہوں نے خود ہی اپنی بادشاہت کو ترک کر کے فقیری اور مسکینی کو اختیار کیا ہے۔ اگر فقیری اور درویشی کو چھوڑ کر بادشاہی کو اختیار کروں تو بیوقوفی کے سوا اور کیا ہے۔ غرض سلطان فیروز نے بادشاہت کو کسی طرح قبول نہ کیا اور نہ تخت پر بیٹھے۔ یہاں تک کہ مخدوم

شیخ نصیر الدین محمود خود تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے فیروز تخت پہ بیٹھ اور بادشاہت کو قبول کر"۔ اب کہ فیروز کو مجبور ہونا پڑا اور انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو عرض کیا کہ اے حضرت مخدوم کچھ التماس ہے فرمایا "جو کہنے کی بات ہے کہو"۔ عرض کیا کہ میری ایک عرض یہ ہے کہ تمام دنیا والوں میں سے کسی ایک کے اوپر بھی فیروز کے ہاتھوں کوئی ظلم و ستم نہ ہو۔ کہ اس کی وجہ سے کل قیامت میں پکڑا جائے۔" مخدوم نے فرمایا کہ ہاں ہاں فرمان ہوتا ہے کہ فیروز کے ہاتھ سے کسی شخص اور کسی فرد پہ کوئی ظلم و ستم تھوڑا ہو یا بہت نہ ہونے پائے گا"۔ فیروز نے عرض کیا کہ دوسری عرض یہ ہے کہ "جب تک فیروز کی بادشاہت رہے فیروز کے ملک میں نہ بارش بند ہو اور نہ قحط سالی کہ دنیا والوں پہ روزی تنگ ہو جائے"۔ مخدوم نے فرمایا۔ "ہاں یہ بھی فرمان ہوتا ہے کہ جب تک فیروز کی بادشاہت رہے فیروز کی ولایت میں، بارش کی موقوفی اور قحط سالی نہ ہو"۔ پھر فیروز نے التماس کی کہ جب تک فیروز کی مملکت رہے اگر اس کی مملکت میں کوئی آسمانی قہر نامزد ہو چکا ہے تو وہ ساری بلا و قہر خواہ فیروز کے سر پہ نازل ہو مگر فیروز کی ولایت پہ نہیں"۔ مخدوم نے فرمایا کہ "فرمان ہوتا ہے کہ جب تک فیروز کی بادشاہت ہے قہر نازل نہ ہو گا نہ فیروز کے سر پہ اور نہ ولایت فیروز پر"۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فیروز کا بازو پکڑا اور تخت پہ بٹھا دیا۔

شنیدم کہ خسرو، بشیرو کہ گفت ۔۔۔ در آندم کہ چشمش ز دیدن بخفت
بر آں باش تا ہر چہ نیت کنی ۔۔۔ نظر در صلاح رعیت کنی

میں نے سنا کہ خسرو نے شیرو کہ سے کہا جب کہ اس کی آنکھیں دیکھنے سے بند ہو گئیں کہ اس پر عزم کر لو کہ تم جس کام کی نیت کرو رعیت کی اصلاح پر نظر رہے۔

حضرت مخدوم کے خلفاء میں سے ایک ہی شیخ عبد المقتدر تھے جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا اور ایک مولینا علاء الدین تھے جو نستہ بلیہ میں آرام کر رہے ہیں۔

آپ اس سے پہلے ایک اور درویش کی خدمت میں تین سال تک رہے۔ ایک روز اس درویش نے کہا کہ آؤ تمہیں خدا کا عرش دکھائیں۔ مولینا علاء الدین نے جواب دیا کہ جس کے دل میں پروردگار کے دیدار کی آرزو ہو اُسے عرشِ الٰہی دیکھ کر کیا کرنا۔ اس کے بعد اُس درویش سے علیٰحدہ ہو گئے اور دوسرے درویش کی خدمت میں حاضر آئے۔ یہاں تک کہ نو برس گذر گئے۔ ایک روز اُس درویش نے پانی پر مصلیٰ بچھایا اور اُس پر کھڑے ہو کر نماز کی تکبیر تحریمہ کہی۔ آپ اُس کے پیچھے سے چلے آئے اور فرمایا کہ میں نے تو یہ خیال کیا تھا کہ یہ مردِ صدیق ہے یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ زندیق ہے"۔ اُدھر وہ درویش جب دوگانہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کو آواز دی کہ آؤ اتنے سال کی مشقت کا" مجھ سے تھوڑا سا معاوضہ لے لو۔ جواب دیا کہ میں نے اتنے سال کی خدمت معاف کی،" آپ بھی مجھے بخشیں"۔ اس کے بعد مخدوم شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر آئے اور آپ کو واقعی درویش پایا۔ حضرت مخدوم نے انہیں خلافت عنایت فرما دی۔

حضرت مخدوم کے خلفاء میں سے ایک سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ ہیں آپ ایک عالم ذی ہوش اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیہم پیروی میں مدہوش تھے۔ جس وقت آپ حضرت مخدوم نصیر الدین محمود کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت مخدوم گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ نے حضرت مخدوم کی ران کو بوسہ دیا۔ مخدوم نے فرمایا "اور نیچے"۔ آپ نے اُن کے پیر کا بوسہ لیا۔ مخدوم نے فرمایا "اور نیچے"۔ آپ نے گھوڑے کے سُم کو چوم لیا۔ اُس وقت آپ کے گیسو رکاب میں اُلجھ گئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا "اور نیچے"۔ آپ نے زمین کو بوسہ دیا مگر آپ کے گیسو اب بھی رکاب میں اُلجھے ہوئے تھے۔ مخدوم نے فرمایا "میر سید محمد تم گیسو دراز رکھتے ہو"۔ حاضرین نے جب یہ واقعہ دیکھا انہیں بھلا نہ معلوم ہوا اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ فرزندِ رسول جو تمام شہر کے پیشرو اور کمال عالم مقتدا ہیں آپ کی ملاقات کو آئے تھے۔ مناسب تو یہ تھا کہ آپ گھوڑے سے نیچے

تشریف لاتے۔ پھر ان سے ملاقات کرتے۔ یہ تو کیا نہیں بلکہ اُن سے ہر بار "اور نیچے۔ اور نیچے" فرماتے رہے اس میں فرزند رسول کی توہین ہے۔ حضرت مخدوم کو یہ زیبانہ تھا"۔ یہ بات میر سید محمد رحمۃ اللہ نے بھی سنی۔ ارشاد فرمایا کہ اے ظاہر پر نظر دوڑانے والو! تم کیا جانو کہ حضرت مخدوم نے مجھے کہاں تک کھینچ لیا اور کہاں تک پہنچادیا۔ میں نے جب آپ کی ران کا بوسہ دیا مجھ پر تمام عالم ناسوت منکشف ہوگیا اور جب پائے مبارک پر بوسہ دیا عالم ملکوت مکشوف ہوا اور جب میں نے گھوڑے کا سُم چوما عالم جبروت منکشف ہوا۔ اور جب زمین پر بوسہ دیا تو عالم لاہوت نگاہوں میں سما گیا۔ پھر فرمایا کہ حضرت مخدوم نے ایک لحظہ میں مجھے مقصود تک پہنچادیا اور یہ ظاہر بین لوگ اس کو توہین خیال کرتے ہیں"۔

فراستِ دلِ عارف کہ فیضِ نورِ خدا است
کہ رہ برد کہ بیک دم چہ فیضہا راند
شقی، سعید کند، ہم کند سعید، شقی
بلے محال بہ ممکن کشیدن او داند

عارف کے دل کی فراست جو درحقیقت نورِ الٰہی کا فیضان ہے اُسے کون جان سکتا ہے کہ وہ ایک گھڑی میں کتنا فیض پہنچاتی ہے۔ یہ بدبخت کو نیک بخت اور نیک بخت کو بدبخت کر سکتی اور محال کو ممکن کی جانب کھینچ سکتی ہے۔

مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ روحہ کی مناجات الٰہی اُس وقت کا صدقہ جب تو نے محمود درویش کو پہلے آسمان پر اپنے شیدائیوں میں پکارا۔ الٰہی اُس وقت کا صدقہ جب تو نے محمود درویش کو دوسرے آسمان پر زریں گھوڑے پر سوار کرایا اور یاقوت کی لگام اس کے ہاتھ میں دی۔ الٰہی اُس وقت کا صدقہ جب تو نے محمود درویش کو تیسرے آسمان پر زریں خوان کھانے کا شرف بخشا۔ اور زریں کوزہ میں پانی پلایا۔ الٰہی اس وقت کا صدقہ جب تو نے محمود درویش کی چوتھے آسمان پر سیدنا عیسےٰ علیہ السلام سے ملاقات کرائی۔ الٰہی اُس وقت کا

صدقہ جب تو نے پانچویں آسمان پر محمود درویش کو جمال جہاں آرائی جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمایا۔ الہٰی اُس وقت کا صدقہ جب تو نے چھٹے آسمان پر محمُود درویش سے اللّٰہ یقرأک السلام (اللہ تم پر سلام بھیجتا ہے) فرمایا۔ الہٰی اس وقت کا تصدق جب تو نے محمُود درویش کو ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہٰے تک پہنچایا اور ندا کرائی کہ اے محمود درویش ہم نے تمہیں دوزخ سے نجات دی اور جنت کا عیش تمہیں بخشا۔ اے مالک نہ مجھے عذاب دوزخ کا خوف ہے نہ جنت کی نعمتوں کی خوشی (بس طلب ہے تو یہ کہ) ہمیں وہ آنکھ بخش دے کہ اُس کی ہر نظر کو بہشت بنالوں۔ نَجِّنِیْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِیْ اَنَافِیْہِ۔ نَجِّنِیْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِیْ انافیہ۔ نَجِّنِیْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِیْ اَنَافِیْہِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ میرے معبود! مجھے اُس غم سے نجات دے جس میں مَیں ہوں۔ اس کرب سے نجات دے جس میں مَیں ہوں۔ اُس خطرہ سے نجات دے جس میں مَیں ہوں۔ اپنی رحمت سے اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

حضرت مخدوم کے خلفاء میں سے حضرت مخدوم جہانیاں قدس اللہ رُوحہٗ بھی تھے جن کے کمالاتِ معرفت اور سعاداتِ دولت کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں ہے اور نہ وہ تحریر و تقریر میں سما سکتے ہیں۔ آپ کو مخدُوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ شبِ عید میں حضرت مخدوم شیخ بہاءالدین کے مرقدِ مبارک سے عیدی مانگی۔ آواز آئی کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں مخدوم جہانیاں کا خطاب بخشا ہے تمہیں یہی عیدی بہت ہے۔ اس کے بعد آپ نے مخدوم شیخ صدرالدین کے مزار پر بھی یہی التماس کی۔ آواز آئی کہ تمہاری عیدی وہی ہے جو ہمارے باواجان نے فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مرشد مخدوم شیخ رکن الدین سے عیدی طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری عیدی وہی ہے جو میرے باواجان اور داداجان نے عنایت فرمائی۔ جب آپ وہاں سے باہر تشریف لائے

توجو بھی آپ کو دیکھتا یہی کہتا کہ مخدوم جہانیاں آ رہے ہیں۔
ایک بزرگ نے آپ کے مریدوں کا تذکرہ مناجات کی صورت میں کیا ہے (اور وہ یہ ہے) الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ میں اور اُن کے اُن پندرہ ہزار مریدوں کے طفیل میں جو دانش مند اہل فتوے ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے ان بارہ ہزار سات سو چھپن مریدوں کے طفیل میں جو خلفاء ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے اُن دو ہزار پینتیس مریدوں کے طفیل میں جو غوث ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے ان ایک ہزار نو سو مریدوں کے طفیل میں جو ابدال ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے ان پندرہ ہزار دو سو پانچ مریدوں کے طفیل میں جو اوتاد ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقے اور اُن کے ان سات ہزار سات سو مریدوں کے طفیل، جن کا مُصلّیٰ ہوا میں ہے۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے ان ایک لاکھ بارہ ہزار چھ سو ساٹھ مریدوں کے طفیل، کہ صوفی ہیں اور اہلسنت و جماعت کے پابند۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کی بندگی کے صدقے اور اُن کے ان دس ہزار مریدوں کے طفیل جو وجد و احوال والے ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور اُن کے ان دو ہزار پینتیس مریدوں کے طفیل جو اسلام کے بھیدوں سے واقف ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کے صدقے اور اُن کے ان ایک ہزار سات سو اکتالیس مریدوں کے طفیل جن کے دل حق کے ساتھ مشغول ہیں۔ اگرچہ زبان خلق کے ساتھ مصروف۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے ان نو سو ننانوے مریدوں کے طفیل جنہیں موجودات عالم میں سے کسی موجود کا ہوش نہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے اُن دو سو پنتالیس مریدوں کے طفیل کہ اگر وہ (کوئی) بات کہیں تو دنیا والے انہیں پاگل کہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے ان بیس مریدوں کے طفیل، جو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے ان دو مریدوں

کے طفیل، جن کے چہرہ کے سامنے آفتاب نہیں چمک سکتا۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور ان کے اس ایک مرید کا صدقہ کہ جو پیدا کیا گیا ہے سب اُس کی نظر میں موجود ہے۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے اُن دو مریدوں کا صدقہ جو مخلوق سے بالکل التفات نہیں برتتے۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے ان پانچ سو پچیس مریدوں کے طفیل جو عام بندوں میں خلط ملط ہیں۔ الٰہی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور اُن کے ان دو مریدوں کے طفیل جو قطب ہیں اور جب تک صور نہ پھونکا جائے وہ نہ اُٹھیں گے۔ الٰہی بندگی مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور ان کے ایک لاکھ اٹھاسی ہزار سات سو پانچ مذکورہ بالا مریدوں کے طفیل اس عاجز کو تمام دینی اور دنیوی پریشانیوں سے نجات دے اور ہمیں بہتر بنا دے۔

حضرت مخدوم جہانیاں قدس اللہ روحہ نے سیاحت و مسافرت میں بہت وقت گزارا۔ آپ ایک مرتبہ ایک شہر میں پہنچے اس شہر کے سب چھوٹے بڑے قدم بوسی کے لیے حاضر آئے اور بہت مخلوق جمع ہو گئی۔ ان میں سے بہت سے ہجوم کی وجہ سے قدم کو مَس بھی نہ کر سکے اور صرف دُور ہی سے زمین کو چوم لیا اور واپس ہو گئے۔ حضرت مخدوم اس وقت اپنے حال پر یہ اشعار بار بار پڑھتے ان کو دہراتے اور روتے تھے۔

آنہا کہ خدائے من زمن می بیند گر مُغ بیند، بہ صحبتم نہ نشیند
گر قصۂ خود، پیش سگے برخوانم سگ دامن پوستین، زمن برچیند

وہ چیز جو اللہ تعالٰی مجھ میں دیکھ رہا ہے اگر آتش پرست دیکھے تو میری صحبت میں نہ بیٹھے۔ اور اگر میں اپنی کہانی کتے کے روبرو کہوں تو کتا پوستین کا دامن مجھ سے جھپٹ لے۔" معلوم ہوا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک کثیر مخلوق آپ کی مرید اور معتقد ہو گئی تھی اسی وجہ سے آپ اپنے آپ کو عزت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں کعبۂ مبارکہ میں حاضر تھے آدھی رات کا وقت تھا اور کعبہ معظمہ آپ کو نظر نہ آتا تھا۔ عرض کیا کہ یا الٰہی کعبہ نظر نہیں آیا۔ ارشاد ہوا کہ کعبہ شیخ نصیر الدین محمود کے طواف کے لیے دہلی گیا ہوا ہے۔ آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ سبحان اللہ ہیں تو کعبہ کے طواف کو آؤں اور کعبہ خود اُن کے طواف کو جائے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں بھی انہیں کے طواف کو جاؤں چنانچہ آپ اس جگہ سے چل پڑے اور دل میں تین چیزوں کی نیت کی۔ ایک تو طواف کریں۔ دوسرے ان کے وضو کا پانی پیئیں۔ تیسرے یہ کہ آپ کا چوڈولہ اپنے کاندھے پر لادیں۔ جب آپ دہلی میں حضرت نصیر الدین محمود قدس اللہ روحہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مخدوم قبلہ کی جانب منہ کیے ہوئے وضو فرما رہے تھے۔ مخدوم جہانیاں آپ کے رُوبرو اس نیت سے کھڑے ہو گئے کہ جب آپ وضو اور دوگانہ سے فارغ ہوں تو ملاقات کروں۔ حضرت مخدوم جب سر کے مسح سے فارغ ہوئے تو پیر دھونے کے لیے آپ مشرق کی طرف پھر گئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں بھی سامنے آ گئے اور کھڑے ہو گئے۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے پھر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے بیٹھ گئے اور اپنے مبارک بالوں میں کنگھا فرمانے لگے۔ مخدوم جہانیاں پھر اُسی جگہ پلٹ آئے جہاں پہلے کھڑے تھے اور جب حضرت مخدوم دوگانہ سے فارغ ہوئے تو آپس میں ملاقات کی۔ مخدوم شیخ نصیر الدین محمود نے فرمایا کہ اے فرزندِ رسول تم نے طواف کی نیت کی تھی وہ تو حاصل ہو گیا۔ وضو کا پانی جو اس آبخورہ میں باقی ہے اُسے پی لو۔ اور چوڈولہ اٹھانے کی جو نیت تم نے کی تھی اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنا کاندھا اس کے پائے سے لگا دو۔ اس کے بعد مخدوم شیخ نصیر الدین نے خلافت کی نیت سے ایک تہ بند طلب کیا اور ان کے سامنے رکھ دیا کہ اسے پہن لو۔ اور آپ کا مطلب یہ تھا کہ وہ فرزندِ رسول ہیں۔ ہم اپنی جانب سے ایک کپڑا دیتے

ہیں تاکہ وہ اُسے پہن لیں ۔ مخدوم جہانیاں نے وہ تہہ بند اپنے سر پر باندھ لیا۔

پھر جب مخدوم جہانیاں حالات کی تکمیل اور کمالات کی تحصیل کے بعد مکان پر پہنچے تو آپ کے والد میر سعید احمد قدس اللہ روحہ حیات تھے ، البتہ والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک روز آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ اپنا نکاح فرمالیں ۔ والدِ محترم نے جواب دیا کہ میں تو اب قبر کے کنارے پہنچ چکا ہوں اب نکاح مناسب نہیں ۔ مخدوم نے جواب دیا کہ آپ کی صلب میں ایک قطب ہے آپ کو نکاح ضرور کرنا ہے ۔ میر سعید احمد صاحب نے جواب دیا کہ مجھے اس کمزوری اور بڑھاپے میں کون قبول کرے گا ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں اس میں واسطہ بنوں گا ۔ مخدوم جہانیاں کی نانی حیات تھیں اور ایک لڑکی رکھتی تھیں جو حضرت مخدوم کی خالہ ہوتی تھیں ۔ آپ ان کی خدمت میں گئے اور فرمایا کہ نانی اماں ! میری خالہ کو میرے والد کی زوجیت میں دے دیجئے ۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے والد ضعیف اور بوڑھے ہیں اور تمہاری خالہ کمسن اور نوجوان ہیں کیسے اُن کی زوجیت میں دے دوں ۔ مخدوم نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں ، میرے کہنے سے دے دیجئے ۔ انہوں نے پھر کہا کہ اگر ان کے بچہ پیدا ہو اور تمہاری طرح قطب ہو تو میں اُن کی زوجیت میں دے دوں گی ۔ مخدوم نے کہا خدا کی قسم ، خدا کی قسم اُن کے ایسا بچہ ہو گا جو کونین کا قطب ہے اور اُس کا دنیا میں آنا ضروری ہے ۔ چنانچہ اس قول و قرار پر نکاح ہو گیا ۔ تھوڑی ہی مدت میں مخدوم کی خالہ کو حمل ہو گیا اور میر سیّد احمد قدس اللہ روحہ نے جوارِ رحمت حق میں آرام فرمایا ۔

ایامِ حمل گذر جانے کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا ۔ لوگوں نے مخدوم کو خبر دی کہ لڑکا پیدا ہوا ہے ۔ فرمایا کہ اس کا نام سیّد محمد ہے اور عرف سیّد راجو قتال ہوگا ۔ اُن کو پوری حفاظت کے ساتھ پرورش کرو ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ والدہ کا دودھ نہیں پیتے ۔ فرمایا کہ وہ قطب ہے تنہا دودھ نہیں پیے گا ایک

دوسرا دودھ پلیتا بچّہ ایک جانب ماں کے کردو۔ اس وقت سیّد راجو دوسری جانب سے دُودھ چوسیں گے۔ چنانچہ دودھ پینے کی تمام مدت میں سیّد راجو نے تنہا دُودھ نہ پیا۔ ایک روز لوگ یہ خبر لائے کہ ایک بچّہ کو دُودھ چوسنے کے لیے ایک طرف لگا دیا ہے مگر سیّد راجو دودھ نہیں پیتے۔ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ وہ قطب ہے۔ رمضان کی عظمت کا خیال ہے دن میں دُودھ نہ پیئے گا رات کو پیئے گا۔ سبحان اللہ۔ اَلسَّعِیدُ مَنْ سَعِدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ۔ سعید وہی ہے جو ماں کے پیٹ سے سعید نکلا۔ حضرت سیّد راجو قتال قدس اللہ رُوحہ نے گنتی کے چند سال میں تمام علوم کی تکمیل کرلی۔ اور دولت و نعمت، سعادت اور معرفت جو حضرت مخدوم جہانیاں کو حاصل تھی وہ سب آپ نے میر سیّد راجو قتال کے حوالہ کردی۔

جب حضرت مخدوم جہانیاں کی عمر تمام ہوئی اور آپ نے اس دُنیا سے سفر فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے جوارِ قرب میں مل گئے اور دورِ خلافت میر سیّد راجو قتال قدس اللہ روحہ کو پہنچا تو جس طرح تمام مخلوق عام و خاص حضرت مخدوم جہانیاں سے رجوع رکھتی تھی وہی حال میر سیّد راجو قتال کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک مرتبہ میر سیّد راجو قتال مسلمانوں کی بعض پریشانیوں کی خاطر سلطان فیروز کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ملک سارنگ کو دیکھا۔ آپ نے انہیں پسند فرمایا۔ کچھ تلقین بھی کی۔ یہ ملک بادشاہ کے اُمراء میں سے تھے اور بارہ ہزار سوار اُن کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ فہم و فراست اور عقلمندی و دانائی میں ایسے تھے کہ تعریف نہیں ہوسکتی۔ جب وہ وقت آیا کہ ملک سارنگ دنیاوی کاروبار سے ہاتھ سمیٹ لیں۔ تو ایک رات ایسی آئی کہ آپ کا دل دُنیا کے دھندوں سے بالکل کھٹا ہوگیا اور آپ کا دنیا سے ذرّہ برابر بھی علاقہ نہ رہا۔ آپ بادشاہ سے رخصت ہوکر اپنے مقام پہ واپس آئے اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہوگئے اور ذکر و فکر اور شغل کو پسند کرلیا۔ تمام لوگ اس وقت آپ

کو شیخ سارنگ کہتے تھے۔

حضرت میر سیّد راجو قتال قدس اللہ روحہ نے مقام اُچ سے اُن کے لیے خلافت کا جامہ اور ایک سند روانہ کی۔ جب جامۂ خلافت آپ کو پہنچا، آپ نے قبول کرنا نہ چاہا اور کہا کہ میں ایک نومسلم آدمی ہوں مجھ میں یہ لیاقت کہاں ہے کہ اولیاء اللہ کے کپڑے پہنوں اور ان کے حقوق کی حفاظت کر سکوں۔ چنانچہ جامۂ خلافت کو واپس کر دیا۔ جب وہ کپڑا میر سیّد راجو قتال کے پاس مقام اُچ میں پہنچا تو حضرت میر سیّد راجو قتال نے وہ جامہ پھر آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور ایک خط لکھا کہ یہ جامہ میں نے خود نہیں روانہ کیا بلکہ خدائے قدوس کے فرمان، رسول اللہ کے حکم اور اپنے پیروں کے اشارہ سے روانہ کیا ہے۔ اپنے دل میں کوئی بیہودہ خیال مت آنے دو اور اس کپڑے کو پہن لو کہ تمہارے لیے مبارک ہے۔ اس وقت مخدوم شیخ سارنگ نے وہ جامہ پہنا۔ اُس روز سے جو شخص بھی لکھنؤ کی سرزمین سے حضرت میر سیّد راجو قتال سے بیعت اور ارادت کی خاطر حاضر ہوتا آپ اس کو واپس کر دیتے اور فرماتے کہ میں نے اس جگہ شیخ سارنگ کو نصب کر دیا ہے تم اتنی دور کی راہِ مسافت طے کر کے کیوں آتے ہو وہیں جاؤ اور شیخ سارنگ کے مرید ہو۔

مخدوم شیخ سارنگ مرید تھے حضرت مخدوم شیخ قیام الدین کے۔ یہ شیخ قیام الدین صاحب مخدوم شیخ نصیر الدین محمود کے مرید اور مخدوم جہانیاں کے خلیفہ تھے۔ مخدوم شیخ سارنگ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ شیخ فانی ہو چکے تھے اور ماہِ رمضان کے روزوں کی طاقت آپ میں نہ تھی اور شریعت کی جانب سے روزہ نہ رکھنا آپ کے لیے مباح تھا۔ ایک روز رمضان کے مہینہ میں آپ کچھ کھا رہے تھے اور مخدوم شیخ مینا آپ کے سامنے کھڑے تھے۔ مخدوم شیخ مینا کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اگر حضرت مخدوم اپنا بچا ہوا مجھے دے دیں تو میں اس کو کھا لوں اور ساٹھ روزے قضا کے رکھ لوں۔ مخدوم

نے سر اوپر اٹھایا اور مخدوم شیخ مینا سے فرمایا کہ تم خود قطب ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں ایک غیر مشروع چیز کی اجازت دے دیں۔ ہمارے لیے تو شریعت ہی نے روزہ نہ رکھنا مباح کر دیا ہے۔ اچھی بات ہے رات کو جب ہم کچھ کھائیں گے تو بچا ہوا کچھ تمہیں بھی دے دیں گے۔

حضرت مخدوم شیخ سعد قدس اللہ روحہ نے مجمع سلوک میں لکھا ہے کہ مخدوم شیخ سارنگ کے دو خلیفہ تھے۔ ایک مخدوم شیخ مینا اور دوسرے مخدوم شیخ حسام الدین صوفی جو صاحبِ سجادہ کے نواسے تھے۔

مخدوم شیخ مینا کا واقعہ یوں ہے کہ آپ شیخ قیام الدین کے بھتیجے تھے اور آپ کے والد کا نام شیخ قطب الدین تھا۔ ایک مرتبہ شیخ قیام الدین نے فرمایا کہ شیخ قطب الدین کے گھر میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو گا جو ہمارے خاندان کی مشعل ہو گا، اور اس سے ہمارا نام روشن ہو گا۔ چنانچہ جس وقت مخدوم شیخ مینا پیدا ہوئے اور آپ کی پیدائش کی خبر مخدوم شیخ قیام الدین کو پہنچی تو آپ نے ہندی زبان میں فرمایا کہ "ہاں آؤ ہمارا مورا مینا"۔ اسی بنا پر آپ کا عرف شیخ مینا ہوا۔ آپ کا نام شیخ محمد ہے۔ مخدوم شیخ مینا نے دودھ پینے کی تمام مدت میں (یہ معمول رکھا) اگر ان کی دایہ بے وضو ہوتی تو آپ دودھ نہ پیتے۔ اور جب آپ دو تین سال کے ہوئے تو جس وقت مخدوم شیخ قطب الدین ان کو بغل میں لیتے تو آپ کہتے کہ گھر کی یہ چڑیاں ہمیں دیجئے۔ شیخ قطب الدین چڑیوں سے کہتے کہ آؤ شیخ مینا تمہیں بلاتے ہیں تو وہ آتیں اور حضرت مخدوم کے ہاتھ پر بیٹھ جاتیں اور ان میں اتنی طاقت نہ رہتی کہ بغیر مخدوم کے فرمائے ہوئے اڑ جائیں۔ اُس وقت شیخ قطب الدین ان سے کہتے کہ اب کہہ دو تاکہ چڑیاں چلی جائیں۔ آپ فرماتے اڑ جاؤ، وہ اڑ جاتیں۔

جب آپ مدرسہ جاتے تو چونکہ استاذِ معلم یہ جانتے تھے کہ آپ بھی اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہیں لہٰذا اُن کی تعلیم میں کوشش نہ کرتے۔ دوسرے بچے پڑھتے رہتے اور وہ اپنے کام میں مشغول۔ جب بچوں کی چھٹی کا وقت آتا اور

سب بچے مل کر اُستاد کو سلام کرتے تو مخدوم شیخ میناؔ اس آواز پر چونکتے اور اُستاد کو سلام کر کے واپس آجاتے۔ جب آپ کی عمر دس سال کی ہوئی تو اس زمانہ میں میر سیّد راجو قتال کا ایک غلام لکھنؤ آیا ہوا تھا جسے معرفت میں کمال حاصل تھا۔ اُس نے جب مخدوم شیخ میناؔ کو دیکھا تو بعض اشغال تلقین کر دیے۔ جب آپ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو قطب ہو گئے اور اُن کی قطبیت کو قاضی شہاب نے ظاہر کیا۔

یہ قاضی شہاب مقام چنیلائی کے رہنے والے اور شاہ مدار کے مرید تھے۔ ان کا خطاب قاضی شہاب پرکالۂ آتش تھا۔ آپ اپنے پیر کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ جب لکھنؤ پہنچے تو لکھنؤ کے بہت سے لوگ ان کی ملاقات کو آئے اور جو اہم کام اور حاجت رکھتے تھے اُسے بیان کیا۔ قاضی شہاب الدین نے فرمایا کہ میں اپنے پیر کی خدمت میں جا رہا ہوں تم سب اپنی اپنی حاجتیں مجھ سے بیان کر دو تاکہ سب لکھ کر پیر کے سامنے پیش کر دوں۔ یہ بات سب نے قبول کر لی اور قاضی شہاب نے کاغذ پر لکھ لیا کہ فلاں کی یہ حاجت ہے اور فلاں بن فلاں کو اس کی ضرورت ہے۔ غرض ہر ایک کی حاجت لکھ کر لے گئے۔ جب وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو ضرورت مندوں کے کاغذات پیر کی خدمت میں پیش کیے۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ قاضی شہاب تمہیں خبر نہیں ہے وہ ولایت شیخ میناؔ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ ان تمام لوگوں سے کہو کہ شیخ میناؔ کی جانب رجوع کریں۔ قاضی شہاب نے عرض کیا کہ شیخ میناؔ کون بزرگ ہیں۔ میں تو جانتا بھی نہیں۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ ابھی وہ کم عمر ہیں اُن کی عمر بارہ تیرہ سال ہے پھر ان کی شکل و شباہت بیان کر دی اور فرمایا کہ وہ قطب ہیں اور یہ انہیں معلوم نہیں کہ یہ ولایت انہیں کو سونپ دی گئی ہے اور وہاں کے لوگوں کو بھی اُس کی خبر نہیں۔ تم جاؤ اور سب لوگوں کو اس کی خبر دے دو اور سب حاجتمندوں کو اُن کے پاس لے جاؤ۔ خود بھی جاؤ اور ان سے ملاقات کرو اور میری جانب

سے دعا سلام کہہ دینا۔ ایک مصلّٰے دیا کہ یہ ہدیہ میری جانب سے مخدوم کو دے دینا۔

جب قاضی شہاب لکھنؤ پہنچے تو سب حاجت مند جمع ہو گئے۔ قاضی شہاب نے کہا کہ میرے پیر نے یوں فرمایا ہے کہ یہ ولایت شیخ مینا کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ ان اطراف کے وہ قطب ہیں۔ تم اپنی تمام ضرورتوں میں انہیں کی طرف رجوع کرو۔ پھر قاضی شہاب تمام حاجت مندوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے ملاقات کی اور پیر کی جانب سے دعا سلام اور وہ مصلّٰی پیش کیا۔ سب حاجت مندوں کی سفارش کی اور خود تو لوٹ آئے! حاجت مند وہیں موجود رہے۔ ایک حاجت مند جلدی سے اُٹھا اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا بہت سخت بیمار ہے اور اس کا مرض بہت بڑھا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کاغذ اور دوات حاضر کرو۔ لوگوں نے حاضر کر دی۔ آپ نے ہر ایک حاجت مند کو ایک دعا اور تعویذ لکھ دیا اور وہ شخص جس نے سب سے پہلے اپنا حال عرض کیا تھا ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ بابا صبر کرو۔ میں نے خدائے تعالٰے سے اُس کے لیے بہت شفا مانگی مگر کچھ فائدہ نہ نہ ہوا اور یہ حکم ہوا کہ اس کی عمر اتنی ہی تھی اور یہ سورٹھ پڑھا۔

ٹوٹی برت اکاس جتیا جوروں نا جُرے
جن سُرجَن کی آس تنے سُرجَن درجن بھئی

اس سورٹھ کے معنی فارسی میں یہ ہوئے۔

رَسن گسستہ ز بالائی توانم بست
کہ دوست دشمنی انگیخت، دوستی بشکست

یعنی جو رسّی اوپر سے گھِس چکی ہے وہ میں نہیں جوڑ سکتا کہ جس دوست نے نافرمانی اختیار کی اُس نے دوستی توڑ دی۔ اس طرح آپ کی حالت معرفت میں دِن بدن ترقی کرتی رہی۔ اس وقت آپ شیخ سارنگ کی خدمت میں تشریف لے

گئے اور مرید ہو گئے اور سالوں تک آپ کی خدمت کرتے رہے۔ ایک مرتبہ شیخ سارنگ نے مخدوم کو ایک شہر میں بھیجا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور جو کام تھا اُسے پورا کر کے واپس تشریف لائے اور شیخ سارنگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مخدوم شیخ سارنگ نے دریافت کیا کہ اس شہر میں ایک عارف و کامل مرد ہیں اُن سے بھی ملاقات کی تھی۔ عرض کی۔ نہیں۔ مخدوم نے فرمایا کہ جب کسی شہر میں جانا ہو اور اس جگہ کوئی درویش عارف و کامل ہو تو اُس سے ملاقات کرنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے۔ مخدوم شیخ مینا نے یہ بیت پڑھی۔

ہمہ شہر پُر ز خوباں من و در خیال ماہے　　چہ کنم کہ چشم بد خو نہ کند بکس نگاہے

یعنی تمام شہر خوب صورتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور میں ایک چاند کے خیال میں ہوں۔ ہاں کیا کروں اگر بُری عادت والی آنکھ کسی اور کو نہ دیکھے۔ ایک مدت کے بعد شیخ سارنگ نے آپ کو جامۂ خلافت عطا فرمایا اور رخصت کر دیا کہ جاؤ اپنے مقام پر مشغول ہو۔

حضرت مخدوم شیخ مینا کے دو خلیفہ تھے۔ ایک تو آپ کے بھتیجے جن کا نام شیخ قطب الدین تھا اور آپ نے انہیں صاحبِ مقام فرما دیا دوسرے مخدوم شیخ سعد۔

مخدوم شیخ سعد کا واقعہ یوں ہے کہ آپ قاضی بدھن کے صاحبزادے تھے اور قاضی بدھن قصبۂ انام کے حاکم تھے۔ آپ نے جب مخدوم شیخ سعد کو مکتب میں بھیجا تو آپ روزانہ اپنا سبق یاد کر لیتے اور اُسے رات میں ایک ہزار مرتبہ پڑھتے۔ آپ نے قرآن شریف بھی اسی طرح حفظ کیا کہ آپ تھوڑا تھوڑا یاد کرتے رہے۔

منقول ہے کہ ایک رات آپ کے چراغ میں تیل باقی نہ رہا۔ والدہ کے پاس آ کر رونے لگے کہ آج میں اپنا سبق کس طرح پڑھوں۔ کہری کا ایک بوجھ موجود تھا۔ آپ کی والدہ نے کہا کہ میں دو دو تین تین شاخیں لے کر جلاتی ہوں۔ تم اس کی روشنی میں اپنا سبق یاد کر لو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ کہری کا تمام بوجھ جل

گیا اور آپ نے اپنا سبق کئی مرتبہ پڑھ لیا۔ آپ کبھی کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں بھی لگ جاتے۔ جب قرآن ختم ہوا اور آپ نے کتاب شروع کی تو کھیل کود کی بہت سی چیزیں تھیں سب بچوں کو بخش دیں اور فرمایا کہ ہم آج کی تاریخ سے کھیل کود میں نہ لگیں گے اور علم کے حاصل کرنے میں لگیں گے۔ چنانچہ آپ نے چند سال میں تمام علوم کو حاصل کر لیا اور بڑے علماء میں شمار ہونے لگے۔ اس کے بعد آپ مخدوم شیخ مینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے اور پیر کی خدمت میں رہنے لگے۔ اور پیر کی درگاہ میں تربیت اور پرورش پاتے رہے اور آپ کے پیر صاحب نے بھی آپ پر بڑی مہربانیاں اور نوازشیں فرمائیں جب حضرت شیخ مینا کا انتقال ہوا۔ یہ دونوں حضرات لکھنؤ ہی میں رہے۔ اور جب تک آپ وہاں رہے کوئی شخص شیخ قطب الدین کی خدمت میں نہ جاتا۔ حالانکہ آپ وہاں کے صاحب سجادہ تھے اس وقت مخدوم شیخ مینا نے مخدوم شیخ سعد سے خواب میں فرمایا کہ تم خیر آباد چلے جاؤ۔ آپ اس خواب کے بموجب خیر آباد تشریف لے گئے اور سب سے پہلے شیخ سلیم چودھری کے مکان پر قیام فرمایا۔ شیخ سلیم مخدوم شیخ مینا کے مریدوں میں تھے۔ اس زمانہ میں خیر آباد ایک شخص کی ولایت میں تھا جن کا نام راجی موسیٰ تھا۔ شیخ سلیم انہیں کی مجلس میں تھے۔ کہ مخدوم شیخ سعد کے آنے کی خبر سنی آپ جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ راجی موسیٰ نے پوچھا کہ اس عجلت کا باعث کیا ہے۔ فرمایا کہ مخدوم شیخ سعد میرے پیر کے خلیفہ تشریف لائے ہیں ان کی قدمبوسی کے لیے جلدی میں اٹھ رہا ہوں۔ اتفاق سے انہیں دنوں میں بارش عرصہ سے نہ ہوئی تھی۔ راجی موسیٰ نے کہا کہ ہم نے اتنے بزرگوں کو دیکھا مگر کوئی ایسا نہ ملا کہ اُس کی دُعا سے بارش ہو جاتی۔ شیخ سلیم نے کہا کہ اس قسم کی بیہودہ باتیں زبان سے نہ نکالو۔ مخدوم شیخ سعد ایسے بزرگ نہیں کہ کسی کو اُن کی شان میں یوں گستاخی کرنے کی مجال ہو۔ راجی موسیٰ نے پھر کہا کہ میں خود بھی تو کہہ رہا ہوں۔ اس پر بہت بات بڑھ گئی۔ آخر کار

شیخ سلیم نے کہا کہ اگر بارش ہو جائے تو کیا کرو گے ؟ کہا کہ میں ننگے پیر دوڑوں گا اور ان کا مرید ہو جاؤں گا ۔ شیخ سلیم نے کہا کہ اچھی بات ہے اب مجھے رخصت کر دو۔ غرض آپ آئے اور مخدوم کی پا بوسی کی ۔ مخدوم کے ہمراہ تین صوفی اور دو قوال بھی تھے ۔ کھانے کے لیے جو کچھ تھا تیار کیا اور آپ کی بہت زیادہ عزت و تعظیم کی عشاء کی نماز کے بعد شیخ سعد پلنگ پر آرام کی خاطر لیٹ گئے ۔ شیخ سلیم پلنگ کے قریب بیٹھے تھے ۔ سلسلہ کلام جاری تھا ۔ شیخ نے عرض کیا کہ یہ شخص جسکی ولایت میں خیر آباد ہے اس کا نام راجی موسیٰ ہے ۔ آدمی نیک اور صالح ہے ۔ پرہیز گار اور دیندار بھی ہے ۔ اور عادتیں بھی اچھی ہیں مگر اس نے ایک عجیب بات کہی ہے ۔ مخدوم نے جواب دیا کہ وہ کیا ؟ کہا کہ جب میں مخدوم کی خبر سن کر جلدی سے اُٹھا اس نے کہا کہ جلدی کس بات کی ہے ۔ میں نے حضور کی آمد کی خبر دی اس نے کہا کہ میں نے اتنے بزرگوں کو دیکھا ہے مگر کوئی ایسا نہ ملا کہ اس کی دُعا سے بارش ہوتی ۔ میں نے اُسے اس بات سے منع کیا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے ۔ ہم میں اتنی لیاقت کہاں ہے کہ ہماری دُعا سے کوئی کام بن جائے اور بارش ہونے لگے ۔ تم نے اُس سے کیوں جھگڑا کیا ۔ شیخ سلیم نے جواب دیا کہ حضور اب تو مجھ سے یہ جواب دہی اور ضد ہو چکی مخدوم نے پھر فرمایا کہ اس معاملہ میں وہ حق پر ہے ۔ مجھ نامراد میں یہ اہلیت کہاں کہ میری دعا قبول ہو ۔ ہاں اللہ تعالیٰ رؤف الرحیم اور کرم گستر ہے ۔ اگر بارش نازل فرمائے تو یہ اُس کا لُطف و کرم ہے ۔ حضرت مخدوم کے مُنہ سے جونہی یہ الفاظ نکلے چاروں طرف سے بادل اُٹھا ۔ بدلیاں گھر گئیں اور تمام رات ولایت خیر آباد میں بارش ہوتی رہی ۔ جب دن نکلا تو صبح کی نماز سے فارغ ہو کر شیخ سلیم موسیٰ راجی کے مکان پر پہنچے اور کہا کہ موسیٰ راجی کو خبر دو کہ شیخ سلیم دروازہ پر کھڑا ہے ۔ راجی موسیٰ گھر سے ننگے پیر دوڑے اور چاہا کہ حضرت مخدوم سے ملاقات کے لیے ننگے پیر پیدل چل کر ملوں ۔ شیخ سلیم نے کہا کہ تم گھر سے

ننگے پیر چل کر یہاں تک پہنچے ہو۔ یہی کافی ہے (بات یہ ہے کہ) حضرت مخدوم بہت زیادہ منکسر المزاج ہیں۔ تم پیدل چل کر اُن سے ملو گے تو انہیں بہت غیرت و حیا آئے گی جس سے اُنہیں تکلیف ہو گی۔ سوار ہی ہو کر چلو۔ راجی موسیٰ نے کہا کہ "نذرانہ کتنا لے چلوں"۔؟ شیخ سلیم نے کہا کہ یہ مجھ سے مت پوچھو۔

راجی موسیٰ نے اب اپنے ساتھ کئی ہزار نقد سکہ اور خیر آبادی کپڑے کثرت سے نذرانہ کی نیت سے لیے اور خیر آباد کا فرمان ولایت بھی ہمراہ لیا۔ اور اپنے تمام بھائیوں کو، ان کی اولاد کو، اپنے فرزندوں کو اور تمام رشتے داروں اور کنبے والوں کو اپنے ساتھ لے کر راجی موسیٰ بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے قدمبوسی کا شرف حاصل کیا اور تمام لوگ مرید ہو گئے۔ اس کے بعد وہ نذرانہ پیش کیا۔ بعدہٗ راجی موسیٰ نے خیر آباد کا فرمان حضرت مخدوم کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ یہ فرمان جسے حضور مناسب جانیں عطا فرمادیں۔ حضرت مخدوم نے اس فرمان کو پڑھا پھر لپیٹ دیا اور راجی موسیٰ سے فرمایا کہ یہ فرمان تمہارے پاس رہے گا۔ ہم جسے کوئی چیز دلوائیں گے تو نوشتہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔ راجی موسیٰ نے نہایت تعظیم کے ساتھ اس فرمان کو واپس لیا۔ اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا اور قبول کر لیا۔

مخدوم قدس اللہ روحہ نے اپنے مکانوں اور عمارتوں کی بنیاد رکھی اور اپنے تمام گھر والوں، رشتہ داروں اور کنبہ والوں کو خیر آباد میں بلا لیا۔ اب چاروں طرف سے لوگوں نے آپ کی خدمت میں آنا شروع کیا۔ کوئی بیعت کی نیت سے آیا کوئی علم حاصل کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوا۔ کسی نے طلب مولےٰ کی نیت کی۔ کوئی ملاقات ہی کی خاطر حاضری سے مشرف ہوا۔ غرض اسی طرح کے لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے۔ مخدوم شیخ سعد نے لنگر خانے معین کر دیے جس میں ہر قسم کے کھانے تیار ہوتے اور تمام مخلوق انہیں کھاتی

پھر نذرانے بڑی کثرت سے آنے لگے۔ اور سب اسی طرح مصرف میں خرچ ہوتے رہے۔

دست خاقانے دولاب رواں را ماند بیکے دست در آید بدگر دست رود

خاقان یعنی شاہ مزاج کا ہاتھ دولاب (رہٹ) کی طرح چلتا رہتا ہے کہ ایک ہاتھ سے آتا ہے اور دوسرے سے خرچ ہوجاتا ہے۔ جس روز حضرت مخدوم قدس اللہ روحہ نے اس دُنیا سے کوچ فرمایا تو اتنا نہ تھا کہ کفن (آسانی سے) مہیا ہوجاتا چنانچہ لوگوں نے کہا ہے کہ

جملہ در بازو فروکش پائے راست گر کفن را ہیچ نگزاری رواست

ہاتھوں میں جو کچھ ہے سب ٹھوکروں کے لیے ہے۔ اگر کفن کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھو تو جائز ہے۔

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر لودھی نے حضرت مخدوم کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا کہ میری آرزو یہ ہے کہ حضرت سے ملاقات کروں مگر خود حاضر ہو نہیں سکتا اس لیے کہ اگر میں آتا ہوں تو میرے ساتھ ایک بڑا لاؤ لشکر ہوگا اور اس سے ملک کو نقصان پہنچے گا۔ اگر حضرت مخدوم ہی قدم رنجہ فرمائیں تو بندہ سرفراز ہو جائے۔ مخدوم روانہ ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ایک کشتی میں سوراخ کرو اور اس میں ایک کیل اچھی طرح گاڑ دو اور جس وقت مخدوم سعد آئیں اس کشتی پر انہیں سوار کرو۔ اور جب کشتی ڈوباؤ پانی میں پہنچے تو وہ کیل آہستہ سے کھینچ لو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر خدائے تعالیٰ کی عنایت سے وہ ڈوباؤ پانی، پایاب ہوگیا۔ کشتی زمین پر بیٹھ گئی اور پانی لوگوں کی پنڈلیوں تک آگیا۔ اُس وقت سلطان سکندر نے راجی موسیٰ سے کہا کہ وہ کشتی جس میں تمہارے پیر سوار تھے۔ سُنا گیا ہے کہ ڈوب گئی۔ راجی موسیٰ نے کہا کہ بادشاہ سلامت وہ خبر نہیں ہوگی جو آپ نے سُنی۔ میرے پیر تو ایسے آدمی ہیں کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ان کی کشتی میں سوار ہو کر ساحل نجات تک

پہنچایں گے۔ اسی اثنا میں لوگ یہ خبر لائے کہ جس کشتی پر مخدوم سوار تھے وہ ڈوبا ؤ تک پہنچ چکی تھی مگر پانی کم رہ گیا اور کشتی زمین پر بیٹھ گئی۔ غرضیکہ مخدوم بادشاہ کے یہاں تشریف لائے اور باہم ملاقات ہوئی اور آپ بہت مدت تک وہاں رہے۔
اسی زمانہ میں کہیں لٹیروں نے مسلمانوں کا ایک گاؤں لوٹ لیا تھا اور اس گاؤں کی تمام چیزیں بادشاہ کے لشکریوں میں ہر بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اِدھر حضرت مخدوم کی خدمت میں بڑے بڑے کھانے آتے۔ بہت لوگ جمع ہوتے اور ان کھانوں کو کھاتے۔ مخدوم بھی مجلس میں تشریف فرما ہوتے مگر کچھ نہ کھاتے اس لیے کہ اس کھانے کے حلال ہونے میں کچھ شبہ تھا اور اس کی کسی کو خبر بھی نہ ہوتی کہ مخدوم کچھ تناول نہیں فرماتے۔ بارہ روز اسی حالت میں گذر گئے۔ بارھویں روز بندگی قاضی محمد منّ اللہ کو یہ بات محسوس ہوئی کہ حضرت مخدوم نے اس مدت کچھ نہیں کھایا ہے۔ بادشاہ کے لشکر میں ایک امیر تھا کہ بادشاہ کا مقرب تھا۔ رزقِ حلال میں بڑی احتیاط برتتا تھا۔ آٹا، چاول، گھی، بکری کا بچہ، بکری اور اس کے علاوہ تمام چیزیں اُس کے گھر سے آتیں یہاں تک کہ استنجے کے ڈھیلے بھی اُسی کے گھر سے آتے۔ بندگی قاضی محمد منّ اللہ خود اس امیر کے مکان پر گئے۔ وہاں سے کچھ کھانا لے کر آئے اور حضرت کو کھلایا۔ آپ کے لیے یہ بھی دل پر ایک چوٹ تھی کہ آپ اس کو برداشت کرتے رہے۔

در وُسعِ آدمی نبود، آنچہ کردہ اند   ایشاں مگر ز طینتِ انساں نبودہ اند

یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں عام آدمی کے اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ والے عام انسانی عادت و طبیعت ہی نہیں رکھتے۔

غرض جب وہ وقت آیا کہ آپ بادشاہ سے رخصت ہوں اور آپ نے بادشاہ سے اجازت چاہی تو بادشاہ نے آپ کو تنہائی میں بلایا کہ وہاں بادشاہ شیخ جمالی کنبوہ اور دو تین آدمی اور تھے۔ لوگ آپ کو وہاں لے کر پہنچے۔ مخدوم کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت مخدوم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اس سنت کو ادا نہیں کرتے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت مخدوم ابھی جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ شیخ جمالی نے بات چیت میں پہل کی اور کہا کہ شاید آپ میں مردمی کم ہے۔ مخدوم نے فرمایا کہ "تمہیں زیادہ چاہیئے"۔ بادشاہ شرمندہ ہوا کہ شیخ جمالی نے ناحق بات کہہ دی اور جب حضرت مخدوم وہاں سے رخصت ہو گئے تو بادشاہ نے شیخ جمالی کو بہت بُرا بھلا کہا اور کہا۔

نہ ہر جائی مرکب تواں تاختن　　　　که جا ہا سپر باید انداختن

کہ ہر جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جا سکتا۔ بہت سی جگہیں ہیں کہ وہاں ڈھال ڈالنی پڑتی ہے۔

وہ بات جو حضرت مخدوم نے فرمائی کہ "تمہیں زیادہ چاہیئے" اس کا اثر یقیناً ظاہر ہو گا"۔ چنانچہ یہ بات علم میں آچکی کہ شیخ جمالی بدکاری میں مشہور ہو گیا تھا اور اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔ الغرض حضرت مخدوم جب خیر آباد پہنچے تو ہر طرف سے آپ کے مریدین اور معتقدین آنے اور آپ کی قدمبوسی کرنے لگے۔

حضرت مخدوم قدس اللہ روحہ کے خلفاء بہت زیادہ تھے اور آپ کے تمام خلفاء عالم و فاضل اور اُن میں بعض عالم و حافظ بھی تھے۔ مخدوم شیخ صفی کی عمر بارہ یا تیرہ سال کی تھی کہ آپ بھی مخدوم کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو کر علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ سر پہ ٹوپی، کاندھے پر چادر اور بدن پر تہ بند رہتا اور تحصیل علم میں مشغول رہتے۔ ایک روز حضرت مخدوم کی نظر آپ پر پڑی۔ فرمایا یہ کون سا بچّہ ہے۔ اُن کو بلایا اور دریافت کیا کہ میاں تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا کہ میرا نام عبدالصمد ہے اور عرف میں مجھے صفی کہتے ہیں۔ فرمایا کہاں رہتے ہو۔ کہا ساٹھیپور میں۔ فرمایا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ عرض کیا علم الدین۔ حضرت مخدوم کو علم الدین کے واقعات معلوم تھے۔ فرمایا کہ اور کسی کے پاس مت پڑھا کرو۔ ہم سے پڑھو ہم تمہیں پڑھائیں گے۔ آپ حضرت مخدوم کی خدمت میں رہتے اور علم حاصل کرتے۔ زمانہ گذر گیا۔ ایک روز

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صفی تم کھانا مطبخ سے کھاتے ہو؟ - عرض کیا جی ہاں - فرمایا مطبخ سے مت کھاؤ جو کچھ کھاؤ ہمارے ساتھ کھاؤ" اور اس معاملہ میں بہت زیادہ تاکید اور احتیاط کا حکم دیا - مخدوم کی عادت یہ تھی کہ آپ تین تین چار چار پانچ پانچ روز کے بعد کھانا تناول فرماتے اور اس کی کسی کو خبر بھی نہ ہوتی - جب کوئی محبوب مہمان آتا مخدوم اُس کے ہمراہ کھانا کھا لیتے اور اسی وقت شیخ صفی بھی کچھ کھا لیتے - مختصر یہ کہ شیخ صفی بھوک کی شدت برداشت کرتے - خالی پیٹ رہنے کی مشقت جھیلتے، اس کے باوجود دن رات مخدوم کی خدمت میں حاضر رہتے -

ایک مرتبہ آدھی رات کا وقت تھا کہ مخدوم نے شیخ صفی سے فرمایا کہ اس وقت کہیں مولی بھی مل سکتی ہے - آپ نے یہ جواب نہ دیا کہ آدھی رات کا وقت ہے نہ یہ کہا کہ یہ موسم اس کا نہیں اور اس موسم میں مولی پیدا نہیں ہوتی - بلکہ فوراً یہ عرض کیا کہ جاتا اور تلاش کرتا ہوں - پھر خیر آباد کی گلی گلی میں پھرتے رہے اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک جاتے - تمام لوگ اپنے گھر بند کر کے سو چکے تھے - اس وقت مولی کا حال کس سے پوچھیں - تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور رونے لگے - ایک شخص اپنے گھر میں سونے سے اُٹھا اور بیوی سے کہنے لگا کہ کوئی دردمند ہے رو رہا ہے - دیکھنا چاہیے کہ کیا بات ہے - پھر اُٹھ کر آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے مولی کی ضرورت ہے - اس شخص نے کہا کہ یہ تو مولی کا موسم بھی نہیں - اتنے میں دو تین آدمی اور بھی آ گئے - ایک عورت نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کے آنگن میں مُولی اُگی ہوئی دیکھی ہے - تمام لوگ وہاں گئے اور اُس گھر والوں کو جگایا - مخدوم شیخ صفی بھی اُن کے ساتھ گئے - صاحبِ خانہ نے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں - لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں مولی کی ضرورت ہے اور سُنا ہے کہ تمہارے گھر میں موجود ہے - اُس نے جواب دیا کہ ہاں ہے - غرض لوگ دو مولی لے آئے اور پاک پانی سے دھو کر شیخ صفی کو دے دیں - اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے - مخدوم شیخ

صفی وہ دونوں مولی لے کر مخدوم شیخ سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مخدوم نے فرمایا کہ تمہاری وجہ سے ہر مشکل کام اور ہر اڑی بات جو کسی وقت آپڑیگی۔ آسان ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جب مخدوم شیخ سعد نے آپ کو چلہ کشی کے لیے بٹھایا تو تیسرے روز فتوح وکشادگی کے دروازے کھل گئے۔ تمام علویات وسفلیات آپ پر منکشف ہو گئے اور آپ مردانِ خدا کے مقامات عالیہ پر ترقی کر کے پہنچ گئے۔ پھر جب انہیں جامۂ خلافت عنایت فرمایا تو آپ تمام خلفاء پر سبقت لے گئے اور مقام اَلسَّابِقُوْنَ اَلسَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (یعنی سبقت کرنے والے سبقت کرنے والے ہیں اور یہی ہیں خدا تک پہنچے ہوئے) تک پہنچ گئے۔ آپ مخدوم شیخ سعد کی خانقاہ میں بیٹھتے۔ لوگ آپ سے بیعت کرتے اور مرید ہوتے۔ مخدوم کے بعض خلفاء اس چیز سے حسد کرنے لگے اور مخدوم شیخ سعد تک یہ خبر پہنچائی کہ شیخ صفی، مخدوم کی خانقاہ کے آداب کا خیال نہیں رکھتے اور خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ مخدوم شیخ سعد نے فرمایا کہ اے لوگو تم مخدوم شیخ صفی کو پہچانتے نہیں۔ شیخ صفی میرے مقامات سے ترقی کر کے میرے پیر کے مقامات تک پہنچ چکے ہیں''۔

''حاسدوں کا یہ حسد بڑھتا رہا اور جب مخدوم شیخ سعد کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ نے اپنے بھتیجے کو جن کا نام شیخ محمود تھا اپنا جانشین کر دیا تو حاسدوں نے مخدوم شیخ صفی کی شکایت، شیخ محمود تک پہنچائی اور چغلی کھانے لگے۔ یہاں تک کہ شیخ محمود صاحبِ سجادہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ مگر حاسدوں کا حسد اپنی جگہ رہا۔ جب مخدوم شیخ صفی اپنے پیر کے عرس میں خیر آباد حاضر ہوتے تو آپ کے ساتھ صوفیوں، طالب علموں، معتقدوں اور قوالوں کا ایک بہت بڑا گروہ ہوتا۔ حسد کرنے والے انتہائی حسد سے بری باتیں منہ سے نکالتے جس سے حضرت مخدوم کے دل کو تکلیف پہنچتی۔ فرمایا کہ میں ہر سال اپنے پیر

کے عرس میں حاضر آتا ہوں کہ مزارِ مبارک کا طواف کروں اور اُن کے خلفاء کی قدمبوسی کروں اور یہ لوگ میری طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب خیر آباد نہ آؤں گا۔ اور اس تاریخ سے پھر کبھی خیر آباد نہ آئے۔

حاسداں را، از حسد در تن رگیست — چو دُمِ کژدُم، ہمیں جُنبد بہ نیش
جنبشِ دُم کژدماں را عادتیست — زو شود، مردِ سلیم از درد ریش

حاسدوں کے بدن میں حسد کی ایک رگ ہوتی ہے جیسے کہ بچھو کا ڈنک جو ہر وقت ہلتا رہتا ہے۔ بچھو کی طرح ڈنگ رکھنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ حرکت میں رہیں جس سے کہ صحیح آدمی درد کی وجہ سے زخمی ہو جائے۔

حضرت مخدوم شیخ صفی کے تمام خلیفہ اہلِ علم تھے اور آپ نے کسی جاہل کو خلافت نہ دی۔ یہ فقیر بھی شیخ صفی کا مرید ہے اور مخدوم شیخ حسین سے خلافت رکھتا ہے۔ یہ مخدوم شیخ حسین، شیخ صفی کے ایک خلیفہ تھے مخدوم شیخ حسین کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ پہلے آپ ایک مالدار، وجاہت والے اور دور رَس آدمی تھے۔ تیر اندازی، چوگان اور سپاہ گری کے باقی فنون میں ایسے کامل تھے کہ بادشاہوں سے بھی آپ کا حال پوشیدہ نہ تھا۔ بخشش کا یہ عالم تھا کہ سونا چاندی، آپ کے نزدیک پتھروں اور ڈھیلوں کے برابر تھے اور گھوڑے آپ کی نظر میں گایوں اور بکریوں کی مانند۔ آپ پر اچانک لطفِ خداوندی کا جذب طاری ہوا اور آپ کو تمام دنیاوی گندگیوں سے پاک کر دیا۔ آپ نے اپنا تمام سامان لٹا دیا اور لوگوں کو سونپ ڈالا اور خود مجذوبِ مطلق ہو گئے۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے اُن کے دل میں کچھ باقی نہ رہا۔ اسی حالت میں آپ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئی تھیں کہ لوگوں کے دل کی چھپی باتیں بھی معلوم کر لیتے۔ چند سال تک آپ دنیا کے گوشوں میں سیاحت فرماتے رہے۔ نیت یہ تھی کہ کوئی ایسا پیر مل جائے جو اللہ کا راستہ دکھلائے۔ آپ جس درویش کو سنتے اور جس بزرگ کو دیکھ لیتے۔

اس کی طرف متوجہ ہوتے۔ تھوڑی مدت کے بعد ہی انہیں معلوم ہوجاتا کہ وہ اسرار سے خالی ہے تو اسے چھوڑ دیتے۔ بعض اوقات آپ اپنے آپ سے گزر جاتے اور جذب کی حالت میں شراب اور بھنگ پی بیٹھتے۔ کبھی کبھی اللہ تعالٰی کی بارگاہِ قرب کا شوق اتنا غالب آجاتا کہ آپ ہلاکت کے قریب ہوجاتے اُس وقت آپ سے شراب اور بھنگ کے شوق کا غلبہ اتر جاتا اور آپ ہلاکت سے بچ جاتے۔ گویا یہی شراب اور بھنگ آپ کے لیے دوا بن چکی تھی۔ مست ہاتھی بھی آپ کے مقابلہ پہ نہ آسکتا اور بھاگ جاتا۔ جو بات چیت آپ کرنا چاہتے اُسے شعروں اور دوہروں میں ادا کرتے اور بغیر تامل و غور کے آپ بیت اور دوہرہ فی البدیہہ کہہ لیتے کہ اگر میں اُن سب کو لکھنا چاہوں تو تحریر بڑھ جائے۔ ہاتف کی آواز دو مرتبہ آپ کے کان میں پہنچ چکی تھی۔ کہ آپ کا گزر کاکوری میں ہوا۔ حضرت قاضی محمد مِنّ اللہ کا چرچا سُنا۔ اُن سے ملاقات کی۔ کچھ دن اُن کی خدمت میں رہے۔ عقیدت سے اُن کی طرف متوجہ ہوئے ایک رسالہ جو قاضی محمد مِنّ اللہ نے لکھا تھا اُسے دیکھا اور پسند فرمایا اور دل میں یہ خیال کیا کہ اگر قلم اور کاغذ ہوتا تو یہ رسالہ میں نقل کر لیتا۔ بندگی قاضی محمد نے کاغذ اور دوات حاضر کی۔ مخدوم نے وہ رسالہ لکھ کر لے لیا مگر اب بھی آپ کو بالکلیہ اعتقاد نہ ہوا تھا اس لیے کہ آپ کو اُن کے دلی ارادوں کی بھی خبر تھی۔

آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور دہلی پہنچے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضہ پہ حاضر ہوئے اور رات کو کچھ مراقبہ کر کے سو رہے کہ آج حضرت خواجہ مجھ سے کیا فرماتے ہیں۔ میں کیا کروں اور کس کے پاس جاؤں۔ حضرت خواجہ نے خواب میں فرمایا کہ "ہم نے تمہیں چشتیوں کے حوالہ کیا" جب آپ سوتے سے اُٹھے تو خیال ہوا کہ دنیا میں چشتی تو بہت ہیں مجھے کون سے چشتی پیروں کے حوالے کیا ہے۔ دوسری رات بھی مراقبہ کر کے سو گئے حضرت

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی خود خواب میں تشریف لائے اور ایک روٹی کا ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں تھا انہیں دے کر فرمایا کہ "ہم نے تمہیں شیخ میناکے فرزندوں کے حوالہ کیا"۔ صبح کی نماز کے بعد جب آپ چلنے لگے تو ایک فقیر ایک کاک یعنی روغنی کلچہ لایا اور انہیں دیا کہ حضرت مخدوم نے عنایت کیا ہے۔ آپ شہر قنوج میں پہنچے اور لوگوں سے پوچھا کہ مخدوم شیخ مینا کے خلفاء میں کون کون حیات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مخدوم شیخ مینا کے خلیفہ مخدوم شیخ سعد تھے اور ان کے دو خلیفہ حیات ہیں۔ ایک قاضی محمد مَنّ اللہ کاکوری ہیں اور دوسرے مخدوم شیخ صفی (قدس اللہ روحہما) سائیپور میں۔ دل میں سوچا کہ قاضی محمد مَنّ اللہ سے تو واقف ہوں پہلے میں کاکوری چلوں اگر وہیں کا حصّہ ہے تو خیر، ورنہ پھر مخدوم شیخ صفی کی خدمت میں چلیں گے۔

جب گنگا پار کی تو یہ تجویز کیا کہ آج تو ملانوہ چلیں اور ملانوہ سے سندیلہ پہنچیں اور سندیلہ سے کاکوری۔ لوگوں سے ملانوہ کا راستہ پوچھ کر چل دیئے۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ راستہ میں ایک طالب علم سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ ملانوہ یہاں سے کتنی دور ہے۔ اس نے کہا ملانوہ یہاں کہاں؟ تم تو بنگر مؤ میں ہو۔ دل میں خیال کیا کہ مجھے ملانوہ کے راستہ سے بنگر مؤ میں لایا گیا ہے۔ شاید میرا حصہ مخدوم شیخ صفی کی طرف ہے۔ اس طالب علم سے پوچھا کہ تم مخدوم شیخ صفی کو جانتے ہو۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ میں تو ان کا مرید ہوں۔ فرمایا کہ اچھا قاضی محمد مَنّ اللہ کو جانتے ہو؟ کہا ہاں جانتا ہوں۔ فرمایا۔ دونوں بزرگوں میں کتنا فرق ہے؟ اس نے کہا کہ میں کون ہوں جو دو بزرگوں کے درمیان کوئی فرق کروں۔ فرمایا میں ان کی راہ اور روش پوچھ رہا ہوں۔ جواب دیا کہ قاضی محمد مَنّ اللہ نے جاگیر اور ریاست قبول کرلی ہے اور ان کی ماتحتی میں چند گاؤں بھی ہیں اور مخدوم شیخ صفی نے کوئی جاگیر اور ریاست قبول نہیں کی ہے۔ جب یہ بات آپ نے سُنی۔ خیال آیا کہ جب میں نے دُنیا سے علاقہ توڑ لیا ہے تو مناسب یہ ہے

کہ میں ایسے شخص کے پاس جاؤں کہ اُسے بھی دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اُس روز آپ نے بنگرمئو میں قیام کیا اور دوسرے روز فتحپور روانہ ہوئے۔ وہاں آپ نے کپڑے دھوئے اور بدن کو صاف ستھرا کیا۔ غسل کیا۔ شراب اور بھنگ سے یہیں پر توبہ کرکے سائیپور کی طرف چل پڑے۔

دل میں تین نیتیں کیں کہ اوّل تو میں آپ کے سامنے پان کے تین بیڑے پیش کروں گا کہ ایک خود کھائیں دوسرا مجھے دے دیں اور تیسرا کسی اور کو۔ دوسرے یہ کہ میں آوارہ قسم کا آدمی ہوں جہاں کہیں جاتا ہوں لوگ اپنے سامان کی مجھ سے حفاظت کرتے ہیں کہ کہیں یہ شخص ہمارا سامان لے کر نہ چلا جائے تو حضرت مخدوم کوئی ایسی بات کہہ دیں کہ خانقاہ کے لوگوں کی یہ بدگمانی دور ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ آپ بیعت کی ٹوپی بغیر مانگے ہوئے عنایت فرما دیں۔ جب آپ سائیپور پہنچے تو کامل اعتقاد، سچی عقیدت اور پوری توجہ دل میں پیدا ہوئی۔ آپ نے وہ تینوں ارادے فسخ کر دیئے اور چاہا کہ کچھ شیرینی خرید کر لے جائیں۔ پانوں کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے حلوائی کی دکان پوچھی اور پہنچے تنبواڑی کی دکان پر۔ آپ وہاں سے لوٹے اور پھر حلوائی کی دکان کی طرف چلے۔ آپ دوسرے تنبواڑی کی دکان پر پہنچے۔ پھر آپ وہاں سے لوٹ کر آئے اور حلوائی کا پتہ پوچھا۔ تیسری مرتبہ پھر آپ تنبواڑی کی دکان پہ پہنچے۔ اب مجبور ہو کر آپ نے پان کے چند بیڑے خریدے اور مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی کی اور وہ چند بیڑے پیش کر دیئے۔

حضرت مخدوم نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ عرض کیا میرا نام حسین ہے۔ فرمایا کیسے آئے؟ عرض کیا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ مجھے مسلمان فرما دیں۔ حضرت مخدوم نے ایک بیڑہ خود شوق فرمایا۔ ایک بیڑہ انہیں عنایت کیا اور باقی بیڑے کو اٹھایا اور فرمایا کہ اے شیخ حسین! میں اپنا مصلّٰی اور جوتا چھوڑے جاتا ہوں تم یہیں رہنا یہاں تک کہ میں آجاؤں۔ شیخ حسین سمجھ گئے کہ مخدوم نے یہ بات اُن لوگوں کی تسکین کے لیے فرمائی ہے جو خانقاہ میں

حاضر ہیں تاکہ مجھ پر بدگمانی نہ کریں۔ حضرت مخدوم تشریف لے گئے اور ایک کلاہ لاکر انہیں دے دی۔ سُبحان اللہ۔ لَہٗ مَلَکٌ یَسُوقُ الْاَھْلَ اِلَی الْاَھْلِ۔ اُس کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل تک پہنچاتا ہے۔ شیخ حسین ڈیڑھ سال تک مخدوم کی خدمت میں حاضر رہے اور حضرت مخدوم نے نوافل وظائف ذکر فکر ریاضت مجاہدہ جس کے لیے فرمایا سب بجالائے۔ حضرت مخدوم نے ڈیڑھ سال بعد خلافت عطا کر دی اور رخصت کر دیا کہ جاؤ اپنے گھر رہو اور وہیں اپنے تمام اوقات معمور کرو۔

مخدوم شیخ حسین کو اس فقیر کے والد ماجد کے ساتھ ایک خاص اُنسیت اور محبت تھی اور یہ دونوں حضرات آپس میں بڑا خلوص اور بڑی خصوصیت رکھتے تھے۔ فقیر کے والد ماجد بھی شیخ صفی کے خلیفہ تھے۔ اسی بنا پر فقیر نے مخدوم شیخ حسین کی طرف رجوع کیا اور مخدوم شیخ حسین بھی فقیر کے ساتھ بڑی عنایتوں اور نوازشوں سے پیش آتے اور فرماتے کہ یہ تو ہمارے دوست کا لڑکا ہے۔ پھر جامۂ خلافت بھی پہنا دیا۔ اگرچہ فقیر کو اس جامہ کی لیاقت نہ تھی لیکن پھر بھی خدائے تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہماری بیعت کا پیوند آپ کے ساتھ درست ہے۔

عہدِ ما بالبِ شیریں دہناں بست خدا ‏ ‏ ما ہمہ بندہ و ایں قوم خداوند انند

اللہ تعالےٰ نے ہمارا پیمان میٹھے مُونہہ والوں سے باندھا ہے تو ہم بندہ و غلام ہیں اور وہ حضرات ہمارے خداوند و آقا۔

یہاں تک حضرت مخدوم شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ روحہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تمام پیروں کا ذکر تھوڑا تھوڑا ہو گیا ہے اور امیر المومنین علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے لے کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہ تک، اس رسالہ کے تتمہ میں لکھا جائے گا اور یوں یہ رسالہ پیروں ہی کے بیان پر ختم ہو گا۔

اسے علماء فقیہہ اور اے فقہائے وجیہہ (اب آپ سے یہ کہنا ہے) آپ

میں سے جن لوگوں نے صوفیاء کے مسائل کو علم فقہ، علم اصول اور علم کلام میں نہ پایا اور اُن کے احوال، مقامات اور مکارم اخلاق کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں نہ سمجھ پائے ۔ اور لاچار ہو کر بیعت اور پیری مریدی اور صوفیاء کے تمام مسائل سے انکار کر بیٹھے اور اُسے بدعت جانا تو شاید عیسٰے علیہ السلام کا قول اُنہوں نے نہ سُنا کہ آپ نے ایسے علماء ظاہرین کے حق میں کیا فرمایا ہے کہ تم لوگ چھلنی کی طرح ہو کہ اُس سے آٹا چھن کر نیچے آتا ہے اور بُھسی اس میں باقی رہ جاتی ہے "۔ تو علم کا آٹا معاملاتِ دل کا جاننا ہے اور یہی اخلاص کی نشانی ہے۔ یوہیں طریقت ریاضت اور راہِ آخرت کا علم۔ اور دین کی راہ میں معاملہ کی مصیبتیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی رغبتیں اور نفسانی خواہشات کا ترک وغیرہٗ ذٰلکٗ
مخدوم شیخ شرف الدین منیری قدس اللہ روحہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ علم وہ نہیں جو تجھے مفتی یا قاضی بنا دے یا بادشاہوں اور حکمرانوں سے ملا دے خبردار غلطی مت کرنا ۔

علم کز بہر کاخ و باغ بود　　　ہم چو مر دزد را چراغ بود

وہ علم جو محل بنانے اور باغات لگانے (دنیاداری) کے لیے ہو وہ ایسا ہے جیسا چور کے لیے چراغ ۔

مشائخ متقدمین میں اکثر مجتہد بھی تھے ۔ چنانچہ سیّد الطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ روحہ کے متعلق منقول ہے کہ ابھی آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپ اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے تھے اور آپ کے تمام اصحاب اور خلفاء بھی مجتہد تھے آپ خواجہ سری سقطی کے مرید تھے اور خواجہ سری سقطی ۔ خواجہ کرخی، خواجہ داؤد طائی اور خواجہ حبیب عجمی یہ سب ہی مجتہد تھے ۔ اور خواجہ داؤد طائی ابو حنیفہ کوفی (رضی اللہ عنہ) کے شاگرد اور خواجہ حبیب عجمی کے مرید تھے ۔ جب امام ابو یوسف نے قاضی ہونا منظور کر لیا ۔ اس روز سے خواجہ ابو داؤد طائی نے امام ابو یوسف کا چہرہ نہ دیکھا اور نہ زبان پر ان کا نام بھی نہ لائے جب صاحبین

(امام ابو یوسف و امام محمد) کے درمیان کوئی بحث ہوتی اور ابو یوسف کی بات وزنی دیکھتے تو فرماتے کہ بات وہی ہے جو یہ کہتے ہیں اور ان کا نام نہ لیتے اور اگر امام محمد کی بات راجح پاتے تو فرماتے کہ بات وہ ہے جو امام محمد کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو اگر کوئی مشکل پیش آتی تو اس درویش کی خدمت میں حاضر ہوتے جو آپ کے زمانہ میں موجود تھا۔ آپ دو زانو ہو کر ادب کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھتے اور ہر مرتبہ اپنی مشکلیں اُن سے حل کراتے۔

منقول ہے کہ جب خواجہ ابراہیم ادہم قدس سرہٗ نے بلخ کی بادشاہت، مردانہ وار چھوڑی اور معرفت الٰہی کے راستہ میں قدم رکھا تو خیال گزرا کہ مسلمانوں کے امام ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ دنیا بھر کے مقتدا ہیں مجھے پہلے ان کی خدمت میں چلنا چاہیئے چنانچہ آپ کوفہ پہنچے۔ امام کو بھی اس کی خبر پہنچی کہ ابراہیم ادہم ملاقات کے لیے آرہے ہیں۔ آپ اُن کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی۔ حضرت ابراہیم ادہم نے دریافت کیا کہ اے امام میرے حق میں کیا ارشاد ہے، مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ امام نے جواب دیا کہ تمہیں علم حاصل کرنا چاہیئے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ اے امام منجملہ علوم ایک حدیث ہم تک پہنچی تھی کہ ترک الدُّنیا راسُ کل عبادۃٍ وحبُّ الدُّنیا راسُ کلّ خطیئۃ۔ دنیا کا ترک ہر عبادت کی بنیاد ہے اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل"۔ ہم نے اسی پر عمل کیا۔ تم کو اتنا علم ملا بھلا بتاؤ کہ تم نے بھی کوئی کام کیا۔ حضرت امام یہ خبر سُن کر مدہوش ہو گئے اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو فرمایا کہ تمہیں تحصیل علم کی ضرورت نہیں اہلِ معرفت کی صحبت اختیار کرو"۔

مقصود یہ کہ اصحابِ تصوّف میں اکثر مجتہد بھی گزرے ہیں اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کل طریقۃ ردّتہ الشریعۃ فھی زندقۃ۔ "ہر طریقت جسے شریعت ٹھکرا دے زندقہ ہے"۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تم کسی کو دیکھو کہ ہوا پر اڑتا ہے یا پانی پر چلتا ہے اور اس کا پیر تر نہیں ہوتا۔ یا

آگ میں گھستا ہے اور نہیں جلتا یا غیب کی خبریں دیتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں اُس میں ہیں۔ اس کے باوجود اس میں ذرہ برابر شریعت کا خلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے وقت کا زندیق اور ملحد ہے۔ لہٰذا یہ طریقت کے مجتہدین جنہوں نے شریعت میں اس قدر احتیاط برتی ہے۔ اگر بیعت بدعت ہوتی تو ہرگز وہ لوگ اس کو راہ عرفان کا رہبر نہ بناتے اور پیری مریدی کو اصل مستحکم اور بنیاد محکم نہ جانتے۔ متقدمین مشائخ سے منقول ہے کہ جب وہ کسی درویش کو دیکھتے کہ وہ شریعت کے آداب کو قصداً ترک کرتا ہے تو اس کو درویشی کے دائرہ سے خارج سمجھتے اور اُسے بزرگوں کے گروہ سے شمار نہ کرتے۔ ایک مرتبہ چند درویش کسی بزرگ کی ملاقات کے لیے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ قبلہ کی جانب اپنے منہ کا تھوک پھینکتا ہے تو اس سے ملاقات نہ کی اور اس کی اس حرکت کو بُرا سمجھ کر واپس لوٹ آئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی شخص کسی مستحب یا ادب کو بلا قصد چھوڑ بیٹھتا تو اُسے کوئی سخت مشکل پیش آتی اور چند روز تک اس کی مصیبت کے ماتم میں گریہ وزاری کرتا اور دوسرے لوگ اُس کی مزاج پُرسی کو آتے۔

منقول ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے کوئی لغزش واقع ہوگئی، تمام عمر جب آپ کوئی سفید کپڑا پہنتے تو بے اختیار روتے اور خود سے مخاطب ہو کر کہتے کہ تو وہی تو ہے جس سے ایسی حرکت ہو چکی ہے۔ اور وہی شخص تو ہے کہ تجھ سے فلاں غلطی ہو چکی ہے۔ اسی طرح تمام اسلاف کا طریقہ تھا۔ محال ہے کہ وہ کسی بدعت کو ایسے اہتمام سے اختیار کریں یا اصل سنت میں ذرّہ برابر زیادتی یا کمی گوارا کر لیں لہٰذا ایسوں پر بدعت کی بدگمانی کرنا گمراہی ہے۔ اور واللہ کہ بیعت کو باطل سمجھنا خود ہی باطل ہے۔ اس باب میں ہم کہاں تک لکھے جائیں۔

اگر در سعادت سرائے کس است ۔۔۔ نہ گفتار سعدیش حرفے بس است

اگر دنیا میں کسی کے لیے کوئی سعادت ہے تو اس کے لیے سعدی کا ایک حرف بھی کافی ہے۔

حضرت خلیل علیہ السلام کی نبوّت کے آثار نے چچا کا کفر دور، اور حضرت نوح کی دعوت کی روشنی نے بیٹے کی تاریکی کو نور نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جو انبیائے اولوالعزم سے ہیں۔ برسوں تک فرعون کو دعوت دیتے رہے اور اسے خدا کی نشانیاں اور معجزے دکھاتے رہے مگر وہ ہر زمانہ میں دشمنی کے راستہ پر چلتا رہا۔ اُس کا انکار بڑھتا رہا اور اپنی ذات کو خدائی سے سراہتا رہا یہاں تک کہ اُسے نیل کی موجیں بہالے گئیں۔ مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ، ابوجہل کے جہل کو نہ اٹھا سکے اور آپ کے دین کی روشنیوں نے ابولہب کو بھڑکتی آگ ہی میں چھوڑ دیا۔ الغرض تمام نبیوں کی کوششیں بدنصیب کو راستہ نہ دکھا سکیں۔ بارش کا پانی کہ زندگی کا سرمایہ ہے وہ مردار میں تباہی کے سوا کچھ اور نہیں بڑھاتا تو میں کون ہوں کہ منکر کو انکار سے روک دوں یا جن لوگوں کے دلوں میں شکوک ہیں ان میں یقین پیدا کر سکوں۔ بس (اتنا کہنا ہے) اصحابِ ارادت اور اربابِ سعادت کو ایسے پیر سے رشتہ جوڑنا چاہیئے کہ اس کا سکہ کھوٹا نہ ہو ورنہ مرید کو اس راستہ میں کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور پیری کے شرطوں میں سے جو کچھ تھوڑا بہت لکھ دیا گیا ہے بہت کافی ہے۔

مریدی علم دین آموختن بوَد　　چراغ دل، ز علم افروختن بوَد
کسے از مردہ، علم آموخت ہرگز　　ز خاکستر چراغ افروخت ہرگز

مریدی علم دین سیکھنے کا نام ہے اور دل کے چراغ کو علم سے روشن کرنا ہے۔ نہ کسی نے مُردوں سے کوئی علم حاصل کیا ہے اور نہ کسی کا خاک سے چراغ روشن ہوا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ بیعت کے بعض مسائل، نکاح کے مسائل پر مبنی ہیں۔ بعض مسائل، امام و مقتدی کے مسائل پر متفرع اور بعض خرید و فروخت کے

مسائل پر موقوف ہیں۔ اور اُن کی تفصیل بڑی طویل فاستبشروا ببیعکم
الذی بایعتم بہ ط تو اس خرید و فروخت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے
معاملہ کیا ہے۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اگر مرید کسی دوسرے مذہب کا ہو (یعنی
فروع مسائل میں کسی اور امام کا مُقلد ہو) تو وہ اس پیر سے بیعت کر سکتا ہے جو
دوسرا مذہب رکھتا ہے اس لیے کہ یہ چاروں مذاہب حق ہیں لیکن اچھا اور بہتر
یہی ہے کہ مرید اور پیر ایک ہی مذہب کے پیرو ہوں تاکہ مرید اپنے مذہب
اور مشرب دونوں میں پیر کی پیروی کر سکے۔ حضرت مخدوم شیخ مینا قدس اللہ
رُوحہ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے پیر کی زندگی میں کسی اور کی پیروی اور تلقین
کی جانب توجہ کرتا ہے تو وہ کہیں سے کوئی حصّہ نہیں پاتا اور پیر کے ہوتے ہوئے
کسی اور شخص سے محبت کی کُلاہ لینا اور خلافت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا سنبلہ

ترکِ دُنیا، قناعت، توکُّل اور تبتُّل کے بیان میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ یعنی اے
لوگو اللہ کا وعدہ سچّا ہے تو کہیں تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے
اور کہیں وہ بڑا دھوکا دینے والا تمہیں دھوکا نہ دے۔

ہمہ اندر زمن بتو این ست   کہ تو طفلی و خانہ رنگین ست

ہمیں تمہاری جانب سے اس کا بڑا خطرہ ہے کہ تم ابھی بچے ہو اور تمام
گھر رنگین۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دنیا اپنی ذات کے اعتبار سے بُری نہیں اُس

سے تعلق اور محبت کرنا بُرا ہے کہ دُنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔ دنیا اس کی قابلیت نہیں رکھتی کہ کبھی تو اعلیٰ ترین مقامات پر چڑھا دے اور کبھی ادنیٰ ترین جگہوں پر گرا دے۔ ہاں جو شخص دنیا کو دین کا آلہ بناتا اور اپنی جائز خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لیے دنیا کو نظر میں رکھتا ہے اور وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اُس میں سے خرچ کرتا ہے وہ بظاہر دنیا میں اور بباطن ملاءِ اعلیٰ میں رہتا ہے کہ اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا اَبْدَانُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَقُلُوْبُھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ۔ "اللہ تعالیٰ کے چند خاص بندے وہ ہیں جن کے بدن دُنیا اور دل اللہ کی طرف لگے رہتے ہیں"۔ وہ خدا کے لیے زندہ رہتا ہے نہ کہ نفس کے لیے۔ تو البتہ دنیا اُس کے لیے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے لیے ایک بھاری مددگار ثابت ہوتی ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ اچھا مال اچھوں کے لیے بڑی خوب چیز ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستے میں صرف کرتا ہے۔

ہر چہ داری برائے او بگذار ۔۔۔ کز گدایاں، ظریفِ تر، ایثار

تم جو کچھ رکھتے ہو خدا کی راہ میں دے ڈالو کہ ایثار، ہوشمند درویشوں کو زیبا ہے۔

سلک السلوک میں لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے نزع کے وقت ایک تھیلی اپنی گدڑی میں سے نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور اپنے احباب کو دی کہ اسے صدقہ کر دو۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو ہر وقت روپیہ جمع کرنے کے لیے منع کیا کرتے تھے۔ اپنے آپ اتنا مال رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے اپنے دین کو شیطان سے اسی روپیہ کی بدولت بچایا ہے یعنی وہ جب کبھی کوئی وسوسہ ڈالتا کہ آج کیا کھاؤ گے آج کیا پہنو گے تو میں کہہ دیتا کہ دیکھ میرے پاس یہ روپیہ ہے۔ وہ مجھ سے مایوس ہو کر لوٹ جاتا اور اس سے یہ نہ ہو سکا کہ مجھے زید یا عمرو کے دروازہ پر لے جا سکے۔ ہاں جو

شخص دنیا کے مال و متاع کو شیطانوں کے راستوں کا آلہ بناتا ہے اور اپنا تمام وقت نفس امارہ کی خواہشوں اور لذتوں کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے وہ ایک نابینا ڈھیلہ ہے کہ اس کے سوا اور کسی عالم سے واقف نہیں یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ "وہ صرف دنیا کی ظاہری زندگی جانتے ہیں اور وہ آخرت سے نرے غافل ہیں"۔

اے زپئے حرص و ہوا ذاتِ تو　　موت بود ہا دم لذّاتِ تو

گوہر عمرت بہ پشیزی برفت　　آہ چہ چیزے بچہ چیزی رفت

حرص اور خواہش کے پیچھے دوڑنے والے! تیری لذتوں کو موت ختم کر دے گی - تیری عمر کا گوہر ایک ناچیز سکہ کے مقابلہ میں جاتا رہا - افسوس کیسی عزیز کیسی حقیر چیز کے بدلہ میں گئی -

ہاں بصیرت والے جو کامل بھی ہیں اور جو خواہشوں کی تاریکیوں سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور مرگ طبعی سے پہلے مرگِ ارادی سے مردہ (اور اپنی ہر مراد سے دستبردار) ہو چکے ہیں اُن کو دنیا کا استعمال ہر صورت سے جائز ہے انہیں اس سے نقصان نہیں پہنچ سکتا - کسی بزرگ صحابی نے فرمایا کہ اَلْفَقْرُ وَالْغِنَاءُ مَطِیَّتَانِ یَالَیتَ بِاَیَّتِہِمَا رَکِبتُ - فقر اور غنا دو سواریاں ہیں - کاش میں ایک ہی پر سوار ہو لیا ہوتا"۔ امام احمد غزالی قدس اللہ سرہٗ نے خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے فرمایا کہ آپ روزانہ دنیا کی بُرائی کرتے اور لوگوں کو اس سے رشتہ توڑنے پر آمادہ کرتے رہتے ہیں مگر خود گھوڑوں اور اونٹوں کے اتنے طویلے ریشم کی طنابوں اور سونے کی میخوں سے باندھے ہوئے ہیں - فرمایا کہ میں نے طویلے کی میخیں مٹی میں گاڑھی ہیں دل میں نہیں -

در دل بجز از یکے نشاید کہ بُود　　در خانہ اگر ہزار باشد، شاید

دل میں سوائے ایک کے اور کوئی نہ ہونا چاہیئے - گھر میں اگر چہ ہزار ہوں کوئی مضائقہ نہیں"۔

دنیارا صورت صد ہزار گونہ است ۔۔۔ تا ببینندہ را چشم چگونہ است
در ہر ذرہ کہ نظر کنی نخست او ست ۔۔۔ اما ہر کس نداند کہ در کدام است

اے عزیز! دُنیا کی ہزار صورتیں ہیں - اب تو دیکھنے والے کی نظر پہ ہے کہ وہ کس طرح دیکھتا ہے ۔ تم جس ذرہ پہ نظر کرو گے سب سے پہلے اُسی کا جلوہ ہے لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ دروازہ کونسا ہے ۔

نظر آنانکہ نہ کہ دند بریں مُشتِ خاک
الحق انصاف تواں دید کہ صاحب نظر اند

جن لوگوں نے کہ اس مٹھی بھر خاک پہ نظر نہیں ڈالی حق اور انصاف یہ ہے کہ وہی صاحبِ نظر ہیں (حدیث قدسی ہے) "کہ جتنی مقدار پر تمہارا دل دنیا کی طرف مائل ہے اتنی ہی میری محبت نکال ڈالو اس لیے کہ میری محبت اور دنیا کی محبت کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی"۔ دنیا دل میں ہو تو درد ہے لیکن اگر ہاتھوں میں ہو تو دوا ہے یعنی وہاں خطا ہوتی ہے اور یہاں عطا۔

تا دل و دست را تہی نہ کنی ۔۔۔ با غمِ عشق ہمرہی نہ کنی
گر بُود در دلت ملول شوی ۔۔۔ ور بدست آیدت فضول شوی
ایں ہمہ درد دل ز تست عیاں ۔۔۔ بہ بُود دگر تو گم شدی زمیاں

جب تک تم اپنے دل اور ہاتھ کو خالی نہ کرو گے دردِ عشق کے ساتھ نہ چل سکو گے ۔ اگر تمہارے دل میں بسا تو ملول رہو گے اور ہاتھ میں رہا تو فضول ٹھہرو گے ۔ یہ سارا دل کا درد خود تم پہ ظاہر ہے لہٰذا اچھا یہ ہے کہ تم ان دونوں کے درمیان سے گم ہو جاؤ ۔

اے میرے عزیز! گڑھے میں ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح گندے نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ کی طلب و جستجو میں رہو ۔ یوں کہ تمہارا جگر آتش شوق میں جلتا ہو ۔ اور دل کی آنکھیں حق کے علاوہ ہر چیز سے بند ہوں ۔

یکے از چاہِ ظلمانی برون آ، تا جہاں بینی

ذرا اس تاریک کنوئیں سے باہر آکر دنیا بھی دیکھ سکے۔ لوگوں پر تعجب ہے کہ جب تم ان کے سامنے دنیا اور دنیا داروں کی کہانیاں اور مہمل باتیں سناؤ تو ہوش کے کانوں سے سنیں اور خوشی خوشی اس سے مزا لوٹیں مگر جب ان کے سامنے خدا اور رسول کا ذکر اور دینی باتیں بیان کرو تو وہ گھبرا جائیں اور وحشت و نفرت پر اُتر آئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ الآیہ۔ جب اللہ کا ذکر تنہا کیا جاتا ہے تو نفرت لاتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اس کے ساتھ غیروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش خوش رہتے ہیں"۔ ہاں ہاں گبر دلے کے لیے (یعنی گوبر کے کیڑے) پھولوں اور گلاب کی خوشبو ہلاکت کا سبب ہوتی ہے اور سرگین (گوبر) کی بدبو اس کی زندگی اور مسرت کی موجب۔

شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے منطق الطیر) کی ایک نظم میں لکھا ہے کہ ایک دیوانہ تھا جو ویرانے میں رہتا تھا۔ اگر وہ اتفاقاً کسی شہر میں جا نکلتا اپنی ناک پکڑ لیتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اپنی ناک کیوں بند کر لیتے ہو؟ جواب دیا کہ مُردار دنیا کی بدبو سے۔ اے عزیز دنیا کی اس گندگی کی بدبو اُس شہباز کے دماغ میں پہنچتی ہے جس کا مرغ جاں، وصال دوست کے گلستاں کی خوشبو سے معطر ہو اور محبوب کی محبت اور شوق کی بھینی بھینی ہوا اس کے مشام تک پہنچی ہو۔ بھڑ کی طرح معرفت کے شہد کی لذت چکھے ہو اور اس کے دل کا حجرہ بُتانِ اغیار کے شور و غل سے غبار کی طرح پاک ہو چکا ہو۔

چو ہر لذت کہ در ہر دو جہاں است   تُرا در حضرت او بیش زاں ست
چرا پس ترک ہر دو می نگیری   چو مشتاقاں پے او می نمیری

وہ تمام لذتیں جو دونوں جہان میں ہیں جب اُس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں موجود ہیں تو تو اُن دونوں کو کیوں نہیں چھوڑتا اور مشتاقوں کی طرح اُس کے لیے کیوں نہیں مرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشگی کے گھر کی تصدیق

کرنے والے پر تعجب اور بڑا تعجب ہے کہ وہ دنیا ہی کی طلب میں لگا رہتا ہے عمدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول وَ کَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا (اس کے نیچے ان دونوں کے لیے خزانہ موجود تھا) کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ کنز سونے کی ایک تختی تھی جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا کہ تعجب ہے کہ جو شخص قضا و قدر پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں ملول و افسردہ رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو رزق پر یقین رکھتا ہے کہ وہ کیوں اس کے لیے مارا مارا پھرتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو حساب کا یقین رکھتا ہے وہ غافل کیوں رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو موت پر یقین رکھتا ہے کہ وہ کس بات پر خوش رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جو پیشاب گاہ سے نکلا وہ کس پر اتراتا ہے اور تعجب ہے اس پر جو دُنیا کے فنا ہونے کا یقین رکھتا ہے وہ اس کی طرف سے مطمئن کیوں ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

ایک شخص امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ چار باتیں پوچھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا پوچھو اگرچہ چالیس تک۔ اس نے کہا کہ قریب کیا ہے اور اقرب کیا؟ واجب کیا ہے اور اوجب کیا؟ عجیب کیا ہے اور اعجب کیا؟ اور صعب کیا ہے اور اصعب کیا۔ مولیٰ علی کرم اللہ نے جواب دیا کہ قریب تو قیامت ہے اور قریب تر موت۔ واجب توبہ ہے اور واجب تر گناہ سے باز رہنا۔ عجیب دنیا ہے اور اُس سے عجیب تر دنیا کا طالب۔ اور مشکل قبر میں داخل ہونا ہے مگر مشکل تر قبر میں بغیر توشہ کے جانا ہے۔

مرگ در پیش است و تو پس میروی　　بہرِ مُردارے چو کرگس می روی

موت تیرے سامنے ہے اور تو دنیا کے پیچھے چل رہا ہے اور ہر مُردار پر گدھ کی طرح دوڑتا ہے۔ ایک حکیم سے لوگوں نے پوچھا کہ دنیا عاقل ہے یا احمق؟ جواب دیا کہ احمق ہے اس لیے کہ احمقوں کے علاوہ کسی طرف رغبت

نہیں کرتی اور جنس جنس کی طرف ہی راغب ہوتی ہے۔ حضرت سہل تستری قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ عقل کے ایک ہزار نام ہیں اور اُن میں ہر نام سے پہلے ترکِ دنیا ہے۔ وہ جوان اور بوڑھے جو مال اور فرزندوں کے جال میں ہیں وہ عاقل نہیں بلکہ ناسمجھ بچے ہیں۔ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ دنیا کی فضیحت کے خوف سے آخرت کی فضیحت میں مبتلا ہو گئے۔

سنگ بنِہ از دو گوہر می ستاں ‌ ‌ خاکِ زمیں می دِہ و زر می ستاں

در عوضِ فانیٔ دنیا حقیر ‌ ‌ دولتِ پاکیزۂ باقی بگیر

تو پتھر پھینک اور گوہر حاصل کر۔ زمین کی خاک چھوڑ اور سونا لے۔ اس ذلیل و خوار حقیر اور فانی دنیا کے بدلہ میں پاک اور ہمیشہ باقی رہنے والی دولت لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کُنْ فِی الدُّنیا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَّ عُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ۔ دنیا میں ایسے رہو گویا کہ مسافر بلکہ راستہ چلنے والے ہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔

جہد ی بکُنْ ار پند پذیری دو سہ روز ‌ ‌ تا پیشتر از مرگ، بمیری دو سہ روز

دُنیا زنِ پیر ست، چہ باشد گر تو ‌ ‌ با پیر زنے اُنس نہ گیری دو سہ روز

اگر نصیحت مانتے ہو تو دو تین روز کوشش کر لو اور دو تین روز موت آنے سے پہلے فنا ہو جاؤ۔ یہ دنیا تو ایک بوڑھی عورت ہے تمہارا کیا نقصان ہو گا اگر دو تین روز اُس کی طرف رغبت نہ کرو۔ ابو یزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی غالب نہ آیا جس طرح کہ بلخ کا ایک جوان۔ وہ ہمارے پاس حاجیوں کے لباس میں آیا اور مجھ سے پوچھا اے ابو یزید! زہد کی کیا تعریف ہے آپ کے نزدیک؟ میں نے کہا کہ جب ہم نہیں پاتے صبر کرتے ہیں اور جب مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ تو ہمارے بلخ کے کتوں کی حالت ہے۔ میں نے کہا کہ تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ جواب دیا کہ جب ہمیں نہیں ملتا شکر کرتے ہیں اور جب ملتا ہے تو (ایثار کرتے) دوسروں کو

دیے ڈالتے ہیں۔

از حادثات در صف آں صوفیاں گریز ۔ کہ بود غم خورند و زنا بود شادماں
زا ایشاں شنو دقیقۂ فقر از برائے آنکہ ۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

زمانہ کے حادثات سے بچ کر ان صوفیوں کی طرف بھاگو کہ جو ہونے پر غم کرتے ہیں اور نہ ہونے پر خوش ہوتے ہیں۔ فقر کی باریکیاں انہیں سے سنو اس لیے کہ تصنیف کو مصنف ہی خوب بیان کر سکتا ہے۔

سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے آیہ کریمہ لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ کی تفسیر میں فرمایا کہ دنیا و آخرت میں غور و فکر کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو راستے سے ہٹانے والا جانے اور یہ کہ وہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

دنیا و عقبیٰ حجاب عاشق ست ۔ میل ایںہا کی زعاشق لائق ست

دنیا اور آخرت عاشق کا ایک حجاب ہے تو ان کی طرف رغبت کرنا عاشق کو کب زیب دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طالب الدنیا لایکون طالباً للمولیٰ۔ دنیا کا طالب مولیٰ کا طالب نہ ہو گا۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سالکین اور عارفین کے راستہ میں پہلا قدم دنیا کو اس کے تمام علاقوں کے ساتھ ترک کر دینا ہے۔ علم میں وارد ہے کہ حسن بصری نے فرمایا کہ انبیاء کو اسی لیے مبعوث فرمایا گیا کہ وہ مخلوق کو دنیا داری سے ہٹائیں۔ اہل معرفت نے فرمایا کہ جس نے دنیا چھوڑ دی وہ اس کا مالک ہو گیا اور جس نے دنیا اختیار کر لی وہ ہلاک ہوا۔" لہٰذا ہونا یہ چاہیئے کہ دنیا سے بھوک مارنے اور ستر ڈھانکنے کی مقدار سے زیادہ نہ لے تاکہ وہ مردار کھانے والا نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب وشر الکلاب من وقف علیھا دنیا مردار ہے۔ اس کے طالب کتے ہیں اور ان میں سب سے بدتر وہ ہے جو اس پر حریص ہو۔

اگر خواہی کہ گردی مرغ پرواز ۔ جہانِ جیفہ پیشِ کرگس انداز

بدو ناں دہ مرایں دُنیائے غدار ۔۔۔ کہ جز سگ را نہ شاید داد مردار

اگر تم چاہتے ہو کہ اُڑنے والے پرند بن جاؤ تو اس مردار دُنیا کو گدھوں کے سامنے ڈال دو۔ اور اس مکارہ کو دو روٹیوں کے عوض بیچ دو کہ مردار چیز کتوں ہی کو دینا چاہیئے۔

خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ فقر کے مقامات بہت ہیں اور اُن منزلوں کو باطل کرنے والی چیزیں کدورت و کینہ ہے اور یہ چیز دنیا میں جاہ چاہنے اور بزرگی و برتری ڈھونڈنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تم جسے دیکھو کہ وہ دنیا کی جاہ اور رتبہ حاصل کرنے میں مصروف ہے اور لوگوں کی مہربانی کے جال میں پھنس چکا ہے (اُسے بتا دو کہ اُس کو اپنے نفس پر بہت سختی برتنا چاہیئے۔ حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ درویش کے لیے تمام مذہبوں میں یہ بات حرام ہے کہ دُنیا والوں کے ساتھ اُٹھے بیٹھے اور بادشاہوں اور سربراہوں کے پاس آئے جائے۔

نقل ہے کہ خواجہ سُہیل تستری کو عراق کے ایک بادشاہ نے جو تستر کا حاکم تھا آپ کی دُعا سے استعانت کے لیے بلایا۔ جب وہ آپ کی نیک دعاؤں کی بدولت تندرست ہو گیا۔ خواجہ مکان پہ تشریف لے آئے اور تین سال تک لوگوں سے کنارہ کش رہے اس لیے کہ مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ صُحْبَۃُ الْاَغْنِیَاءِ سَمٌّ قَاتِلٌ لِلْفُقَرَاءِ مالداروں کی صحبت فقیروں کے لیے زہر قاتل ہے۔ خواجہ سفیان ثوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بندے اور اُس کے مولیٰ کے درمیان دنیا سے بڑا کوئی حجاب نہیں دیکھا۔ خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ میں نے طالب مولیٰ کے لیے امیروں اور دُنیا داروں کی صحبت سے بڑھ کر کوئی زہر قاتل نہ دیکھا اس لیے کہ وہ دل کو مار دیتی ہے اور جب معاذ اللہ مومن کا دل مر جاتا ہے تو وہ پتھر اور مٹی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جو چاہتا کہتا اور جو چاہتا کرتا ہے

اور اُسے کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ فقیر کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ سربراہوں اور شہنشاہوں کے پاس بیٹھے اس لیے کہ ان کی صحبت اس کے دل کی موت ہے۔

نخست موعظتِ پیرِ صحبت ایں حرفست
کہ از مصاحبت ناجنس احتراز کنید

صحبت کے لائق پیر کی سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ غیر جنسوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ اے عزیز تجھ سے تمام چیزیں چھینتے ہیں تاکہ سب کچھ تیرا ہو جائے (یاد رکھو) جب تک تو تمام تعلقوں اور رشتوں سے پاک نہ ہوگا خدا کا نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک تو خدا کا نہ ہوگا کوئی چیز تیری نہیں ہو سکتی۔ مَنْ لَهُ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْكُلُّ۔ جس کا رب ہے اس کا سب ہے۔

جہاں آنِ تو و تو ماندہ عاجز — ز تو محروم تر کس دیدہ ہرگز

دنیا تیری ملکیت ہے اور تو اُس سے بے بہرہ۔ تجھ سے زیادہ محروم کوئی نہیں دیکھا۔ اے برادر تجھے چاہیئے کہ فقر اور فاقہ کی شدّت سے تو تنگ دل نہ ہو کہ یہ چیز رتبوں کی ترقی، سعادتوں کے حصول اور قاضی الحاجات کے قرب کا ذریعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو دنیا سے اُس کی حفاظت فرماتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔" مالک دینار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز رابعہ کے پاس گیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر مصلّے پر بیٹھی تھیں۔ میں نے اُن کے تمام گھر میں وہ پیالے ٹوٹے ہوئے دیکھے کہ جن سے وہ طہارت کرتی اور پانی پیتی تھیں۔ اُن کے سرہانے ایک اینٹ تھی اور نرکل کا مصلّےٰ تھا جس پر وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز اُن کے پاس نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اے مالکہ آپ کی حالت مجھے دشوار تر

نظر آرہی ہے۔ میرے چند مالدار دوست ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں اُن سے آپ کی خبر گیری کی تاکید کر دوں۔ جواب دیا کہ اُے مالک! کیا تم مخلوق کے رازق کو نہیں پہچانتے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میرا اور اس مالدار کا روزی رساں ایک ہی ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے امیر کو اس کی امیری کی بنا پر یاد رکھا اور مجھے میری فقیری کی وجہ سے بھلا دیا۔" مالک یہ سن کر رو پڑے۔ اس کے بعد حضرت رابعہ نے فرمایا کہ اے مالک ذرا میرے قریب ادھر آؤ۔ دیکھو تو میری آنکھ میں کوئی چیز کھٹک رہی ہے۔ مالک علیہ الرحمۃ نے دیکھا۔ مصلّے کے نکل کا ایک ٹکڑا کئی پورے، آنکھ میں گھس گیا تھا اور آنکھ کو زخمی کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اے سیّدہ تمہاری آنکھ زخمی ہوگئی ہے اور تمہیں ہوش بھی نہیں۔ جواب دیا کہ اے مالک میں نماز میں تھی کہ یہ واقعہ ہوگیا۔ جب میں اپنے خدا کے روبرو ہوتی ہوں۔ اگر تمام دوزخ بھی میری آنکھ سے گذار دیں تو خوفِ الٰہی کے سبب مجھے خبر بھی نہ ہو۔

مخدوم الملۃ شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ امام داؤد طائی علیہ الرحمۃ تارک الدنیا اصحاب کی پیروی کرتے۔ اسی وجہ سے آپ کا گھر بھی ٹوٹا پھوٹا تھا کہ آدھا سایہ میں رہتا اور آدھا دھوپ میں۔ جب سورج سر پہ آتا تو اُن کی والدہ آپ پر سایہ کر کے آپ کا سر سایہ میں کر دیتیں۔ آپ اپنے کام اشتغال میں یونہی مشغول رہتے۔ ایک روز آپ کی والدہ کسی کام میں لگ گئیں۔ امام حسب معمول مشغول رہے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا سایہ میں سر کیوں نہ کر لیا اور دھوپ میں اپنے آپ کو کیوں جلتا چھوڑا؟ جواب دیا کہ اے مادرِ مہربان اللہ تعالٰی کی یاد میں ایسا مشغول ہو جاتا ہوں کہ سورج کی گرمی کی کوئی خبر مجھے نہیں ہوتی۔ الٰہی مخدوم ملت جناب شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ امام داؤد طائی کے نزدیک نماز با جماعت فرض ہے (چنانچہ آپ جماعت سے نماز پڑھتے) اور جب جماعت سے فارغ ہوتے تو مخلوق ہجوم کی وجہ سے آپ کی راہ میں حائل آتی

اور آپ کی قدمبوسی کے لیے بہت مجمع ہو جاتا۔ امام داؤد قدس سرہٗ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں زاری کی اور گڑگڑائے کہ اے معبود! میرے اجتہاد میں جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ اب خلق مجھے گھیرتی ہے اور ان کا ہجوم مجھے نہیں بھاتا۔ مجھے ایسی تکلیف میں مبتلا کر دے کہ جماعت کا فریضہ مجھ سے ساقط ہو جائے تاکہ تیری عبادت میں، بغیر کسی پریشانی کے مشغول ہو جاؤں۔ حق تعالےٰ نے باد کو (ایک مرض کا نام ہے) آپ پر مسلّط کر دیا کہ آپ اپنی جگہ رہتے اور باہر تشریف نہ لا سکتے۔

نیز مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ خلیفہ بغداد ہارون الرشید راتوں کو خواجہ داؤد اور دوسرے گوشہ نشین عبادت گذاروں سے ملنے جاتا۔ مگر وہ لوگ اندر نہ بلاتے۔ اس کے بعض متعلقین نے اس پر ملامت کی کہ آپ اولی الامر سے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد۔ آپ کو ان زاہدوں اور فقیروں کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہارون نے جواب دیا کہ میرا جانا اللہ ہی کے لیے ہے اور دنیاداری کے کفّارہ کی خاطر" دو ایک گھڑی اس ذلّت کو برداشت کرتا اور ثواب لوٹتا ہوں۔ اور ان لوگوں نے کیونکہ دنیا کو اپنا دشمن بنا لیا ہے لہٰذا مجھے بھی دشمن جانتے ہیں اور مجھے اندر نہیں بلاتے۔ انہیں بھی ثواب ملتا ہے"۔ اس کے بعد بعض لوگوں نے ہارون الرشید سے کہا کہ داؤد طائی جمعہ کی رات کو اپنے ہمسایہ کے گھر میں جاتے ہیں جو مزدور اور تارک الدنیا ہے۔ اگر خلیفہ اس کو بیچ میں ڈالیں ہو سکتا ہے کہ ملاقات ہو جائے۔ خلیفہ ان کے گھر تک پیدل گیا۔ اس مرد نے جواب دیا کہ میں مزدور آدمی ہوں، مجھ جیسے فقیر کے دروازے پر روئے زمین کا خلیفہ کیوں آتا ہے۔ مجھ سے امیر المومنین کا کون سا کام بن سکتا ہے البتہ جب بغداد والے اس کو سنیں گے کہ خلیفہ پیدل چل کر میرے دروازے تک آیا ہے ہجوم کر آئیں گے اور ان

کی انتہائی تعظیم و تکریم کی وجہ سے میں مزدوری نہ کر سکوں گا تو پھر بچّوں کا نفقہ کہاں سے لاؤں گا۔ خلیفہ نے جب اُس شخص کو بہت زیادہ سچائی اور بے چارگی میں دیکھا اور اُس کا عذر سُنا تو اُس کے سامنے دو تھیلی دینار رکھ دیئے۔ زاہد نے جواب دیا کہ مجھے برسوں گذرے کہ گھر کے گوشہ میں چند رکعت نماز ادا کر لیتا ہوں اور اُن کے ردّ یا قبول ہونے کا مجھے حال معلوم نہیں۔ سوائے اس تھوڑی سی عبادت کے میرے پاس کوئی بھی مال نہیں ہے کہ صدقہ کر دوں۔ جہاد کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ بچے چھوڑ نہیں سکتا کہ حج ادا کر لوں۔ اتنا علم رکھتا نہیں ہوں کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکوں۔ میں ان دو تھیلیوں کا کیا کروں اور وہ طاقت کہاں سے لاؤں کہ بیت المال کا مال لوں۔ پھر کل قیامت کے روز ان دو تھیلیوں کے متعلق جواب دوں۔ وہ یہ کہہ رہا تھا اور خلیفہ زار زار رو رہا تھا۔ اس کے بعد بولا کہ میں تمہارے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں تم اسے پورا کر سکتے ہو۔ زاہد نے جواب دیا کہ خلیفہ وہ حاجت مجھ سے بیان کرے اگر ممکن ہوگا تو اپنی جانب سے کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ جمعہ کی رات کو داؤد طائی تمہارے پاس آتے ہیں اُن سے میرے لیے یہ کہہ دینا کہ میں اولی الامر سے ہوں۔ قریشی ہوں بنی ہاشم ہوں رسولِ خدا کا چچا زادہ ہوں۔ آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر آتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمادیں۔ میں اُسے قبول کر دوں۔ اُس پر عمل کروں اور آپ کی اس نصیحت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ہی اُمت کو فائدہ پہنچے۔ آپ ملاقات سے کیوں ہچکچاتے ہیں"۔ زاہد نے قبول کر لیا اور کہا کہ جب داؤد تشریف لائیں گے خلیفہ کا پیغام اُن تک پہنچا دوں گا۔ خلیفہ اس وقت سلامتی سے واپس تشریف لے جائیں اور دوبارہ غریب خانہ پر نہ آئیں۔ اگر آپ دوبارہ آئیں گے میں بغداد چھوڑ دوں گا"۔ خلیفہ نے کہا کہ جب آپ خود میرے پاس تشریف نہیں لاتے اور مجھے بھی

حاضری کی اجازت نہیں دیتے تو داؤد کا پیغام مجھ تک کیسے پہنچے گا؟ جواب دیا کہ اپنے ان خادموں میں سے جو تمہارے سامنے ہیں ایک کو ہمارے روبرو کر دیں۔ وہ جمعہ کی صبح کو آئے اور جواب لے جائے۔

جمعہ کی رات میں جب داؤد طائی اس زاہد کے مکان پر تشریف لے گئے تو زاہد نے وہ پیغام پہنچا دیا۔ داؤد اس پیغام کے سنتے ہی زار زار رونے لگے کہ میں نہیں سمجھتا کہ خلیفہ مجھ سے کیوں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ بغداد میں اور بہت سے زاہد ہیں کہ پوشیدہ اور چھپ کر زہد اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اگر میں مشہور اور جانا پہچانا نہ ہوتا تو خلیفہ میری ملاقات کی آرزو بھی نہ کرتا۔ اس کے بعد داؤد نے فرمایا کہ اگر اب خلیفہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے میری طرف سے کہنا کہ میں جانتا ہوں کہ تم اولی الامر سے ہو اور رسول اللہ کے چچا زادے ہو۔ لیکن میں جو تم سے ملاقات نہیں کرتا اور تم سے کوئی چیز نہیں لیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جھوٹ سچ، مخلوق میں زاہد مشہور ہو گیا ہوں۔ اگر میں خلیفہ سے ملاقات کروں اور اُس سے کوئی چیز لوں، تو جو شخص میرے بعد زہد اختیار کرے گا وہ خیال کرے گا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرنے اور ان سے روپیہ لینے سے زہد باطل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ داؤد طائی نے ملاقات کی اور نذرانہ لیا ہے۔ لیکن اگر خلیفہ میرے دروازہ پہ اس لیے آتا ہے کہ کل قیامت کے روز اُس سے دُنیا داری کا حساب نہ لیا جائے تو اُسے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ کے عُشاق میں سے کسی عاشق کا دامن پکڑنا اور اُس کی حمایت میں خود کو ڈالنا چاہیئے۔ زاہدوں سے یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں جو کچھ جانتا تھا۔ میں نے (اس کی روشنی میں) خلیفہ کی راہ نمائی کی اور اُس کا حق کہ وہ میرے دروازہ پہ آتا ہے میں نے ادا کر دیا۔ اب وہ جانے"۔

مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز ہارون الرشید امام ابو یوسف سے چپٹ گیا (اور کہا) کہ میں داؤد طائی سے ملاقات کرنا چاہتا

ہوں کوئی ترکیب ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے قبول کر لیا اور دونوں مل کر داؤد طائی کے مکان پر پہنچے اور آواز دی۔ آپ کی والدہ باہر تشریف لائیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جا کر داؤد سے کہیئے ہارون الرشید خلیفہ، زیارت کو آنا چاہتا ہے کیا اجازت مل سکتی ہے کہ میں اور ہارون الرشید حاضر ہوں"۔ داؤد طائی نے جواب دیا کہ اے امام خلیفہ سے کہہ دو کہ وہ جس کام کو بہتر جانتا ہے اُس میں مشغول رہے اور میں اس کام میں مصروف ہوں جو مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام ابو یوسف نے ان کی والدہ سے پھر یہ کہلا کر بھیجا کہ جا کر کہیئے کہ اس علم کے طفیل، جو تم نے مجھ سے حاصل کیا ہے ہمیں اجازت دو کہ خلیفہ تمہاری خدمت میں حاضر ہو اور مجھے اس کے سامنے شرم نہ آئے۔ امام داؤد قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ اے امام تمہارا وہی علم تو مجھے باز رکھتا ہے کہ اس سے ملاقات کروں۔ اس لیے کہ آپ ہی سے یہ پڑھا ہے کہ رُؤْيَةُ وَجْهِ الظَّالِمِ يُسَوِّدُ الْقَلْبَ۔ ظالم کے چہرہ کو دیکھنا قلب کو سیاہ کر دیتا ہے۔ وہ دل جسے میں نے برسہا برس، محبّت خداوندی سے جگمگایا ہے میں اُس کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ ایک ظالم کے دیکھنے سے سیاہ کر ڈالوں۔ براہ کرم تشریف لے جائیے۔ امام ابو یوسف نے پھر آپ کی والدہ سے کہا کہ میں نے خلیفہ کی عرض کو قبول کر لیا ہے مجھے شرم آتی ہے۔ کیا ہے کوئی ایسا حیلہ کہ داؤد اس کی ملاقات کو قبول کر لیں تاکہ میری شرمندگی دور ہو۔ پھر آپ کی والدہ گھر میں آئیں اور داؤد کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ اس دُودھ کی خاطر جو میں نے تمہیں پلایا ہے ملاقات کر لو اور ان کے اندر آنے سے کوئی عار مت سمجھو۔ امام داؤد حضرت معبود کی بارگاہ میں روئے اور بہت گڑگڑائے کہ "اے خدا تو نے فرمایا ہے کہ اصحاب کے حقوق کی رعایت کرو۔ اب وہ مجھ سے اُلجھ رہے ہیں مجھے معذور رکھ اور اس معاملہ میں مجھ پر رحم

عذاب نہ فرما۔ داؤد نے اصحاب عقوق کو قبول کر لیا ہے۔ پھر فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط پر کہ وہ رات کو آئیں اور ہجوم اور مخلوق کی کثرت کے ساتھ نہ آئیں۔

جب رات ہوئی تو امام ابو یوسف اور خلیفہ آئے۔ داؤد علیہ الرحمۃ نے چراغ گل کر دیا۔ تاکہ خلیفہ کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ امام ابو یوسف نے ہاتھ بڑھائے کہ داؤد سے مصافحہ کریں۔ داؤد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ اپنا ہاتھ کیوں نہیں دیتے اور کس وجہ سے مجھ سے عار کرتے ہو۔ جواب دیا کہ اے امام میں جانتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ خلیفہ کے کھانے میں آلودہ ہیں۔ اور خلیفہ کا کھانا شبہات سے خالی نہیں۔ لامحالہ تمہیں ہاتھ دینا مجھے نقصان پہنچائے گا۔ کچھ دیر کے بعد خلیفہ نے ایک ہزار دینار داؤد کے سامنے حاضر کیے اور عرض کیا کہ یہ مال مجھے باپ کی وراثت میں ملا ہے اس مال کے خرچ کرنے میں کوئی کچھ تردد نہ کیجئے۔" داؤد نے جواب دیا کہ اگر میں تم سے قبول کروں تو امام اعظم جو میرے استاد ہیں اور اپنے ہاتھ کی کمائی کے ساٹھ سو درہم لائے تھے اُن سے کیوں نہ قبول کر دوں۔ جب امام ابو یوسف اور خلیفہ رخصت ہو گئے تو لوگوں نے داؤد کی والدہ سے پوچھا کہ داؤد کہاں سے کھاتے ہیں۔ ان کی ماں نے جواب دیا کہ چند درہم باپ کی میراث میں پائے ہیں اُسی سے اپنی معاش کرتے ہیں اس کو ایک بقال کے یہاں رکھ دیا ہے اُسی کی قلیل مقدار کو اپنی روزانہ ضرورت میں کام لاتے ہیں اور کسی کی طرف رغبت نہیں کرتے اور ہمیشہ دُعا میں کہتے ہیں کہ خدایا جس روز یہ مال ختم ہو داؤد کی عمر تمام ہو چکی ہو۔ امام ابو یوسف نے اس بقال سے تحقیق کی کہ کتنے درہم باقی ہیں اور اپنے دل میں حساب کر کے رکھا اور اُسی روز حضرت داؤد کی وفات کا یقین کر لیا۔ جب اس مقدار کا آخر وقت آیا تو اپنے ایک شاگرد کو بھیجا تاکہ وہ خبر لائے۔ شاگرد جب آپ کے دروازہ کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ

داؤد طائی قدس سرہٗ کا صبح کے وقت انتقال ہو گیا۔

لوگوں نے حضرت جُنید قدس سرہٗ سے پوچھا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس دنیا (کے مال میں) سے صرف ایک پُرانی کھجور کی مقدار چبانے کے لیے رہ گیا ہے ۔ فرمایا کہ "مکاتب غلام ہی رہے گا اگرچہ اس پہ ایک درہم باقی رہے"۔ بشر یا پسی اور رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہما نے سفیان ثوری سے کہا کہ تم اچھے آدمی تھے ۔ اگر دنیا تمہیں محبوب نہ ہوتی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے ؟ جواب دیا کہ تم حدیث کی روایت پسند کرتے ہو۔ بشر حافی رضی اللہ عنہ نے ساتُ المارِی' حدیث کی کتابیں جن کا سماع کیا تھا خاک میں دفن کردیں اور کوئی حدیث روایت نہ کی اور یہ فرمایا کہ میں اس وجہ سے روایت نہیں کرتا کہ میں روایت کی طرف رغبت پاتا ہوں ۔ ہاں اگر میں خاموشی میں رغبت پاتا تو روایت کرتا۔

مرید مبتدی صادق کو یہ بھی چاہیئے کہ دُنیا والوں سے جان پہچان نہ بڑھائے شیخ اسلام فریدالحق والدّین قدس سرہٗ نے سلطان المشائخ خواجہ نظام الحق والدّین قدس سرہٗ سے فرمایا کہ اگر تم بزرگوں کے درجہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو اپنے اوپر یہ لازم کرلو کہ شہزادوں کی طرف التفات نہ کرو ۔ نیز لالچی علماء اور حریص فقراء کی صحبت سے بھی دور بھاگو کہ ان کی صحبت دنیاداروں کی صحبت سے بھی بُری ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر عالم کے پاس نہ بیٹھو بلکہ اُس کے پاس جو تمہیں پانچ چیزوں سے پانچ چیزوں کی طرف بلائے ۔ شک[۱] سے یقین کی طرف ، نمود[۲] سے اخلاص کی جانب ، دنیاوی[۳] رغبت سے ترک دنیا کی جانب ، خود نمائی سے کسرِ نفسی کی جانب اور باہمی دُشمنی سے خیرخواہی کی جانب"۔ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تین قسم کے لوگوں سے اجتناب اور پرہیز کرو بادشاہوں ، امیروں اور سلطانوں میں سے ظالم اور غافل سے ۔ دکھاوے کی قرأت کرنے والوں اور بددیانتوں سے

اور جاہل صوفیوں اور حریص پیروں سے۔

با بداں کم نشین کہ صحبتِ بد   گرچہ پاکی ترا پلید کند
آفتابے چنین درخشاں را   اندکے ابر ناپدید کند

بروں کے ساتھ کم بیٹھو کہ بری صحبت اگرچہ تو پاک ہے تجھے گندہ کر دیگی جیسے چمکتے ہوئے سورج کو بھی ایک ذرا سا بادل چھپا دیتا ہے۔ اے عزیز باطن کی گندگی تین قسم کی ہے۔ دنیا، خلق، نفس۔ دنیا مثل نجاستِ عین ہے۔ خلق مثل حدث کے اور نفس مثل جنابت کے۔ مرید جب تک دنیا، خلق اور نفس سے پوری طرح نہ بچے گا۔ باطنی طہارت ہرگز اس کے ہاتھ نہیں لگ سکتی۔

یاد رکھو کہ قبر کا اصل عذاب دنیا کی دوستی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ عذاب دنیا کی لذتوں کی مقدار، کم زیادہ بھی ہوتا ہے۔ اگر کہو کہ قبر کا عذاب دنیا کے ساتھ دلی تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس تعلق سے تو کوئی بھی خالی نہیں۔ تھوڑا ہو یا بہت۔ چاہیئے کہ سب پر عذاب ہو" تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو تمام دنیاوی اسباب کے باوجود اس سے لاپرواہ ہیں۔ اُن کے نزدیک ہونا، نہ ہونا، سب برابر ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو دنیا سے محبت کرتے ہیں مگر خدائے تعالےٰ سے اُس سے بڑھ کر۔ بعض وہ ہیں جو خدائے تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں مگر دنیاوی ساز و سامان کو اس سے بڑھ کر۔ یہ تیسرے قسم کے لوگ مدتوں عذاب چکھیں گے۔ اس کے بعد ان کا دل دنیا سے تبرّی کرے گا۔ دنیا کی لذتوں کو بھول جائیں گے اور خدائے تعالےٰ کی اصل دوستی جو دل میں دبی ہوئی تھی اب آشکارا ہو گی، تو ان کا عذاب دل کی راحت سے بدل جائے گا۔ ہاں وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کو بالکل دوست نہیں رکھتا اس کو ہمیشگی کا عذاب ہوگا۔ رہا یہ کہ تم کہو کہ جب کسی شخص کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں تو یہ ثواب و عذاب کیوں ہے اور بہت سی مخلوق اسی خیال میں ڈوبی ہوئی ہے کہ جب ہمارے قبضہ میں کوئی چیز نہیں تو ثواب اور عذاب کس

بنا پر ہے۔ اس چیز کی حقیقت شناسی اگرچہ لکھنے سے کتاب میں نہیں سما سکتی لیکن جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو تھوڑا سا ذکر کرتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ اگر خون اور صفرا تمہارے باطن میں غالب آجائیں تو اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے جسے بیماری کہتے ہیں اور اگر دوا غالب آجائے تو ایک اور حالت پیدا ہوتی ہے جسے تندرستی کہتے ہیں۔ اسی طرح جب شہوت غضب اور دوسری برائیاں تجھ پر غالب آجاتی ہیں تو تیرے جسم میں ایک آگ سی پیدا کر دیتی ہیں جس سے تو ہلاک ہو جاتا ہے اور جب عقل کی روشنی قوت پکڑتی ہے، تو غضب و شہوت کی آگ کو بجھا دیتی ہے لہذا دوزخ کی آگ کا بیج وہ تیرے نفس کی برائیاں ہیں اور وہ تیرے ساتھ تیرے جسم میں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُمْ۔ یہ سب تمہارے کرتوت ہیں جو تمہاری طرف پلٹتے ہیں۔ اگر تو کہے کہ اگر مقدر میں شقاوت ہے تو کوشش سے کیا فائدہ؟ تو یہ بات تو سچ ہے مگر ایک وجہ سے باطل۔ اور جو شخص ازلی شقی ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈالیں۔ وہ یہ کیوں نہیں کہتا کہ اگر ازل میں یہ حکم کیا گیا ہے کہ میں بھوکا مر جاؤں گا تو مجھے روٹی کیا فائدہ دے سکتی ہے؟ پھر روٹی نہ کھائے یہاں تک کہ یقیناً مر جائے۔

جاننا چاہیئے کہ بعض افعال تجھ میں اضطراری ہیں جیسا کہ سانس لینے کا ارادہ تجھ میں موجود ہے۔ خواہ تو چاہے یا نہ چاہے۔ یا جیسے کہ پاؤں اگر تم پانی میں ڈالو تو پانی خواہ مخواہ پھٹ جائے گا۔ تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور اسی طرح کی اور باتیں۔ اور بعض افعال اختیاری ہیں جیسے آنا جانا، کھانا پینا، سونا جاگنا وغیرہا افعال۔ کہ چاہو تو کرو اور نہ چاہو نہ کرو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ۔ کام کئے جاؤ۔ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُس کے لیے وہی میسّر ہے۔ اور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا۔ انتم تتقاحمون فی النار وانا آخذکم بحجزکم۔ تم آگ میں گرے پڑتے ہو اور میں تمہارا بند کمر پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں (تمہیں گرنے نہیں دیتا) والحمد للہ رب العلمین۔

فصل قناعت کا بیان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔ تو عزت دیتا ہے جسے چاہے اور ذلیل کرتا ہے جسے چاہے"۔ اصحاب طریقت کہتے ہیں کہ عزت، قناعت کے شرف سے ملتی ہے اور ذلت لالچ کے راستے آتی ہے۔ مَنْ قَنَعَ جَلَّ وَمَنْ طَمِعَ ذَلَّ۔ جس نے قناعت کی، عزت پائی اور جس نے لالچ کیا ذلیل ہوا۔ بیت۔

شیر نر عزت سے قناعت کرنے والے مرد کے قدم چومتا ہے اور کتے کی مادہ ذلت کے باعث، دروازے پر آنے والے ہر آدمی کا پیر چاٹتی ہے۔

اصمعی میرفت در راہے سوار — دید کناسی شدہ مشغول کار
نفس را می گفت کای نفس نفیس — کہ دمت آزاد از کار خسیس
ہم ترا دائم گرامی داشتم — ہم برائے نیک نامی داشتم
اصمعی گفتش تو باری ایں مگو — ایں سخن اینجا، دریں مسکن مجوی
چوں تو ہستی در نجاست کار گر — آں چہ باشد در جہاں زیں خوار تر
گفت باشد خوار تر افتادنم — بر در ہم چو توئی استادنم
ہر کہ پیش خلق، خدمت گر بود — کار من صد بار زو بہتر بود

یعنی حضرت اصمعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک راستہ پر، سوار گزر رہے تھے کہ ایک جاروب کش کو دیکھا کہ اپنے کام میں مشغول اپنے نفس سے کہہ رہا ہے کہ اے نفس نفیس! میں نے تجھے بُرے کام سے آزاد کیا۔ میں نے ہمیشہ تجھے عزت دی اور تیری نیک نامی میں لگا رہا۔ اصمعی نے فرمایا کہ بندۂ خدا، اس موقع پر تو یہ بات نہ کہہ۔ اس بات کا یہ کون سا محل ہے۔

جب تو خود نجاست میں مشغول ہے تو وہ کون ہوگا جو اس سے بھی زیادہ ذلیل ہوا۔" اس نے کہا کہ اس سے زیادہ ذلت یہ ہے کہ میں تم جیسے لوگوں کے در پر پڑا رہوں اور خدمت کے لیے آمادہ ۔ جو شخص مخلوق کے سامنے خدمت گزاری کرتا ہے میرا کام اس سے ہزار درجہ اچھا ہے۔

شیخ فاذن دانا قنوجی قدس سرہٗ ایک بادشاہ سے ملاقات کے لیے بضرورت گئے ۔ دربان نے نہ جانے دیا تو آپ نے انتہائی مجبوری میں یہ بیت پڑھا۔

سرو را سرہنگ را فرماں بدہ
دستِ درباں بشکند یا پائے من

اُرے بادشاہ! کسی سردار کو حکم دے کہ وہ یا تو دربان کا ہاتھ توڑ دے یا میرا پیر"۔ اس موقعہ پر مخدوم ملت جناب شیخ صفی قدس سرہٗ نے مصرع ثانی کو ذرا بدل کر فرمایا کہ

دستِ درباں نشکند جز پائے من

دربان کا ہاتھ نہ توڑے میرا پیر توڑ دے ۔ مخدوم شیخ فرید عطار قدس سرہٗ نے فرمایا۔

شکر ایزد را کہ درباری نہ ام | بستۂ ہر نا سزاواری نہ ام
من ز کس بر دل کجا بندی نہم | نام ہر دونی ، خداوندی نہم

خدا کا شکر ہے کہ میں نہ درباری ہوں اور نہ کسی نالائق کے ساتھ باندھا ہوا ۔ میں کسی کی خاطر، دل میں اطاعت کا بندہ کہاں باندھوں اور نہ کس کس نکمے کو اپنا آقا کہتا پھروں"۔ اس لیے چاہیئے کہ آدمی لالچ اور سوال کا دروازہ اپنے اوپر، حق کے ساتھ استغنار کا قفل لگا کر ایسا بند کرلے کہ حاجتوں اور ضرورتوں کی ہزاروں کنجیوں کی مار سے بھی وہ دروازہ نہ کھلے۔

ہمائے چوں تو عالی قدر و حرص استخواں حیف است
دریغ آں سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

تجھ جیسا عالی قدر ہما اور ہڈیوں کا لالچ، افسوس ہے۔ اور اس سایہ کے قصد پر بھی حسرت ہے جو تو کسی نا اہل پر ڈالے۔ ایک درویش کے دل میں روزانہ شیطان یہ وسوسہ ڈالتا کہ آج کیا کھائے گا۔ وہ کہتے "موت"۔ اور جب وہ کہتا کہ کیا پہنے گا تو کہتے کہ "کفن"۔ اور جب وہ کہتا کہ کہاں رہو گے تو کہتے کہ قبر میں۔ وہ نا امید ہو کر لوٹ جاتا۔

گر آہنگ ایں بحر داری درست
بکام نہنگ ست منزل نخست

اگر تو اس دریا کی شناوری کا ارادہ رکھتا ہے تو درست ہے لیکن (یاد رکھ) پہلی منزل گھڑیال کا منہ ہے۔ نفحات میں حضرت ابو عبداللہ مصری سے نقل ہے کہ ان کا لڑکا ان کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس تیل کا ایک مٹکا تھا جو میرا سرمایہ تھا وہ سر سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا اور میری پونجی برباد ہو گئی۔ فرمایا کہ اے بیٹے اپنی پونجی وہی بناؤ جو تمہارے باپ کی پونجی ہے۔ خدا کی قسم کہ تیرے باپ کا دنیا اور آخرت میں سوائے خداوند تعالیٰ کے کچھ نہیں۔ شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا تمام فائدہ اس میں تھا کہ اس کا باپ بھی نہ ہوتا۔ اور یہ مرتبۂ فنا کی طرف اشارہ اور شوقِ بقا کے بازار میں اپنی پونجی لگانے اور فائدہ کمانے کی طرف رہنمائی ہے۔

تا چند بباز از خودی پست شوی
بشتاب کہ از جام فنا مست شوی
از مایۂ و سودِ دو جہاں دست بشوی
سودِ تو ہماں بہ کہ تہی دست شوی

تو خود نمائی کے بازار میں کب تک ذلیل ہو گا۔ جلدی کر کہ فنا کے جام سے تو مست ہو جا۔ دونوں جہان کے فائدے اور پونجی سے اپنے ہاتھ دھو لے۔ تیرا بڑا فائدہ یہی ہے کہ تو خالی ہاتھ رہ جائے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے۔ لو کانت حبۃ بر دیدنا و الخلق کلھم

عیالی واللہ لا ابالی - اگر گیہوں کا ایک دانہ چودھویں کا چاند بن جائے اور تمام مخلوق میری عیال ہو جائے (کہ اُن کا نفقہ مجھ پر واجب ہو) تب بھی خدا کی قسم کچھ فکر نہ کروں - بڑی بڑی امیدیں باندھنا تنگ نظری کی نشانی اور حرص میں پڑنا بے ہنری کی دلیل ہے -

ہیچ کس را در جہان بحر و بر از قناعت نیست ملکی بیشتر
نفس قانع گر گدائی می کند در حقیقت پادشاہی می کند

اس خشکی اور تری کی دنیا میں کسی کے لیے قناعت سے بڑھ کر کوئی ملک نہیں - قناعت پسند نفس اگر گداگری بھی کرے تو وہ حقیقت میں بادشاہی کرتا ہے -

گفت بقراط آں حکیم مرد پاک در رہے می شد پیادہ دردناک
سائلی گفتش، ملوک روزگار جملہ می جویندت و تو بر کنار
معتقد داری بسے اسپے بخواہ تا پیادہ رفتنت نبود براہ
گفت من بر پائے من بار تنم بہ کہ بار منتے بر گردنم

حکیم بقراط مرد پاک نے کہا کہ ایک مرتبہ راستے میں ایک پا پیادہ، تھکا ماندہ پڑا تھا - اُس سے ایک فقیر نے کہا کہ تمام زمانہ تو تیری تلاش میں ہے اور تو ایک کنارے پڑا ہے - تیرے تو بہت معتقد ہیں کسی سے ایک گھوڑا مانگ لے تاکہ تجھے پیدل نہ چلنا پڑے - جواب دیا کہ میرے پیروں پر میرے بدن کا بوجھ ہو یہ اس سے اچھا ہے کہ کسی کے احسان کا بوجھ میرے سر پر ہو -

منقول ہے کہ بہلول بغداد قدس سرہٗ سے ایک خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا روزینہ مقرر کر دوں تاکہ تمہارا دل اُس میں الجھا نہ رہے - بہلول نے کہا کہ میں ایسا کر لیتا اگر چند عیب نہ ہوتے - اول یہ کہ تو نہیں جانتا کہ مجھے کیا چاہیئے - دوسرے یہ کہ تجھے نہیں معلوم کہ کب چاہیئے - تیسرے یہ کہ تجھے اس کا علم نہیں کہ کتنا چاہیئے - اور اللہ تعالیٰ یہ سب جانتا ہے اور اپنی حکمت

کاملہ سے پہنچا دیتا ہے۔ پھر ایک بات اور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تو مجھ سے ناراض ہو جائے اور اس روز تو میرا مقررہ روزینہ روک لے اور اللہ تعالیٰ کسی گناہ کے باعث بھی روزی نہیں روکتا۔

ولیکن خداوند بالا و پست — بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

یعنی پستی اور بلندی کے مالک نے گناہوں کے سبب کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔"

بزرگوں نے فرمایا ہے۔ رِزْقُ الْعَوَامِّ فِی یَمِیْنِہِمْ وَرِزْقُ الْخَوَاصِّ فِی یَقِیْنِہِمْ۔ عام لوگوں کا رزق اُن کے ہاتھ میں ہے اور خواص کا حصّہ ان کے یقین میں۔ حضرت سلطان العارفین سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ظاہر میں تو آپ کچھ کام نہیں کرتے پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟ فرمایا کہ میرا خدا تو کتے اور سوٴر کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ بایزید کو نہ پہنچائے گا۔

فراموشت نہ کرد، ایزد دراں حال — کہ بودی نطفۂ مدفون و مدہوش

روانت داد و عقل و طبع و ادراک — جمال و نطق و رائی و فکرت و ہوش

دہ انگشت، مرتب کرد بر کف — دو بازویت مرکّب داشت بر دوش

کنوں پنداری اے ناچیز ہمّت — کہ خواہد کردنت روزی فراموش

رب تعالیٰ نے تجھے اس حال میں بھی نہ فراموش کیا جب تو دفن کیا ہوا اور بے خبر نطفہ تھا تجھ میں رُوح ڈالی۔ عقل، طبیعت اور سمجھ دی۔ حُسن گویائی رائے فکر اور ہوش بخشا۔ تیری ہتھیلیوں پہ دس انگلیاں جمائیں اور تیرے بازو تیرے کاندھے سے جوڑے۔ اب اے ذلیل بے قدر سے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ تیری روزی بھلا دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ھَلُوْعًا۔ یعنی انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ کتاب لب لباب میں مقاتل سے نقل کیا ہے کہ طلوع کوہ قاف کے پیچھے ایک جانور ہے جو روزانہ سات

جنگلوں کو تر گھاس سے خالی کر دیتا ہے اور تمام سوکھی گھاس پات کھا لیتا ہے سات دریا کا پانی پیتا ہے۔ گرمی اور سردی میں بے تاب رہتا ہے اور ہر رات اس خیال میں گذارتا ہے کہ کل کیا کھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے صبری میں اس جانور کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

جانوری را کہ بجز آدمی ست — معدہ چوں پُر شد سبب بے غمی ست
آدمیست آنکہ نہ سیری بُرد — بر سر سیری غم روزی خورد
خوردہ ہمہ عمر چہ بیش و چہ کم — روزئ ہر روزہ از خوانِ کرم
وز جہت حرص غمش ہم چناں — ہیچ غمے نیست بجز فکرِ ناں

سوائے آدمی کے ہر جاندار کا یہ حال ہے کہ جب اُس کا پیٹ بھر جائے تو وہ اس کی بے فکری کا سبب بن جاتا ہے۔ آدمی ہی وہ ہے کہ پیٹ اس کا نہیں بھر پاتا بلکہ پیٹ بھرے پر بھی روزی کے غم میں رہتا ہے۔ اپنی تمام عمر خواہ زیادہ ہو یا کم اللہ کے کرم والے دستر خوان پہ روزی کھاتا ہے مگر حرص کی وجہ سے اُس کا غم ایسا سوار رہتا ہے گویا سوائے روٹی کے اور ایسے کوئی غم نہیں (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اے موسیٰ رزق کی فکر نہ کرنا جب تک یہ نہ جان لو کہ میرے خزانہ میں کچھ باقی نہیں رہا۔ کہتے ہیں کہ فتح موصلی قدس سرہٗ مکہ کی زیارت کو جا رہے تھے۔ خشکی کے راستہ میں ایک نابالغ بچّہ کو دیکھا کہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ فرمایا السّلام علیک۔ بچّہ نے سلام کا جواب دے دیا۔ فتح علیہ الرحمۃ نے پوچھا کہ اے میرے آقا کہاں سے آتے ہو۔ جواب دیا کہ "اپنے رب کے گھر سے"۔ دریافت کیا کہ تم ابھی بچے ہو۔ شریعت کے احکام کے مکلّف بھی نہیں۔ تو اپنے آپ کو کیوں تکلیف میں ڈالتے ہو۔ بچہ نے جواب دیا کہ میرے بزرگوار! اپنی تمام عمر بھر ایسی بات مت کہنا۔ ملک الموت نے مجھ سے زیادہ کم عمروں کی رُوح قبض کر لی اور خاک کو سونپ دیا ہے۔ فرمایا کہ اے بچّے تیرے ساتھ کچھ توشہ اور سواری تو مجھے معلوم نہیں ہوتی۔

جواب دیا کہ میرا توشہ یقین ہے جہاں کہیں رہوں۔ میری سواری میرے دونوں پیر ہیں جن پر میں چلتا ہوں اور میرا بار بردار میرا شوق اور عشق ہے۔ فتح موصلی نے جواب دیا کہ میں تجھ سے یہ بات نہیں پوچھتا۔ روٹی پانی کو پوچھتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ جواب دیا کہ مجھے فتح کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اسے فتح اگر دنیا والوں میں سے آپ کا کوئی ایک دوست آپ کو بطور مہمان بلائے تو کیا آپ کو اچھا معلوم ہو گا کہ کھانا لے کر جائیں اور اپنا کھانا کھانے میں مشغول رہیں۔ جواب دیا کہ نہیں۔ لڑکے نے کہا کہ اسے کمزور یقین والے! میرا خدا کہ اتنے گنہگاروں، بیگانوں اور غیر مہمانوں کو روزی دیتا ہے۔ اُس نے جب مجھے اپنے یہاں بلایا ہے تو کیوں کر کھانا پانی نہ دے گا۔

اسے قناعت تو انگرم گرداں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
گنج صبر اختیار لقمان ست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کرا صبر نیست حکمت نیست

اسے قناعت تو مجھے مالدار بنا دے کہ تیرے علاوہ کوئی نعمت نہیں۔ صبر کا خزانہ لقمان کا پسندیدہ ہے تو جسے صبر نہیں اُسے عقل نہیں۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ جواب دیا کہ اس بادشاہ کے خزانہ سے، جس میں کوئی چور اور کیڑا نہیں لگتا۔ لوگوں نے کہا تو شاید تم پر آسمان سے روٹی کے ٹکڑے برستے ہوں گے؟ فرمایا کہ اگر زمین نہ ہوتی تو البتہ آسمان ہی سے ڈال دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ تم تو ایسی ہی باتیں کہتے ہو۔ جواب دیا کہ آسمان سے بھی یہی کلام اترا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رزق کے اہتمام میں مت رہنا ورنہ تم رزق دینے والے کا اہتمام کرنے والے کی مانند ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ۔ کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسے پیدا کیا گیا ہے"۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اونٹ حلیم ہے۔ بڑا بوجھ لادتا ہے اور فرمانبردار ہے

کہ ہر شخص کی بات مانتا ہے۔ اور قناعت والا ہے کہ ہر گھاس چر لیتا ہے اور تحمّل والا ہے اور بھوک اور پیاس میں صبر اختیار کرتا ہے۔ غرض جو چیز حیوان سے مطلوب ہوتی ہے یعنی نسل، حمل، دودھ، گوشت اور سواری وہ سب اس سے حاصل ہے۔ حضرت رومی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

بر خواں افلا ینظر تا قدرت ما بہ بینی
یک رہ شتر بنگر تا صنع خدا بہ بینی
در خار خوری قانع، در بار کشی راضی
ایں وصف اگر بجوئی، در اہلِ صفا بینی

افلا ینظرون کو پڑھو اور ہماری قدرت دیکھو۔ اونٹ پر نظر دوڑاؤ کہ تمہیں خدا کی صنعت نظر آئے۔ کانٹے کھانے میں وہ خوش اور بوجھ لادنے پر وہ راضی رہتا ہے۔ انسانوں میں یہ وصف ڈھونڈھنا چاہتے ہو تو اہلِ صفا میں ڈھونڈو۔

محققین فرماتے ہیں کہ اُن چار پرندوں کے ذبح کرنے میں جن کا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے۔ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ الاٰیۃ۔ یعنی اور تم چار پرندے لو اور انہیں خود سے ہلا لو پھر اُن میں سے ہر ایک کا ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر ان کو بلاؤ کہ وہ دوڑتے آئیں گے"۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے تن کے کبوتر کو جو ہمیشہ آدمیوں سے مانوس رہتا ہے مار دو اور محبّت کا رشتہ مخلوق سے توڑ لو اور اُس مرغ کو جو ہمیشہ شہوت پر مائل رہتا ہے ذبح کرو اور اپنے آپ کو شہرت کے جال سے آزادی دو۔ اور کوّے کو جو لالچ کا خزانہ ہے اُسے قتل کر کے حرص اور لالچ کی صفت چھوڑ دو۔ اور مور جو بہت خوبیوں کا جامع ہے اسے مار دو۔ اور ہر مراد کی آنکھ دنیا کی زینت سے بند کر لو تا کہ تم ہمیشہ زندہ رہو۔

با تو قربِ قابَ قوسین آنگہ افتد عشق را
کز صفاتِ خود بُبعد المشرقین افتی جُدا
با قطارِ خوک در بیت المقدس پا منہ
با سپاہِ پیل بر درگاہ بیت اللہ میا

تجھے قربتِ عشق کا قابَ قوسین اس وقت حاصل ہوگا جب تو اپنی برائیوں سے اتنا دور ہو جائے جتنا مشرق سے مغرب۔ خنزیر کی قطار کے ساتھ بیت المقدس میں پاؤں مت رکھو اور ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ کی طرف مت چلو۔ انوار میں مذکور ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو ابدی زندگی سے زندہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ بدنی قوتوں کو ریاضت کی تلوار سے زخمی کر کے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے تاکہ ان کی تیزی ٹوٹے اور وہ مطیع و فرمانبردار بن جائیں۔ پھر اُن کو شرع اور عقل کی آوازوں سے بلائے تاکہ وہ اس کی پیروی کرتی ہوئی جلدی سے لوٹ آئیں۔ کہتے ہیں کہ چار صفتیں انسان میں چار عنصروں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اوّل تکبّر جو آگ سے پیدا ہوا۔ دوسرے شہوت جو ہوا کا نتیجہ ہے۔ تیسرے حرص جو پانی کی فطرت ہے۔ چوتھے بُخل جو خاک کی صفت ہے جیسا کہ حکیم سنائی نے ان شعروں میں بیان کیا ہے۔

چار مرغ ست چار طبعِ بدن — جملہ را بہرِ دیں بزن گردن
پس بایمان و شرع و عقل و دلیل — زندہ کن چار مرغ را چو خلیل

بدن کے چاروں عنصر چار پرندے ہیں۔ دین کے واسطے ان چاروں کی گردن مار دو۔ اس کے بعد ایمان، عقل، شریعت اور دلیل سے چاروں کو زندہ کر لو جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کیا۔

فصل توکّل اور تبتّل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلاً ۝ یعنی

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے کٹ کر رب سے مل جاؤ اور ایسے کہ نہ ہرگز کسی اور میں مشغول ہو اور نہ ہرگز کسی سے دوستی مناؤ اور اپنی نظرِ ہمت کو دنیا و آخرت پر مت ڈالو"۔ اور خود رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس انقطاع کے متعلق یہ خبر دی کہ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ خَلِيلِيَ اللّٰهُ۔ "اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو اپنا حاجت روا بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن میرا حاجت روا تو اللہ ہے"۔ خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیک عورت کو دیکھا کہ ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے ہے۔ پوچھا کہاں سے آئی ہو؟ جواب دیا "اللہ کی طرف سے"۔ فرمایا کدھر جا رہی ہو؟ جواب دیا "اللہ کی طرف"۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا "تم پہ اللہ کی رحمت ہو کچھ نصیحت ہمیں بھی کرو"۔ کہا کہ اے ذوالنون جو شخص مولےٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بلاؤں سے اس کا امتحان فرماتا ہے۔ پھر آخرت کسے۔ اور پھر دنیا سے۔ پس اگر وہ ان میں سے کسی کی جانب متوجہ ہوا رب تعالیٰ اس سے اعراض فرماتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرماتا ہے تو ہر چیز اس سے بھاگتی ہے۔ آسمان سے لے کر تحت الثریٰ تک۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے حکایت فرماتے ہیں کہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے کہ "اے بندو! اہلِ زمانہ کی طرف دیکھو۔ کیا کوئی ایسا ہے جو سب سے کٹ کر مجھ سے ملا اور میں نے اُسے عزت نہ دی۔ اور اس نے مجھ پہ بھروسہ کیا اور میں اُس کے لیے کافی نہ ہوا۔

اے بندہ من گریز و خود را بلہ کن
گر شاہ جہاں نہ گردی آنگہ گلہ کن

رو گرد جہاں بگردد پا آبلہ کن
گر بہ زمن یابی، مارا ابلہ کن

یعنی اے بندے! تو میری طرف بھاگ کر آ۔ اور ہر چیز سے خود کو لاتعلق بنا۔ اگر تو دنیا کا شاہ نہ ہو جائے اس وقت شکایت کر۔ جا اور تمام دنیا کے گرد پھر اور اپنے پیروں میں آبلے ڈال لے۔ اگر کوئی مجھ سے بہتر تجھے

مل جائے تو مجھ سے بے علاقہ ہو جانا - اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَمَن یَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسبُہٗ - جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کو کافی ہے۔ توکّل اس کا نام ہے کہ بندہ اپنے تمام کاموں کو حق سبحانہٗ کو اس طرح سونپ دے کہ پھر اس میں ذرّہ برابر تصرف نہ کرے جب توکّل چیزیں ترک نہ کریگا تیرا توکّل پورا نہیں -

صاحب کشف الاستار قدس سرہٗ نے آیۂ کریمہ ھُوَالاَوَّل وَالآخِر وَالظَّاھِر وَالبَاطِن کی تفسیر میں فرمایا کہ زبان رحمت اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ بنی آدم دنیا کی مخلوق میں تیرے لیے چار گروہ ہیں - پہلا تو وہ گروہ کہ اوّل حال میں تیرے کام آئے جیسے ماں اور باپ - دوسرا گروہ جو آخر میں تیرا ہاتھ بٹائے جیسے بیٹے پوتے - تیسرے وہ لوگ جو ظاہر میں تجھ سے پیوستہ ہیں جیسے دوست احباب - چوتھے وہ جو درپردہ تیرے ساتھ وابستہ ہیں جیسے بیویاں اور کنیزیں - رب العلمین فرماتا ہے کہ ان میں سے کسی پر بھروسہ نہ کرو اور اپنا کارساز انہیں نہ جانو - کہ سب سے اول تو میں ہوں کہ تجھے عدم سے وجود میں لایا - اور آخر میں ہوں کہ تیرا رجوع میری ہی جانب ہوگا - اور ظاہر بھی میں ہوں کہ تجھے بہترین صورت دے کر سنوارا - اور باطن بھی میں ہوں کہ حقائق و اسرار کو تیرے دل میں ودیعت رکھا - اے عزیز مرد کو چاہیئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی مانند دُنیا سے منہ پھیر لے اور (جان لے کہ) فَاِنَّھُم عَدُوٌّ لِّی اِلَّا رَبَّ العٰلَمِین - یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے - مال کو مہمانوں پر صرف کرے - فرزندوں کو قربان کرنے کا ارادہ رکھے - اور پھر اپنے آپ کو جلتی آگ میں جھونک دے تا کہ دوستی کا دعویٰ سچا اُترے -

دعویٰ کردی بما دلیلت باید | مہر موسیٰ و دل خلیلت باید
گر صحبت آں یار جلیلت باید | مال و تن و جان جملہ سبیلت باید

تم نے ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کیا ہے تو کچھ دلیل بھی چاہیئے - موسیٰ

علیہ السلام کی سی محبّت ہو اور خلیل علیہ السلام کا دل ۔ اگر اُس محبوبِ جلیل کی قربت منظور ہے تو مال و جان و جسم، سب کو نشانِ راہ بناؤ۔

آنکس کہ ترا شناخت، جاں را چہ کند　　فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی، ہر دو جہانش بخشی　　دیوانہ تو، ہر دو جہاں را چہ کند

جسے تیرا عرفان نصیب ہو گیا وہ جان و مال ۔ اہل و عیال اور مال و متاع کا کیا کرے ۔ تو نے تو اُسے دیوانہ بنا کر دونوں جہاں بخش دیئے ۔ اب تیرا دیوانہ دونوں جہاں کا کیا کرے ۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی تارک الدنیا ابدال سے پوچھا کہ تحقیق حق کا کون سا راستہ ہے؟ فرمایا کہ مخلوق پہ نظر مت رکھو کہ اس پہ نظر ڈالنا تاریکی ہے ۔ میں نے کہا کہ اس سے تو چارہ نہیں ۔ تو فرمایا کہ ان کی بات مت سنو کہ ان کی بات سننا سخت دلی ہے ۔ میں نے کہا کہ اس سے بھی گریز نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ ان کے ساتھ معاملہ مت رکھو کہ اُن کے ساتھ معاملہ کرنا وحشت ہے ۔ میں نے کہا کہ میں تو انہیں میں بستا ہوں تو اس سے فرار کیوں کر ممکن ہے ۔ فرمایا کہ اُن کا سہارا مت تکو ۔ کہ اُن کا سہارا تکنا ہلاکت ہے ۔ میں نے کہا شاید (یہ ہو سکے) تو فرمایا کہ اے فلاں غافلوں پہ نظر رکھو ۔ جاہلوں کی باتیں سنو ۔ جھوٹوں سے معاملہ کرو اور چاہتے ہو کہ حق کے ساتھ بھی تمہارا دل لگا رہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ۔

باخود بنشین و ہمدم و ہمراز خویش باش　　حیف آیدم کہ با تو کسے ہم نشین بود

اپنے آپ میں رہ اور اپنا ہی ہمدم و ہمراز ہو جا ۔ مجھے تو اُس کا افسوس ہے کہ کوئی غیر تیرے پاس بیٹھے ۔ حضرت مخدوم خواجہ نصیر الحق والدین محمودؒ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اپنے ابتدائی دورِ طلب میں اس حد تک دوسروں کی صحبت سے بچتا کہ کسی جمعیت میں حاضر نہ ہوتا اگرچہ اس وجہ سے مولینا شمس الدین یحیٰی اور مولینا علاء الدین نیلی کو تکلیف ہوتی مگر میں اسے برداشت کرتا اور کسی

مجلس میں اُس زمانہ میں نہ جاتا کہ کسی کام کا بوجھ مجھ پر نہ رکھیں۔ اور کوئی کام اُس وقت تک پورا ہو نہیں سکتا جب تک کوئی دل کو نہ مار اجائے اور اپنوں سے دور گوشہ نشینی اختیار نہ کرے۔ کام یوں نہیں بنتا کہ چاشت، اشراق اور تہجد کو رسم بنا کر ادا کرے۔ ظاہر میں تو آدمی درویشوں کی سی صورت رکھے اور دل میں خدا جانتا ہے کہ کیا کیا تمنائیں ہیں اور کیسے کیسے خیالات آتے ہیں۔

آنانکہ ربودهٔ اَلَستند — از عہدِ الست باز مَستند
در منزلِ درد، بستہ پایند — در دادنِ جاں، کشادہ دستند
چالاک شدند و پس بیک گام — از جوئ حدوث باز رستند
فانی زخود، وبدوست باقی — ایں طرفہ کہ نیستند وہستند
ایں طائفہ اند اہلِ توحید — باقی ہمہ خویشتن پرستند

جو لوگ عہدِ الستُ بربّکم سے منتخب ہو چکے اور اس پیمانِ الست سے مدہوش ہیں، وہی ہیں جنہوں نے دردِ عشق کی منزل میں اپنے پاؤں باندھ دیئے اور جاں بازی کے لیے ہاتھ کشادہ کر دیئے ہیں۔ وہ ایسے ہوشیار ہیں کہ ایک ہی جست میں دریائے حدوث سے باہر ہوئے اور فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ بن گئے۔ یہ بھی طرفہ تماشا ہے کہ وہ ہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔ بس یہ گروہ ہے اہلِ توحید کا۔ باقی سب خود پرستی میں مبتلا ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جنید قدس سرہٗ نے رابعہ بصریہ کو یہ پیغام دیا کہ ہمیں زوجیت میں قبول کرلو تاکہ عبادت میں کچھ مدد مل جائے۔ رابعہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مردمیں صرف ایک حصّہ شہوت ہے اور نو حصّہ عقل جب کہ عورت میں نو حصّہ شہوت ہے اور ایک حصّہ عقل۔ اب کہ تمہارا ایک حصّہ شہوت، عقل کے نو حصّوں پر غالب آگیا تو چاہتے ہیں کہ میرا وقت بھی خراب کریں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی مشغولی سے روک دیں اور اپنی خدمت میں لگا لیں"۔ جنید قدس سرہٗ لاجواب ہو گئے اور یہ شعر پڑھا۔

آں زن کہ بہ زہزار مرد ست تو ئی — وآں مرد کہ از نے خجل ماندہ منم

یعنی جو عورت ہزار مردوں سے بہتر ہے وہ تم ہو اور جو مرد ایک عورت سے شرمندہ ہوا وہ میں ہوں۔

نقل ہے کہ مریم صلے اللہ علی نبینا و علیہا الصلوٰۃ والسلام سے لوگوں نے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔ فرمایا کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں مصروف ہے اور زبان اس کے ذکر میں اور بدن اُس کی عبادت میں مشغول ہے۔ اگر شوہر کروں گی تو میرا دل اس میں لگا رہے گا۔ زبان اُس کو جواب دہی میں اور بدن اُس کی خدمت میں۔ مجھے تو شرم آتی ہے کہ خالق سے پھر کر مخلوق سے مشغول ہو جاؤں۔ قطب عالم شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سلطان ابراہیم کا جب وہ وقت آن پہنچا کہ آپ مخالفت سے باز آئیں تو ایک روز شکار میں ایک شکار کے پیچھے گھوڑا دوڑائے جا رہے تھے کہ وہ جانور اپنا منہ ابراہیم کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ اے ابراہیم کیا اسی لیے پیدا کیے گئے ہو۔ ابراہیم کے دل میں اُسی وقت سے ایک خوف و وحشت پیدا ہو گئی۔ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ابراہیم کے برابر ایک دکان تھی اور ابراہیم اُس دکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا، عمامہ باندھے، سر ڈھانپے اور ایک رسی کا ٹکڑا اونٹ والوں کی طرح سر سے لپیٹے ہوئے۔ چاہتا تھا کہ ابراہیم کے مکان میں داخل ہو۔ لوگوں نے کہا کہ کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا کہ اس سرائے میں"۔ لوگوں نے کہا کہ یہ سرائے نہیں ابراہیم کا مکان ہے۔ اُس نے کہا کہ ابراہیم کو یہ مکان کس سے پہنچا۔ لوگوں نے کہا کہ باپ کی وراثت میں پایا ہے۔ اس نے کہا کہ ان کے باپ نے کس سے پایا۔ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے باپ سے۔ اُس نے کہا کہ بس مسافر خانہ بھی تو یہی ہوتا ہے کہ ایک آئے اور ایک جائے۔ یہ کہہ کر وہ شخص پلٹ گیا۔ ابراہیم کو تنبیہہ ہوئی اور اُس کے پیچھے چل دیئے۔ جب دروازے سے باہر نکلے۔

اُس شخص کو دیکھا ۔ آواز دی کہ اپنے معبود کے واسطے رُک جا، پھر اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں آیا ۔ اُس نے جواب دیا کہ میں خضر ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تجھے خدا کی عبادت کے راستے میں ڈال دوں ۔ کہا کہ اگر اجازت ہو تو سب کام ٹھیک کر کے آؤں ۔ آپ نے جواب دیا کہ اس سے جلدی کا کوئی کام نہیں بس یہیں سے چل پڑو ۔

تا کارِ جہاں راست کنی دیر شود   چوں دیر شود، وَلت زما سیر شوُد

تم جب تک دنیا کا کام ٹھیک کرو گے، دیر ہو گی اور جب دیر ہو گی تو تیرا دل ہم سے سیر ہو چکا ہو گا ۔ حضرت خضر غائب ہو گئے اور ابراہیم قدس سرہٗ ایک گڈریے کے یہاں پہنچے ۔ اپنے کپڑے اُسے دیئے اور اس کے کپڑے خود پہنے ۔ تمام اہل و عیال کو خدا کے حوالے کیا اور بیابان کو چل دیئے ۔

تو در کشتی فگن خود را، میا از بہرِ تسبیحے
کہ خود روح القدس گوید کہ بسم اللہ مجریھا

تو اپنے آپ کو کشتی میں ڈال دے اور تسبیح نہ پڑھ کہ خود روح القدس فرمائیں گے بسم اللہ مجریھا ۔

با دوست یگانہ باش و ز خلق چہ باک   معشوق ترا د بر سرِ عالم خاک

دوست کا یگانہ بن جا پھر مخلوق کا کیا ڈر ۔ تجھے تو تیرا محبوب چاہیئے ۔ دنیا پہ خاک ڈال ۔

کہتے ہیں کہ امام شبلی قدس سرہٗ پر کیفیت طاری تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے ۔ فرمایا ہاں جانتا تو ہوں لیکن جب تک میں نے اُس کی رحمت کو نہ پہچانا ہرگز نہ کہا کہ مجھ پہ رحم فرما ۔ اسلیے کہ جسے اس سے حاجت ہے اس سے مانگے گا اور جسے خود اس کی حاجت ہے وہ اور کیا مانگے گا ۔ مخدوم ملّت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ رابعہ رضی اللہ عنہا مناجات میں یہ کہتیں کہ "خدایا اگر رابعہ نے دوزخ کی آگ سے

اگر تیری عبادت کی ہے تو اُسے دوزخ میں جلا دے ۔ اور اگر بہشت کی امید میں تیری پرستش کی ہے تو جنت رابعہ پر حرام کر دے اور اگر تیری عبادت صرف تیرے لیے کی ہے تو اپنے دیدار سے رابعہ کو محروم نہ رکھ۔

اے دوست کچھ تو غور کر کہ سلف صالحین نے اور تمام طبقات کے بزرگان دین نے جو اپنی عزت اور مال و متاع کو برباد کیا ۔ جنگلوں میں پھرتے رہے ۔ مخلوق سے ایک دم کنارہ کشی کی ۔ مہینوں اور چلّوں کھانے پینے کے پاس نہ پھٹکے ۔ ذکر دمراقبہ میں ڈوبے رہے اور کسی گھڑی کسی ساعت ، ذکر و فکر سے خالی نہ رہے۔ یہ انہوں نے کیوں کیا ۔ کیا صرف دوزخ سے بچنے اور جنت میں بسنے کی خاطر ۔ استغفر اللہ ، ان چیزوں کے لیے ایسی مصیبت اٹھانے اور سختی جھیلنے کی کیا ضرورت ہے ؟ شیخ احمد غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ مرد کو چاہیئے کہ طلب کا بلّا ہاتھ میں لے اور نیازمندی کی گیند سے کھیلے ۔ کبھی اس گیند کو آسمان کی طرف پھینکے ۔ کبھی لوح پر ، کبھی قلم پر ، کبھی بلندی پر اور کبھی پستی پر ۔ یہاں تک کہ ناگاہ سعادت نمودار ہو اور سراپردہ عزت تک اس کی رسائی ہو جائے ۔ اب اگر اس کا لباس خواجگان کا لباس ہے (یعنی دنیاداروں کا) تو اُس کے منہ پر مار دیتے ہیں اور اگر فقیروں کا لباس ہوتا ہے تو پھر درویشی کے خلوت خانہ میں لے جا کر ، صدر مقام پر بٹھا دیتے ہیں۔

قطب عالم شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مردانِ خدا وہ ہیں جو تمام رسولوں کے آقا کی پیروی کر کے دم زدن میں آسمان اور فرشتگان سے گزر جاتے ہیں اور اپنا قدم قاب قوسین او ادنیٰ پر رکھتے ہیں اور جن و انس کے اعمال کی جانب متوجہ نہیں ہوتے کہ نَفَسٌ مِن اَنْفَاسِ العَاشِقِیْن خیر من عبادۃِ الثقلین۔ عاشقوں کا ایک سانس جن اور انسانوں کی عبادت سے بہتر ہے ۔

اے خلقِ جہاں بجلکی بشتابید — تا قافلۂ سوختگاں دریابید
اے اہلِ مناجات کہ در محرابید — صد قافلہ گذشت و شما در خوابید

اے دنیاوالو! سب مل کر دوڑو تاکہ عاشقوں کے قافلے سے مل جاؤ اور اے چپکے چپکے محراب میں دعا کرنے والو! سینکڑوں قافلے گذر چکے ہیں۔ تم ابھی تک نیند میں ہو۔ ہاں ہاں اے عزیز ان جوانمردوں کا حال عام لوگ نہیں جانتے کہ کس قسم کے رند ہیں۔ ارے یہ رحمٰن کے عشاق، سبحان کے مشتاق ہیں۔ اپنی جان و جسم کو آگ میں جھونکنے والے، حضرت معبود کے قلندر، بے گناہ دیوانے اور اس بادشاہ کے شوریدہ سر ہیں۔ ان دیوانوں کا عجیب حال ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ان مر مٹنے والوں کا عجب کمال ہے کہ انکی عبادتیں سب گناہ ہیں۔ اور معصیتیں سب عبادت، ان کا گفتار ان کا کردار ہے اور اُن کا کردار، ان کی گفتار۔ یہ سب غائب ہیں مگر حاضر اور حاضر ہیں مگر غائب۔

پادشاہانیم و مارا ملک نیست زیں سبب لافِ گدائی می زنیم

بادشاہ ہیں مگر ہمارا کوئی ملک نہیں۔ اس بنا پر ہم فقیری پہ ناز کیا کرتے ہیں (حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا) اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری۔ میرے اولیاء میری قبار قدرت کے نیچے ہیں انہیں سوائے میرے کوئی نہیں پہچانتا" ارشاد فرمایا۔ اِنفِرُوا خِفَافاً او ثِقَالاً (باہر نکلو ہلکے جی یا بھاری دل سے۔ امام قشیری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ خفاف ہلکے جی وہ ہیں جو خدا کے سوا ہر تمنا سے پاک اور آزاد ہیں اور ثقال بھاری دل وہ ہیں جو تعلقات کی قیدوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بحرالحقائق میں مذکور ہے کہ خفاف مجذوب ہیں جو عنایت کی کشش سے سلوک کی راہ پہ چل پڑے ہیں اور ثقال وہ سالک ہیں کہ ہدایت کی پرورش سے جذبہ حقانی کی جانب ہیں۔ یہ دونوں ہی راہِ سلوک کے رہرو ہیں۔ ایک کشش کے بازوؤں سے اڑتا ہے اور دوسرا سعی پیہم کے پیروں سے چلتا ہے۔ وہ جو کوشش مسلسل کے پیروں سے راستہ طے کرتا ہے ہر قدم کے نیچے ایک دنیا روندتا چلتا ہے اور وہ جو کشش دا قبال کے بازوؤں سے اڑتا ہے آنکھ جھپکنے میں ماسوائی اللہ

کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

مردِ عارف چوں بداں پر می پرد | در دمے از نہ فلک می بگذرد
سیرِ زاہد ہر دمے یک روزہ راہ | سیرِ عاشق ہر زماں تا تختِ شاہ

بندۂ عارف جب ان پروں سے اڑتا ہے تو چشم زدن میں نو آسمانوں سے گذر جاتا ہے۔ زاہد کی سیر ایک دم میں ایک روزہ راہ کے برابر ہوتی ہے اور عاشق کی سیر ہر ساعت عرشِ الٰہی تک رہتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا کہ میں نے شام کے بعض ساحلوں پر ایک عورت کو دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ کہاں سے آتی ہو جواب دیا۔ اس قوم کے پاس سے کہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ جس کے پہلو بچھونوں سے دور رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے امید لگائے پکارتے ہیں"۔ میں نے کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ جواب دیا کہ ان لوگوں کی جانب کہ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ جنہیں نہ تجارت اللہ کے ذکر سے روکے اور نہ خرید و فروخت۔ میں نے کہا کہ ان کا حال بیان کرو تو یہ شعر پڑھا۔

قومٌ هُمُوْمُهُمْ بِاللّٰهِ قد علقت | فما لهم همم تسمو الی احدٍ
فمطلب القومِ مولاهم وسیدهم | یا حسن مطلبهم للواحدِ الصمدِ

وہ قوم جس نے اپنے تمام حوصلے، اللہ تعالےٰ سے متعلق کر دیئے ہیں۔ ان کی کوئی مراد ایسی نہیں جس کی طرف تم اُنہیں منسوب کر سکو۔ اس قوم کا مقصود تو اُن کا مالک اور آقا ہے اور کیسے صاحبِ جمال ہیں وہ جن کا مقصودِ کل وہ بے نیاز معبود ہے۔

شیخ الاسلام قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ احمد بن یحییٰ دمشقی ایک روز اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھے تھے اور اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ قرآن شریف سے پڑھ کر انہیں سُنا رہے تھے کہ اُن کی ماں نے کہا کہ اے احمد ہمارے پاس سے اُٹھو اور جاؤ ہم نے تمہیں راہِ خدا کے لیے کر دیا۔ آپ اُٹھ بیٹھے اور عرض کیا

کہ "خدایا اب تیرے سوا میرا کوئی اور نہیں"۔ اور کعبہ کی طرف چل پڑے۔ عرصۂ دراز کے بعد کہ آپ سلوک کی چوبیس منزلیں طے کر چکے تھے۔ والدین کی زیارت کا قصد کیا۔ جب دمشق میں اپنے گھر کے دروازے پہ پہنچے تو زنجیر ہلائی۔ ان کی والدہ نے فرمایا کہ کون ہے دروازہ پہ؟ جواب دیا کہ میں ہوں احمد۔ اُس وقت آپ کی والدہ نے کہا کہ اس سے پہلے ہمارا ایک بیٹا تھا جسے ہم نے خدا کی راہ میں دے ڈالا۔ اب کسی احمد و محمود کو ہم سے کیا واسطہ۔

ما ہر چہ داشتیم، فدائی تو کردہ ایم   جاں را اسیرِ بندِ ہوائے تو کردہ ایم
ما کردہ ایم ترکِ خود و ہر دو کون نیز   وینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

ہم جو کچھ رکھتے تھے تیرے نام پہ فدا کر چکے جان کو تیری تمنا کی قید میں اسیر کر کے ہم نے خود اپنے کو بھلا دیا اور دونوں جہان کو بھی۔ اور جو کچھ کیا ہے سب تیرے ہی لیے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ۔ یعنی ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی جانب وحی بھیجی کہ اپنے خانۂ دل کو دنیا و آخرت سے تعلقات کی کثافتوں سے پاک صاف رکھو کہ یہ دوست کا حرم ہے۔ گھر کی صفائی نجاستوں اور گندگیوں کے دُور کرنے سے ہوتی ہے اور دل کی صفائی ملاحظۂ اغیار کی تطہیر سے۔ کہتے ہیں کہ ایک آقا شراب خانے سے گھر لوٹ کر آیا اور خادم سے کہا کہ مجھے کوئی پاک جگہ بتا کہ نماز پڑھ لوں۔ اُس نے جواب دیا کہ پہلے اپنے دل کو ماسوی اللہ سے پاک کر، اس کے بعد جہاں چاہے نماز ادا کر۔

ازاں محرابِ ابرو رو مگرداں   اگر در مسجدی و در خرابات

اُس محرابِ ابرو سے منہ نہ پھیر اگرچہ تم مسجد میں نہ سہی شراب خانہ میں ہو۔

زاد الابرار سے منقول ہے کہ یحییٰ معاذ رازی قدس سرہٗ کے ایک بھائی مکے تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مجاور بن گئے اور یحییٰ کی خدمت میں ایک

خط لکھا کہ میری تین تمنائیں تھیں ۔ دو پوری ہو چکیں تیسری کے لیے دعا کرو کہ وہ بھی حاصل ہو ۔ پہلی آرزو تو یہ تھی کہ اپنی آخر عمر میں اس زمین پہ پہنچوں جو تمام زمینوں سے افضل ہے چنانچہ میں حرم میں وارد ہو چکا جو تمام زمینوں سے معظم ہے ۔ دوسری تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک غلام دے جو میری خدمت کرے ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کنیز بخش دی ۔ تیسری تمنّا یہ ہے کہ موت سے پہلے آپ کو دیکھ لوں دعا کیجیے کہ یہ بھی میسّر ہو جائے“ ۔ یحییٰ قدس سرہٗ نے جواب لکھا کہ ”یہ جو تم نے لکھا کہ میری آرزو بہترین زمین کے لیے تھی تو تم خود بہترین مرد بن کر جہاں چاہو رہو ۔ زمین مرد سے معزز ہوتی ہے نہ کہ مرد زمین سے ۔ اور یہ جو لکھا کہ ایک خادم کی آرزو تھی وہ مل گیا تو اگر تم میں مروت و جوانمردی ہوتی تو حق کے خادم کو اپنا خادم نہ بناتے اور اللہ کی عبادت سے اُسے اپنی خدمت میں مشغول نہ کرتے تمہیں تو خادم بننا چاہیے تھا جب کہ تم مخدوم بننے کے حریص ہو ۔ اور یہ جو آرزو رکھتے ہو کہ مجھے دیکھ لو ۔ اگر تمہیں خدائے تعالیٰ کی کچھ خبر ہوتی تو میری یاد نہ آتی ۔ حق میں ایسے مستغرق ہو جاؤ کہ تمہیں کسی کی یاد نہ آئے ۔ اگر اُسے تم نے پالیا تو میرا کیا کرو گے اور اگر اُسے نہیں پایا تو پھر مجھ سے کیا فائدہ ۔

ابراہیم خواص سے حکایت کی جاتی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ابراہیم بن ادہم آئے ہیں ان سے ملاقات نہ کرو گے ؟ جواب دیا کہ میں ایک حریص شکاری درندہ سے ملاقات کروں یہ اس سے اچھا ہے کہ ابراہیم سے ملوں“ ۔ کہا گیا کہ یہ کیوں ۔ جواب دیا کہ جب میں انہیں دیکھوں گا بات بنانے کی کوشش کرونگا اور میرا نفس میرے اچھے احوال کا اظہار پسند کرے گا ۔ اور اس میں فتنہ ہے ۔ یہ ایک عالم بالنفس کا کلام ہے کہ نفس کے اخلاق بھی جانتا ہے اور واقعی یہ چیز ہم نشینوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے مگر ہاں جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ۔ بعض (مشائخ) نے فرمایا کہ آیا اس سے بھی زیادہ شر کوئی دیکھا جسے تم پہچانتے ہو ۔

از صحبت دوستے برنجم کاخلاق بدم، حسن نماید
علیم ہنر کمال بیند خارم گل و یاسمن نماید
کو دشمن شوخ چشم و بیباک تا عیب مرا بمن نماید

میں اُس دوست کی صحبت سے آزردہ رہتا ہوں جو میری برائیاں اچھی کر کے دکھاتا۔ میرے ہر عیب کو کمال جانتا اور میرے کانٹوں کو گلاب اور یاسمن بتاتا ہے۔ وہ شخص اس وقت تک میرا بے باک اور بے وفا دشمن ہے جب تک کہ میرا عیب مجھے نہ دکھائے۔

فُضیل عیاض قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں اُس شخص کا بہت احسانمند ہوں جو مجھ پر گزرے اور سلام نہ کرے۔ اور جب میں بیمار پڑوں، تو میری عیادت کو نہ آئے۔ اور واقعی ایسا ہوتا بھی ہے کہ مرید صادق اہلِ صلاح کی صحبت سے اُس سے زیادہ بگڑ جاتا ہے جتنا اہلِ فساد کی صحبت سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اہلِ فساد اور اہلِ فساد کے طریقِ عمل کو جان کر اُس سے پرہیز کرے گا اور اہلِ صلاح کا صلاح اُسے دھوکے میں ڈال دے گا۔ وہ ہم جنس ہونے کے سبب اُن کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اب ان کے درمیان فطری اور عادی استراحت رونما ہوتی ہے جو ان کے اور حقیقی صحبت کے درمیان جو اللہ کے لیے ہوتی ہے حائل ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً اُن کی صحبت سے اس شخص کی طبیعت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ مرید صادق کو ہمیشہ اس نکتہ پر متنبہ رہنا چاہیئے۔

بمامنی رو و فرصت شمر غنیمت وقت
کہ در کمیں گہِ عمر اند قاطعانِ طریق

کسی امن کی جگہ جا اور وقت کی فرصت کو غنیمت جان اس لیے کہ عمر کی کمین گاہ میں راہزن بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ (جنت میں جنتیوں کے لیے ان کی من مانی اور

آنکھ بھاتی نعمتیں ہیں) ۔ (اس کی تشریح میں) ایک درویش نے فرمایا ہے کہ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ آنکھوں کی لذّت کس چیز میں ہے؟ وہ اہلِ نظر حق کی عبرت والی نظروں پر یکسوئی کے حجاب طاری ہو چکے ہیں اور انہیں انوارِ جمال اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ ۔ (تم عنقریب اپنے ربّ کو دیکھو گے) کی تابشوں نے چھپا لیا ہے ذرا اُن سے پوچھو کہ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ کی کیا تفسیر ہے؟ ہر صاحبِ بصیرت پر روشن ہے کہ اہلِ شوق کو جمالِ محبوب کی زیارت کے علاوہ کچھ اور مطلوب نہیں ۔

پردہ از پیش برانداز کہ مشتاقاں را
لذّتِ دیدہ بجز دیدنِ دیدارِ تو نیست

سامنے سے پردہ اٹھا کہ تیرے چاہنے والوں کی آنکھوں کی لذت، تیرے دیدار کے سوا کسی اور چیز میں نہیں ۔ راست رفتار، مشتاق حضرتِ پروردگار یعنی حضرت مالک دینار رضی اللہ عنہ مناجات میں یوں عرض کیا کرتے تھے کہ الٰہی جب تو مجھے جنت میں داخل فرما کر یہ فرمائے کہ اے مالک میں تم سے راضی ہوں تو اس وقت مجھے خاکستر کر دینا اور جنت اہلِ جنت کو بخش دینا۔

رقص وقتے مُسلّمت باشد
کاستیں بر دو عالم افشانی

تیرا مستانہ رقص اُسی وقت تیرے کام آسکتا ہے کہ تو دونوں جہان سے اپنی آستین جھاڑ لے ۔

کہتے ہیں کہ اگر بہشت میں دیدارِ الٰہی کا وعدہ نہ ہوتا تو عارفوں کی زبانوں پر بہشت کا نام بھی نہ آتا ۔ جنت اہلِ معرفت کے لیے زنداں ہے جس طرح دنیا اہلِ ایمان کے لیے قید خانہ ۔

کہا جاتا ہے کہ اگر حضرت سلطان العارفین قدس سرہ کی زبان پر دنیا کا ذکر آجاتا تو آپ وضو کرتے اور اگر جنت کا ذکر آجاتا تو غسل فرماتے ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے اور کیوں ۔ فرمایا کہ دنیا مُحدث ہے لہٰذا اُس کا ذکر حدث ہوا اور حدث سے وضو کرنا چاہیئے اور جنت خواہشات کے پورا

کرنے کی جگہ ہے تو اس کا ذکر بحالِ موجود جنابت ہوا اور جنابت سے غسل ہی کرنا چاہیئے ۔ یہ مردانِ خدا کا ذکر ہو رہا ہے ۔ مخنثوں کا ذکر نہیں ۔ کوئی بھی فضول بکواس نہ کرے ۔ وہ جو تلوار چلاتا اور تلوار کا زخم کھاتا ہے وہ اور ہے ۔ اور جو پیالہ صاف کرتا اور دوسروں کا جھوٹا ثرید کھاتا ہے وہ اور ۔ گداگر شاہوں کے برابر کب ہو سکتے ہیں ۔ نقل ہے کہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے چالیس سال ریاضت کے بعد اسّی ہزار پردے اٹھائے اور گڑگڑایا کہ اب مجھے راہ بتائی جائے ۔ خطاب ہوا کہ تمہیں اس ٹوٹے ہوئے پیالے اور پوستین کے ٹکڑے کے ہوتے ہوئے راہ نہیں مل سکتی (جو کچھ رکھتے ہو اُسے پھینک دو) ۔ میں نے فوراً اُسے پھینک دیا ۔ ندا آئی کہ اے بایزید اب ان مدعیانِ فقر سے کہہ دو کہ بایزید نے چالیس سال کی ریاضت کے باوجود جب تک ٹوٹا ہوا پیالہ اور پوستین کا ٹکڑا نہ پھینک دیا اسے کوئی ثمرہ نہ ملا ۔ جب کہ تم اتنے تعلقات سے بندھے ہونے کے باوجود فقر کے مدعی ہو اور تم نے طریقت کو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کا دانہ اور جال بنا رکھا ہے قسم ہے کہ تم ہرگز کوئی پھل نہ پا سکو گے ۔

نقل ہے کہ حضرت شفیق بلخی قدس سرہٗ کے مریدوں میں سے ایک مرید کو حج پر جانے کے اسباب میسّر ہوئے ۔ حضرت شفیق بلخی سے اجازت چاہی ۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ خدا کو سونپا ۔ لیکن جب بسطام میں پہنچو تو حضرت سلطان العارفین قدس سرہٗ کی قدمبوسی سے ضرور شرف حاصل کرنا ۔ اور میری جانب سے انہیں سلام دعا کہنا ۔ جب وہ مرید بسطام پہنچے اور بایزید کی زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ حضرت شفیق بلخی کے مریدوں میں سے ایک مرید ہوں ۔ حج کے ارادہ سے نکلا ہوں ۔ دریافت کیا کہ تمہارے پیر کیا کام کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ توکل کی منزل پر خود کو استوار رکھے ہیں اور آپ کے توکل کا پایہ یہاں تک

پہنچا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ تمام آسمان لوہے کا ہو جائے اور تمام زمین پتھریلی ہو جائے۔ نہ آسمان سے کچھ برسے۔ نہ زمین سے کچھ پیدا ہو اور تمام مخلوق میری کفالت میں آجائے تب بھی توکل سے نہ پھروں گا۔ اور اگر گیہوں کا دانہ چودھویں کا چاند ہو جائے اور تمام مخلوق میری عیال ہو تب بھی خدا کی قسم پرواہ نہ کروں گا۔ سلطان العارفین نے فرمایا کہ یہ تو بڑا سخت کافر منش اور بڑا ڈھیٹ مشرک سرشت ہے۔ اگر ابو یزید ایک پرندہ بھی ہو تو اس مشرک کے مقام پر نہ اُڑے۔ اُس سے میری جانب سے کہہ دینا کہ خدائے تعالیٰ کو دو روٹیوں کے لیے کیوں آزماتا ہے۔ اگر تجھے روٹی کی ضرورت ہے تو ہم جنس سے مانگ کھا۔ تاکہ تیری نحوست سے وہ شہر اور وہ ولایت تباہ نہ ہو۔

اب یہاں مؤلف کہتا ہے کہ حضرت شفیق قدس سرہٗ کا توکل جو تمام مخلوق کے وہم و گمان میں نہیں آتا اس پر جرح کے لیے ابو یزید جیسے عارف ہی جرأت کر سکتے ہیں ورنہ کس کی مجال اور کس میں دم ہے کہ اس توکل میں بات کر سکے۔

نقل ہے کہ لوگوں نے حضرت اُویس سے عرض کیا کہ ایک شخص تیس سال سے قبر کے کنارے، پاؤں قبر میں لٹکائے اور کفن گلے میں ڈالے ہوئے مسلسل روتا رہتا ہے۔ حضرت اُویس نے فرمایا کہ ہمیں وہاں لے چلو۔ چنانچہ سب وہاں پہنچے اور اُس شخص کی یہ کیفیت دیکھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے بندۂ خدا! تیس برس سے تجھے اس قبر اور کفن نے خدائے تعالیٰ سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کر لیا ہے اور تو انہیں دو کے باعث پیچھے رہ گیا ہے۔ یہ دونوں تیری راہ کے بُت ہیں۔ وہ شخص اس بات کی تہ کو پہنچا، ایک نعرہ لگایا اور جان دے دی۔ اور قبر میں گر پڑا۔ سبحان اللہ اگر قبر اور کفن بھی حجابِ راہ ہیں تو پھر بندگی کیا ہے۔ آج ہر شخص اپنے گمان فاسد اور خیالِ باطل میں مدہوش ہے۔ اگر دین اس آسانی سے حاصل ہوتا جیسا کہ لوگ

سمجھتے ہیں تو مردانِ خدا کے دل پانی پانی اور انبیاء و مرسلین کے جگر کباب نہ ہوتے۔ اے عزیز تجھے ان مردانِ حق کے دین کی کیا خبر؟ ان کی جان دن رات حسرت میں جلتی رہتی ہے۔ اگر تجھ سے ہو سکے کہ ان میں سے کسی ایک کے نعلین کی خدمت کر سکے تو یہ بھی ایک بڑا کام ہے (تلاش کر کہ) وہ لوگ کہاں ہیں جن کے قدموں کی خاک کا سُرمہ لگایا جاتا ہے۔

واذا صفالک من زمانک واحدٌ　　فهو المراد واین ذاک الواحدُ

تیرے زمانے والوں میں سے اگر ایک بھی برگزیدہ مل جائے تو مقصود حاصل ہے۔ مگر وہ ایک بھی کہاں ہے۔ اے عزیز اگر پاک صاف شرابِ حق ہاتھوں سے جاتی رہی تو اس کا کیا درمان۔ اور اگر تلچھٹ باقی رہی تو یہ ہے ساری الجھنوں کا سامان۔ شوخ چشم لٹیروں کو ہر شخص شیوخ عظام کہنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشائخ میں (عظام) ہڈیوں کے سوا، کوئی باقی نہ رہا۔

آں لعلِ گراں بہا، زکانِ دگر ست　　واں دُرِّ یگانہ رانشان دگر ست

اندیشۂ ایں و آں وخیالِ من و تست　　افسانۂ عشق را بیانِ دگر ست

وہ بیش قیمت لعل، کسی اور ہی کان سے ملتا ہے اور اُس بے نظیر موتی کی علامت ہی کچھ اور ہے۔ ایں و آں کا اندیشہ اور ما و تو کا خیال نہیں۔ عشق کے افسانہ کا عُنوان ہی کچھ اور ہے۔

عزیز من! اگرچہ شیخی (بزرگی) کا شین شکر، شیر اور شہد کے شین کی طرح ہے اور اُس کی خا، خوشی اور خرمی میں اضافہ کرتی ہے مگر درمیان کی یا، حرفِ علت ہے یہ علتیں بڑھاتی اور مصیبتوں اور بلاؤں کو لاتی ہے۔ مخلوق کی توجہ اور ان میں قبولیت لوہے کی زنّار ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ بھی پگھل جاتی ہے۔ تو شیر نر، شیر مرد اور صادق کو چاہیئے کہ اس جال سے قلندر کی طرح باہر آجائے۔

ایں گوئے ملامت ست میدانِ ہلاک　　ویں راہ مقام رانِ ناترسندۂ پاک

مردی باید قلندری دامن چاک تا بر گذرد غبار دارے بیباک

یہ ملامت کی گیند ہلاکت کا میدان ہے۔ اس میدان میں بازی لے جانیوالا ایسا ماہر ہونا چاہیئے جو چاک دامن قلندروں کی طرح ہو اور غبار راہ کی مانند بے خوف و خطر گذر جائے۔ اے عزیز بندہ ہونا بھی یقیناً قطعاً ایک بڑا کام ہے مگر بندہ کہلاتا وہ ہے جو تمام تعلقات سے پاک اور آرزوؤں کے جال اور اپنی خواہشوں کی لذتوں سے آزاد ہو۔

نقل ہے کہ خواجہ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا۔ میں نے دعا کی کہ الٰہی مجھے شفا دے۔ ایک آواز سنی کہ اے جنید بندے اور مولیٰ تعالیٰ کے درمیان تیرا کیا کام تو درمیان میں نہ پڑ۔ جو کچھ تجھ سے فرمایا گیا ہے اس میں مشغول رہ اور جس میں مبتلا کیا گیا ہے اس پر صبر کر۔ تجھے اختیار سے کیا واسطہ۔ ایک مرتبہ آپ کے پیر میں درد ہوا۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پیر پہ پھونک دی۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے جُنید! کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے نفس کے حق میں صرف کرتے ہو۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے ایک سیب ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ کتنا لطیف ہے۔ اوپر سے آواز آئی کہ اے بایزید شرم نہیں آتی کہ ہمارا نام سیب کو دیتے ہو۔ چالیس روز آپ کو خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم یاد نہ آیا تو قسم کھائی کہ باقی عمر بسطام کا میوہ نہ کھاؤں گا۔ سبحان اللہ یہ کون سے مقامات ہیں کہ زمانہ کے دانش وروں کی عقلیں اس کے سمجھنے سے پریشان ہیں جب کہ ہم میں سے ہر ایک ان سے محض مشابہت پہ نازاں ہے۔

اے اپنی ماں کے پیارے جا اور اپنا راستہ لے۔ جب تو عاشق نہیں ہے تو اپنا کام کر۔ تو اس گمراہی اور بغل کی گندگی کے ساتھ بادشاہوں کے دربار میں جگہ نہیں پا سکتا۔ کھوٹے سکے نہ چلاؤ کہ پرکھنے والا بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ کوئی اسے قطب الاقطاب کہتا ہے کوئی قدوۂ اصحاب کہہ کر پکارتا ہے

مگر اس بے چارے نے ابھی تک مسلمانی کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ یہ اپنی ہی ثنا و نیکنامی پر فریفتہ و فریب خوردہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ نیک نامی کی بدولت مشرق و مغرب میں مشہور ہو جاتا ہے مگر اللہ کے نزدیک ایک مکھی کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا۔ اگر مطلوب یہ ہے کہ خلق رجوع کرے تو پتھروں کی صورتیں بھی بعض لوگوں کا مرجع و معبد ہیں اور اگر شہرت مقصود ہے تو ابلیس سب سے زیادہ مشہور ہے۔

زابلیس لعین بے شہادت شود پیدا ہزاراں خرق عادت
گہ از دیوارت آید، گاہت از بام گہے بر دل نشیند، گہ در اندام
کرامات تو اندر حق پرستی ست جز آں کبر و ریا و عجب و ہستی ست
کرامات تو گر در خود نمائی ست تو فرعونے و ایں دعوی خدائی ست
ہمہ روئے تو در خلق ست زنہار مکن خود را بدیں علت گرفتار

ملعون اور بے شہادت ابلیس سے ہزاروں باتیں عادت کے خلاف صادر ہوتی ہیں۔ کبھی یہ دیوار سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی بالاخانہ سے۔ کبھی وہ دل میں بیٹھتا ہے کبھی جسم میں۔ تیری تمام کرامتیں حق پرستی میں ہیں۔ اس غرور، نمود، خود بینی اور فریب ہستی سے ماورا۔ اور اگر تیری کرامتیں تیری خود نمائیاں ہیں۔ تو تو فرعون ہے اور یہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ تیری تمام توجہ مخلوق کی جانب ہے تو ہرگز ہرگز اپنے آپ کو اس "بیماری" میں گرفتار نہ کر۔

چوتھا سنبلہ

درویشوں کی عبادتوں اور اچھی عادتوں کا بیان انہی میں وضو پر ہمیشگی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کسی کو کوئی مصیبت پہنچے اور رہو وہ بے وضو تو وہ ملامت نہ کرے مگر اپنے نفس کو" لہٰذا چاہیئے کہ ایک گھڑی بھی

بغیر وضو کے نہ رہے کہ سالک مومن وضو کی حمایت میں رہتا ہے۔ وہ پلک جھپکنے پر بھی بے وضو نہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الوضوءُ حِصنُ المومنِ ۔ "وضو مومن کا محافظ ہے"۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ جب خواب سے بیدار ہوتے تو فوراً ہی تیمم کرتے اور اس کے بعد وضو کی تیاری کرتے اور فرماتے کہ انسان کی اصل پیدائش پانی اور مٹی سے ہے اور ان دونوں سے دنیا کی آگ بجھائی جاتی ہے تو قوی امید ہے کہ آخرت کی آگ بھی اس کے باعث بجھا دی جائے۔ اہلِ معرفت کہتے ہیں کہ جو شخص ہمیشہ باوضو رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سات خصلتوں کی عزت بخشتا ہے۔ اول فرشتے اسکی صحبت سے رغبت کرتے ہیں۔ دوسرے اعمال کے لکھنے والوں کا قلم ہمیشہ ثواب لکھنے میں جاری رہتا ہے۔ تیسرے اُس کے بدن کے تمام اجزا تسبیح کرتے ہیں۔ چوتھے اس سے پہلی تکبیر فوت نہیں ہوتی۔ پانچویں فرشتے اسکی حفاظت کرتے ہیں اُس کے سوتے وقت دیووں اور پریوں سے۔ چھٹے اللہ تعالیٰ پر جان کنی کی دشواری کو آسان فرما دیتا ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امان میں رہتا ہے جب تک باوضو رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الطّھورُ نِصفُ الایمانِ ۔ پاکی آدھا ایمان ہے۔ اس لیے کہ کافر جب مسلمان ہوتا ہے تو اُس کا ایمان دو چیزوں کو مٹا دیتا ہے۔ ایک کفر دوسرا گناہ۔ اور مُحدِث (بے وضو) جب پاک ہوتا ہے تو اُس کی پاکی ایک چیز کو مٹا دیتی ہے یعنی گناہوں کو۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے لہٰذا مرید باصفا کو چاہیئے نہ کھائے نہ پیئے نہ کوئی بات کہے اور نہ سوئے مگر پاکی کی حالت میں۔ تاکہ ظاہری پاکی کی برکت سے باطنی پاکی بھی حاصل ہو۔

مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صوفی کو ایک کروٹ سے دوسری کروٹ بدلنا، بغیر وضو کے حرام ہے۔ اگر جان اسی وقت نکل جائے تو روح جسم سے بغیر وضو کے نکلے گی۔ اور جو شخص باوضو رہتا ہے اور اس

حالت میں اُسے موت آتی ہے تو اُسے شہادت کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا عقلمند کو یہ بات زیبا ہے کہ موت کے لیے ہمیشہ تیار رہے کہ جب اُسے موت اچانک آجائے تو رُوح دُنیا سے پاک جائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شریعت میں فرض ادا کرنے کے لیے وضو فرض ہے۔ خانہ کعبہ کے طواف کے لیے نیز دوسرے مواقع پہ وضو واجب ہے اور سوتے وقت غیبت، جھوٹ، بیہودہ بات کرنے، قہقہہ مار کر ہنسنے اور لایعنی عمل کے بعد مستحب ہے لہٰذا اُسے چاہیئے کہ وضو پہ ہمیشگی رکھے تاکہ اُس کے دل میں ربّانی انوار جلوہ گر ہوں اور تاریکی میں اُسے وہ چیز نظر آنے لگیں جو اس سے پہلے نہ دیکھ سکتا تھا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اَلْوُضُوْءُ فَصْلٌ وَّالصَّلٰوۃُ وَصْلٌ۔ وضو فصل ہے اور نماز وصل۔ صاحب بحر الرائق نے فرمایا ہے کہ آیہ کریمہ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الاٰیۃ کے معنی اہلِ باطن کی زبان میں یہ ہیں کہ ایمان والو جب تم نیند کی غفلت سے جاگو اور نماز کی جانب متوجہ ہو جو تمہاری معراج ہے تو مقامِ قربت میں۔ تم اپنے چہروں کو، جن سے تم نے دنیا کی طرف توجہ کی ہے۔ توبہ اور استغفار کے پانی سے دھو ڈالو اور اپنے ہاتھوں کو دنیا و آخرت کے علاقوں کے تھامنے اور دونوں عالم کے تعلقوں سے پاک کر دو۔ اور سر کا مسح کر دیعنی اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستہ میں ڈال دو۔ اور اپنے پیروں کو جبلّت کی مٹی اور انانیّت کے مقام سے دھو لو۔ اور اگر تمہیں جنابت ہو کہ تم ہمارے علاوہ کسی اور کی جانب توجہ کر بیٹھے تو اس سے پاک صاف ہو جاؤ۔

اے بہ پندار وجود آلودہ خود را پاک ساز
کیں طہارت، سالکِ رہ را نمازی می کند

اے شخص پندار سے اپنے لتھڑے ہوئے وجود کو قبول (کے پانی) سے پاک و صاف کر اس لیے کہ یہ پاکی راہرو کو نمازی بنا دیتی ہے۔

نماز میں حضوری۔

حضرت موسیٰ بن جعفر سے کہا گیا کہ لوگ آپ کی نماز کو فاسد کر دیتے ہیں کہ آپ کے سامنے سے گذرتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ ذات جس کی خاطر میں نماز پڑھتا ہوں مجھ سے زیادہ قریب ہے۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو میرے سامنے سے گذرتے ہیں۔

نماز آرد توجہ جانبِ حق   حضورِ باطنت گشتن محقق
رمیدن از ہمہ اغیار سُولیش   نیاز و راز آوردن بہ کویش

حق کی جانب توجہ کرنے۔ حضوری قلب متحقق ہو جانے، سب سے ہٹ کر اس کی طرف بھاگنے، اور اس کی راہ میں نیازمندی سے حقیقتاً نماز سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حالت تھی کہ جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آپ پہچان میں نہ آتے۔ آپ سے جب اس کے متعلق کچھ کہا جاتا تو فرماتے کہ "کیا تم جانتے ہو میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کرتا ہوں"۔ اے عزیز شریعت میں ایک وضو سے پانچوں نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں لیکن طریقت میں دس بار غسل کے بعد بھی ایک نماز کا ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کی شرط کپڑوں (وغیرہ) کا پاک ہونا ہے مگر اس کی شرط جان کا پاک ہونا۔ شریعت میں ہاتھ سینہ پر باندھتے ہیں اور یہاں سر بہ پاؤں ہوتے ہیں۔ صلّوا صلوٰۃ مودّع (رخصت کرنے والے کی سی نماز پڑھو) یہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیت کا ارشاد ہے یعنی اصل کے ہو جاؤ۔ فرع پر کیا قیام ہے۔

نمازِ زاہداں، سجدہ سجود ست   نمازِ عاشقاں ترکِ وجود ست
قیام و قعدہ و تکبیر و نیّت   ہمہ محو ست در عینِ معیّت

زاہدوں کی نماز رکوع و سجود ہے اور عاشقوں کی نماز ترکِ وجود۔ قیام قعدہ تکبیر اور نیت یہ سب عینِ معیّت میں محو ہیں۔

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی نماز کی یہ خاصیت ہے کہ بندہ کو فحشا یعنی بُرے کام سے جو عقلاً مذموم ہیں اور مُنکر سے یعنی اُن کاموں سے جو شرعاً معیوب ہیں روک دیتی ہے۔
روایت ہے کہ ایک انصاری جوان ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جماعت سے نماز ادا کرتا مگر کوئی ایسی بُرائی نہ تھی جس میں وہ مبتلا نہ ہو۔ لوگوں نے اس کا ماجرا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اُس کو اس کی نماز تمام برائیوں سے روک دے گی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں انہیں توبہ کی توفیق ہوئی اور وہ تارک الدنیا صحابہ میں شمار ہوئے۔

صاحب تاویلات نے بیان کیا ہے کہ جسم و جان، قلب و روح اور سِر و خفی سے ہر ایک کے لیے جداگانہ نماز ہے جو اُسے باز رکھتی ہے۔ چنانچہ جسم کی نماز، آدمی کو گناہوں اور ممنوع باتوں سے روکتی ہے۔ نفس کی نماز بُری عادتوں اور بُرے تعلقوں سے منع کرتی ہے۔ دل کی نماز فضول باتوں کے ظہور اور غفلت میں پڑے رہنے سے روکتی ہے۔ روح کی نماز ملاحظۂ اغیار سے باز رکھتی ہے۔ سِر کی نماز ماسوی اللہ کی طرف التفات سے روک دیتی ہے۔ اور نماز خفی سالک کو، دوئی کے شہود اور انانیت کے ظہور سے گذار دیتی ہے یعنی اُس پر (اس کے آثار) غالب آجاتے ہیں۔

جز یکے نیست نقد ایں عالم ۔۔۔ باز بین و بعالمش مفروش

اس عالم کا سیم و زر صرف وہی ایک ہے اُسی کو دیکھو۔ اُسی پر نظریں لگاؤ اور کسی قیمت پر اسے فروخت نہ کرو۔

یاد رکھو کہ اخلاص میں سب سے بڑھ کر انتشار پیدا کرنے والی چیز نمائش و نمود ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اور دوسرا آدمی اُسے دیکھے، یا اس سے ملنے آئے تو شیطان کہتا ہے کہ نماز اچھی طرح پڑھو تاکہ اس دیکھنے والے کی نظر میں پسندیدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ اُس کے اعضا میں انکسار

اور اطراف میں خشوع ہویدا ہو جاتا ہے اور وہ اچھی طرح نماز پڑھنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی نمائش و ریا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر نمازی اس آفت کو جانتا اور اس سے پرہیز کرتا ہے اور اپنی نماز جیسا پڑھ رہا تھا، پڑھتا رہتا ہے تو اب شیطان اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تو متبوع و مقتدا ہے نماز اچھی طرح ادا کر تاکہ لوگ تیری اتباع و پیروی کریں اور تیرے اعمال کو حجت بنائیں۔ یہ چیز پہلی سے زیادہ دل میں اتر جانے والی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں وہ شخص مبتلا ہو جائے جو پہلی میں نہ پھنسا تھا۔ اور یہ چیز بھی ریا اور اخلاص کو برباد کرنے والی ہے کہ جو شخص اس کی اقتداء و پیروی کرے گا ثواب پائے گا مگر خود یہ نمازی عتاب و عقاب کا مستحق ہے۔ تیسرا درجہ ان پہلے دونوں درجوں سے بھی زیادہ دقیق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نمازی یہ جانے کہ میرا اخلاص یہی ہے کہ میری نماز تنہائی میں بھی ویسی ہی ہو جیسے سب کے سامنے۔ اور اُسے اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے اس کی شرم آتی ہے کہ مخلوق کے سامنے اپنی عادت سے زیادہ خشوع کا اظہار کرے، لہٰذا وہ خلوت میں بھی ویسی ہی نماز پڑھتا ہے جیسی خلوت میں چاہتا ہے اور سب کے سامنے بھی ویسے ہی۔ اور یہ بھی دل میں جلد اُتر جانے والی ریا ہے اس لیے کہ اُس نے اپنی نماز تنہائی میں اچھی طرح ادا کی مگر اس خیال سے کہ سب کے سامنے بھی اچھی طرح پڑھے اور ان دونوں نمازوں میں کوئی فرق نہ رہے۔ لہٰذا خلوت و جلوت میں اس کی توجہ مخلوق کی جانب رہی۔ گویا یہ شخص ہر وقت خلوت و جلوت میں خلق کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور یہ بھی شیطان کے چھپے ہوئے مکروں میں سے ہے۔

تو روئی پرستیدن از حق مپیچ ‏ بہل تا نہ گیرند خلقے بہ ہیچ
چو روئی پرستیدنت در خدا است ‏ اگر جبرئیلت نہ بیند رواست

تو اپنی پرستش کا چہرہ حق سے مت پھیر۔ سب کو چھوڑ کر اسی میں مشغول

رہ یہاں تک کہ دُنیا والے تجھے ہیچ و لاشئ جانیں ۔ جب تیری بندگی کا التفات خدا کی طرف اور تجھے جبریل بھی نہ دیکھیں تو یہ بھی روا ہے ۔ چوتھا درجہ کہ ان سب سے دقیق تر اور پوشیدہ تر ہے یہ ہے کہ شیطان اس سے کہتا ہے کہ تو اللہ کی عظمت ، جلال کی بارگاہ میں داخل ہو چکا اس کے روبرو کھڑا ہے ذرا شرم کر کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کو دیکھ رہا ہے اور تو اس سے غافل ہے۔ اور اس خیال کے آتے ہی وہ اپنے دل میں خضوع اور اعضا میں خشوع پیدا کر لیتا اور سمجھتا ہے کہ یہ تو عین اخلاص ہے حالانکہ وہ نرا شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے ۔ اس لیے کہ اس کا خشوع اگر جلال الٰہی کے باعث ہوتا تو لامحالہ یہ خطرہ اُسے تنہائی میں بھی لازم رہتا ۔ اور اس کے دل کا خضوع و خضوعہ کسی اور کی موجودگی کے وقت نمایاں نہ ہوتا ۔

پارسایان روئے در مخلوق   پشت بر قبلہ می کنند نماز

وہ پارسا جن کی پارسائی کا رُخ مخلوق کی جانب ہوتا ہے وہ درحقیقت قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھتے ہیں ۔ ایک مرتبہ ایک کفن چور حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں حاضر آیا اور اس حرکت سے توبہ کی ۔ حضرت خواجہ نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے کتنے مُردوں کا کفن چُرایا ہوگا ؟ جواب دیا کہ ایک ہزار مُردوں کا ۔ دریافت فرمایا کہ اُن میں ایسے کتنے تھے جن کا مُنہ قبلہ کی طرف تھا ؟ جواب دیا کہ صرف دو کا ۔ باقی لوگوں کا مُنہ میں نے قبلہ سے پھرا ہوا پایا ۔

انہیں میں سے روزہ اور بھوک ہے ۔ مشائخ صوفیاء کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ متواتر چار روز تک روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے ۔ منتخب الحقائق میں منقول ہے کہ روزے کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تو کھانے پینے سے رُکنا دوسرے گناہوں سے باز رہنا ۔ کہا گیا ہے کہ صوم میں تین حرف ہیں صاد دلالت کرتی ہے نفس کی صیانت و حفاظت پر گناہوں سے ۔ واؤ نفس کی

ولایت پہ کہ اعضاء کو طاعت پر لگائے اور مہیم روزہ دار کی روزہ پہ مداومت وہمیشگی پہ۔ موت کے وقت تک۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے گھر میں ایک دن رات کا کھانا کبھی جمع نہ کیا اور جب سے میں مسلمان ہوا پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا اس لیے کہ شکم سیری کو کفر کی کنیت دی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بھوکے کا ہنسنا پیٹ بھرے کے رونے سے اچھا ہے"۔

اور مسلمان بھائی کے کہنے سے روزہ نفل توڑنے کی اجازت زوال سے پہلے ہے۔ زوال کے بعد روزہ نہ توڑے ہاں جب کہ ماں باپ استاد یا پیر کہے (تو رخصت ہے)۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے مرشدوں کے عرس کے روز بھی افطار جائز قرار دیا ہے اگرچہ زوال کے بعد ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ نفل روزہ کا مسلمان بھائی کے کہنے سے توڑنا اسی وقت صحیح و جائز ہے جب خود اس کے نفس کی خواہش کھانے میں شامل نہ ہو اس لیے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تَخلِیصُ النِّیَّۃِ لِمَحضِ المُوافَقَۃِ مع وجودِ شرِّ النفس صعب۔ یعنی نیت کا خالص کرنا صرف موافقت کے لیے، جب کہ نفس کا شر بھی ہو، بہت دشوار ہے۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شکم سیری نفس میں ایک نہر ہے کہ اس جگہ شیطان پہنچ جاتے ہیں اور بھوک روح میں ایک نہر ہے جہاں فرشتوں کا گذر ہوتا ہے۔ بشر بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بھوک دل میں صفا پیدا کرتی خواہشات کو مارتی، انہیں دور بھگاتی اور اس پہ علم دقائق کی راہیں کھولتی ہے۔ جُنَید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تصوّف، قیل وقال سے نہیں، بلکہ بھوک، ترکِ دنیا اور اپنی مرغوب اور نفس کی مطلوب چیزوں کو چھوڑ دینے سے حاصل کیا ہے۔

اسرارِ حقیقت نشود حل بہ سوال — نہ نیز بدر باختن حشمت و مال
تا دیدہ و دل خوں نہ کنی پنجہ سال — از قال ترا رہ ننمایند بحال

حقیقت کے اسرار سوال سے حل نہیں ہوتے اور نہ عزت و مال کی دریافت سے ۔ بلکہ جب تک تم بلیسیوں سال تک اپنی آنکھوں اور دل کا خون نہ کرو گے قال سے حال کی طرف راستہ نہ پا سکو گے ۔

مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ اس بیت کو بہت پڑھا کرتے ۔

جوع ، طعام خویش کن تا بقبول حق رسی
چوں کہ قبول حق شوی بر ہمہ خلق ناز کن

یعنی بھوک کو اپنی خوراک بنالو تاکہ تم خدا کے مقبول بندے ہو جاؤ اور جب تم خدا کے مقبول ہو جاؤ گے پھر تمام دنیا پہ ناز کر سکتے ہو ۔ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عالم ملکوت کے دروازے سے چلیٹے رہو ، یہاں تک کہ وہ کھل جائے ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کس طرح ۔ فرمایا کہ ہمیشہ بھوکے رہنے اور پیاسے رہنے کو لازم کر لو یہاں تک کہ تم پر اس عالم ملکوت کا دروازہ کھلے اور تمام عالم ملکوت میں داخل ہو جاؤ ۔

منقول ہے کہ ایک روز مخدوم ملت شیخ فرید شکر گنج قدس سرہٗ سلطان المشائخ نظام الدین قدس اللہ روحہ کے زانو پہ سر رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ روزہ پہ ہمیشگی میں کیا فائدہ ہے ؟ مخدوم شیخ فرید شکر گنج نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ بابا نظام الدین اس راستہ کا تیسرا حصہ روزہ پہ ہمیشگی سے متعلق ہے " ۔ اس کے بعد پھر آرام فرمانے لگے ۔ سہل تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبادت تین چیزوں سے ہوتی ہے ۔ زندگی ، عقل اور قوت سے ۔ اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ بھوکے رہنے سے کمزور ہو جاؤ گے اور طاقت جواب دے جائے گی تو بھی کھانا نہ کھاؤ کہ بھوکے کمزور کا بیٹھ کر نماز ادا کرنا ، پیٹ بھرے طاقت ور کی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور جب تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ زندگی یا عقل کو کچھ نقصان پہنچے گا تو کھا لینا چاہیئے کہ فقہا فرماتے ہیں کہ " سیری سے زیادہ

کھانا حرام ہے اور اس گروہِ صوفیاء کے نزدیک' سیر ہو کر کھانا اسراف ہے اور جو کچھ رغبت سے کھائیں وہ بھی اسراف ہے۔ عبدالواحد زید رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص اپنے دل کی جو کیفیت بیان کرتا ہے وہ مجھ میں نہیں۔ فرمایا کہ وہ خالی روٹی کھاتا ہے اور تو روٹی اور کھجور۔ اُس نے کہا کہ اگر میں اس سے ہاتھ کھینچ لوں تو کیا اس مرتبہ تک پہنچ جاؤں گا؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا میں نے اُسے چھوڑا اور پھر رونے لگا۔ لوگوں نے کہا کھجور کے لیے روتے ہو۔ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اُس کا نفس کھجور کو پسند رکھتا تھا اور میں نے اس کا عزمِ راسخ معلوم کر لیا کہ ہرگز نہ کھائے گا وہ اس لیے روتا ہے۔

یہ بھی لازم ہے کہ افراط و تفریط نہ کرے یعنی کھانے اور نہ کھانے میں حد سے نہ گزر جائے۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ اپنے احباب سے فرمایا کرتے کہ چار چیزیں مجھ سے قبول کر لو پھر جو کچھ بھی مجھ سے چاہو میں تمہارے روبرو ہوں (مل جائے گی)۔ کم کہنا، کم سونا، کم کھانا اور کم آنا جانا۔

مردِ عارف چو یافت' لذتِ قرب | نہ باکلش اکشش بود، نہ بشرب

مردِ عارف جب قرب کی لذّت پالیتا ہے تو اُسے نہ کھانے کی کشش ہوتی ہے اور نہ پینے کی"۔ کہا گیا ہے کہ عارفوں کا کھانا مریضوں کا سا، اُن کا سونا ڈوبے ہوؤں کا سا، اور اُن کا کلام اس عورت کا سا ہوتا ہے جس کا بچہ جاتا رہے۔

اگر لذّتِ ترک لذّت بدانی | دگر لذّتِ نفس' لذت نخوانی

اگر تو لذتوں کو چھوڑنے کی لذت جان لے تو پھر نفس کی لذت کو لذت نہ جانے۔ تفسیر عرائس میں آیہ کریمہ یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کے تحت میں فرمایا کہ حضرت رب الارباب کی جانب سے آسمانِ غیوب کے اطراف میں، بلالِ مشاہدہ کے متلاشیوں کو خطاب مستطاب ہوتا ہے اور

یہ خطاب غم و کرب کو دور کرنے والا، دلوں کے لیے فرحت افزا ہوتا ہے کہ اہلِ یقین! تم پر فرض کیا گیا باز رہنا اپنی تمام مرغوبات سے"۔ اس لیے کہ مشاہدہ کی طرف توجہ کرنے والوں پر یہ روزہ واجب ہے دل کی مانوس چیزوں سے"۔ اسی وجہ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اَلدُّنیا یَومٌ وَّلَنَا فِیہِ صَومٌ۔ دنیا صرف ایک روز کی ہے اور ہمیں اس میں روزہ رکھنا ہے عین القضاۃ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ روزہ شریعت میں نہ کھانے اور نہ پینے کا نام ہے اور حقیقتاً ایک مطعوم اور مشروب کی طرف اشارہ ہے۔ کھانا تو یہ ہے کہ جس کی طرف اشارہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُوتِیتُ عِندَ رَبِّیْ مجھے میرے رب کے پاس عنایت فرمایا گیا" اور وہ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے کہ سَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَاباً طَھُوراً۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں پاکیزہ شراب پلائی۔

انہیں میں حلال کمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یَاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً۔ اے پیغمبر پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ قوت القلوب میں بیان کیا ہے کہ اکل حلال کو ہر اچھے عمل پر مقدم کیا اس لیے کہ عمل صالح، طعام طیب کا نتیجہ ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ لقمہ تخم ہے اور عمل اُس کا پھل۔ تو بیج جتنا اچھا ہوگا اس کا پھل اتنا ہی عمدہ۔ مناہج میں بیان کیا کہ ہر وہ غذا جسے شریعت نے حلال بتایا ہے اُس کا اثر، جو حکم شریعت، عدالت استقامت وغیرہ ہے اور اُس کے ساتھ موجود ہے۔ وہ نفس میں اور تمام اعضا میں ظاہر ہوتا ہے اور اس وقت وہ نفس، عبادت کی ادائیگی میں نرم اور فرمانبردار بن جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ تَلِینُ جُلُودُھُمْ وَقُلُوبُھُمْ اِلیٰ ذِکْرِ اللہِ۔ یعنی پھر ان کے بدن اور دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم پڑجاتے ہیں"۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور شریعت نے جس غذا

کو حرام بتلایا ہے یا اُس کے حلال ہونے کی وجہ مُشتبہ یا پوشیدہ ہے اس غذا کا اثر جو انحراف و سرکشی ہے اس کے ساتھ بدن میں پہنچتا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہی لقمہ ہو۔ اس وقت اس غذا کا اثر نفس اور اجزاء بدن میں دوڑ جاتا ہے اور گناہ کوشی، سرکشی، ممنوعات کی بجاآوری اور خراب عادتوں کا چسکا، یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ "اللہ تعالیٰ طیب ہے۔ وہ طیب ہی کو قبول فرماتا ہے"۔

صاحب روضۃ الانوار نے فرمایا۔

دست و دل از زمزم و کوثر بشوی ۔۔۔ وآب از سر چشمۂ تقویٰ بجوی
لقمہ کہ در اصل نہ باشد حلال ۔۔۔ زو نفتند مرد مگر در ضلال
قطرۂ باران تو چوں صاف نیست ۔۔۔ گوہر دریای تو شفاف نیست

ہاتھ اور دل زمزم و کوثر سے دھو اور اس کا پانی پرہیزگاری کے چشمے سے ڈھونڈ وہ نوالہ جو اصل میں حلال نہیں ہوتا۔ اس سے آدمی صرف گمراہی میں پڑتا ہے۔ تیری بارش کا قطرہ جب صاف نہیں ہے تو پھر تیرے دریا کا گوہر بھی شفاف نہ ہوگا ہاں (اے غافل) یہ معاملہ بھی عجیب ہے کہ بعض وقت شبہ والی چیزیں اور غیر ذریعۂ حلال کے چند لقمے کھانے سے، طاعت اور عبادت میں زیادتی محسوس ہوتی اور نیک کاموں کی طرف رغبت بڑھتی معلوم ہوتی ہے (مگر لاحاصل)

نقل ہے کہ ایک جوان نے ابراہیم ادہم قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ اور فرمانبرداری اور عبادت میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ اُسے ذکر و فکر و مراقبہ اور تلاوت کے بغیر چین نہ پڑتا۔ یہاں تک حضرت ابراہیم ادہم کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی بھی۔ کہ یہ نوجوان اتنی عبادت کرتا ہے کہ مجھے میسّر نہیں ہوتی۔ کچھ مدت بعد آپ نے نور باطن سے معلوم کیا کہ اس کی یہ عبادت سب بے سود ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں کہ اس کا کھانا پینا غیر شرعی ذریعوں اور شبہوں سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جوان جو کھانا تو کھاتا ہے مت کھا۔ تجھے جو کچھ کھانا ہے میرے

ساتھ رکھا"۔ اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کی وہ تمام ریاضتیں اور عبادتیں ناتمام و ناقص رہ گئیں۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ فرض نماز کا ادا کرنا بھی اس پر دشوار ہو گیا۔ ایک روز حضرت ابراہیم سے اپنی ریاضت اور عبادت کی کمی اور کوتاہی کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو رغبت اور کوشش مجھے اس سے پہلے تھی اب وہ باقی نہیں رہی۔ ابراہیم ادہم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حلال روزی کھاؤ۔ پھر تم پر یہ واجب نہیں کہ رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو (اکل حلال خود تمام عبادات کی اصل ہے)

لقمہ شبہہ ست تخمِ پلید ندہد جز نتیجہ ناپاک
تو بدرگاہِ پاک خواہی رفت ہدیہ پاکیزہ بر بصد تاپاک

شبہ کا لقمہ پلید بیج ہے جس کی پیداوار سوائے ناپاکی کے کچھ نہیں۔ تجھے پاک دربار میں حاضر ہونا ہے لہٰذا پاکیزہ اور پاک و صاف ہدیہ لے کر چل۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی کمائی کا دودھ پیا پھر اس غلام سے پوچھا کہ یہ دُودھ کہاں سے لائے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک گروہ کی کتابت کی انہوں نے یہ دودھ مجھے دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگلی مُنہ میں ڈالی اور اس دودھ کو سختی اور تکلیف سے باہر اگل دیا اور اس طرح کہ دوسرے یہ سمجھے کہ یہ شاید اپنی جان دے دیں گے۔ اس کے بعد صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا الٰہی اس دودھ کا معذرت خواہ ہوں جو رگوں میں پہنچ چکا اور وریدیں مل گیا۔ کسی نے یہ واقعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ صدیق کے پیٹ میں سوائے پاکیزہ کھانے کے کچھ اور نہیں جاتا۔ منقول ہے کہ جو شخص چالیس روز تک شبہ کا کھانا کھاتا ہے اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے۔ امام سہل تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے یہ محبوب ہو کہ صدیقوں کی نشانیاں اس پر منکشف ہو جائیں اُسے چاہیئے کہ سوائے حلال کے کچھ

اور نہ کھائے اور سوائے حاجت اور ضرورت کے کوئی کام نہ کرے ۔ لہٰذا خیال رکھنا چاہیئے کہ سوائے حلال وطیب کے کچھ نہ کھائے کہ جو گوشت حرام سے پیدا ہو اس کے لیے دوزخ ہی زیادہ بہتر ہے ۔ حلال وہ ہے کہ اس کی حالت پر شرع فتوےٰ دے اور طیّب وہ ہے جس کا دل فتویٰ دے ۔

مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک درویش کو خوشامد و منّت سے ایک بادشاہ کے دستر خوان پر لے گئے جب کھانا چنا گیا اس درویش نے اپنی آستین سے چند روٹیاں نکالیں اور کھانا شروع کردیا ۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کھانا حلال ذریعے کا ہے اسے کھائیے ۔ درویش نے کہا کہ اگرچہ حلال ہے مگر میرا دل فتوےٰ نہیں دیتا ۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ سے پھر عرض کرتا ہوں کہ حلال ذریعہ سے میں نے یہ کھانا تیار کرایا ہے آپ کھاتے کیوں نہیں ؟ میرے کھانا کھانے سے کسی کا ایمان تو نہیں چلا جائے گا ۔ جواب دیا کہ اگرچہ ایمان تو نہ جائے گا مگر ایمان کی حلاوت ضرور چلی جائے گی ۔ تفسیر میں ہے کہ جب آدم علیہ السّلام نے وہ دانہ جس سے منع فرمادیا گیا تھا کھالیا ، اور اس کی شومی سے تخت و تاج چلا گیا اور لباس و حلہ زائل ہو گیا اور آپ جنت سے باہر تشریف لائے ، تو آپ نے پشیمانی کی حالت میں منہ میں انگلی ڈالی اور قے کردی ۔ زمین کے کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض سانپ وغیرہ نے وہ قے کھالی ۔ تو اس کا زہر اُن کے تالوؤں ، ڈنکوں اور دانتوں میں اثر کر گیا ۔ اور جو گھاس اُس قے کی جگہ اُگی اس میں زہر کا اثر ظاہر ہوا اور جو نطفہ کہ اس لقمہ کی غذا سے پیدا ہوا اُس سے قابیل پیدا کیا گیا ۔ جو کفر و فساد کا منشا تھا اور جس نے قتل و ظلم کی بنیاد رکھی ۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ناجائز لقمہ کیا اثر رکھتا ہے ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر تم نماز پڑھو یہاں تک کہ کُبڑے ہو جاؤ اور تم روزہ رکھو یہاں تک کہ کمانوں کے چلّوں کی طرح ہو جاؤ ۔ تم سے ہرگز

قبول نہ کیا جائے گا مگر اس پرہیزگاری کے ساتھ جو تمہیں باز رکھے (ممنوعات سے) امام احمد بن حنبل حضرت یحیٰی بن معین رضی اللہ عنہما کے پاس بہت زیادہ آمد و رفت رکھتے۔ ایک مرتبہ یحیٰے بن معین نے فرمایا کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں اور نہ یہ پوچھوں کہ کہاں سے آیا اور اگر وہ دے تو کھا لوں گا۔ امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ نے ان کی صحبت چھوڑ دی۔ خواجہ یحیٰے رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میں نے مذاق میں یہ بات کہی تھی اور آپ سے معافی چاہی۔ امام احمد نے فرمایا کہ دین کے کاموں میں تم مذاق کرتے ہو۔ کیا نہیں جانتے کہ کھانا بھی امورِ دین سے ہے اور اللہ تعالےٰ نے اُسے عمل صالح پر مقدم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔

کہتے ہیں کہ فُضَیل عیاض ابن عُلَیہ اور ابن مبارک مکہ میں حضرت وہیب کے پاس گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد تازہ کھجوریں یاد آئیں۔ حضرت وہیب نے فرمایا کہ میں تازہ کھجوریں نہیں کھاتا ہوں اس لیے کہ مکہ کی کھجوریں زبیدہ وغیرہا کے باغوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ابنِ مبارک نے فرمایا کہ اگر ان باتوں کا خیال کرو گے تو تم پر روٹی کھانا بھی دشوار ہو جائے گا اس لیے کہ خالص بھی شبہ سے خالی نہیں۔ وہیب پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت سفیان نے ابن المبارک سے کہا کہ اس شخص کو تم نے مار دیا۔ انہوں نے کہا کہ میری مراد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ ان کا کام ان پر آسان کر دوں۔ جب آپ ہوش میں آئے تو منت مانی کہ روٹی ہرگز نہ کھاؤں گا۔ چنانچہ اس روز سے دودھ پینا شروع کیا۔ ایک روز آپ کی والدہ ان کے لیے دودھ لائیں۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آیا؟ والدہ نے جواب دیا کہ فلاں قبیلہ کی بکریوں کا ہے۔ فرمایا کہ انہیں وہ بکریاں کہاں سے ملیں۔ آپ کی والدہ نے سب حال بیان کیا۔ جب آپ دودھ اپنے منہ کے قریب لے گئے تو فرمایا کہ بکریاں چرتی کہاں ہیں؟ فرمایا کہ اس مقام پر کہ مسلمانوں کا اس میں حق ہے۔ اور فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ پی جاؤ۔ فرمایا کہ ہرگز نہ پیوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی مغفرت گناہ کے بدلہ میں لوں۔ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی شرم رکھتا ہوں کہ میں دو سو سال کے بعد حلال رزق مانگوں۔ ہاں وہ رزق مانگوں گا کہ مجھے اس پہ عذاب نہ دے۔

انہیں میں سے رات کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا۔ ہم نے رات کو لباس بنایا۔ فتوحات میں بیان کیا گیا ہے کہ رات اصحاب اللیل یعنی رات میں قیام کرنے والوں کا لباس ہے کہ انہیں دوسروں کی نظر سے چھپا دیتی ہے تاکہ وہ اپنی تنہائی میں مکالمہ یا محاضرہ یا مشاہدہ میں سے ہر ایک کی لذت کا حصہ اپنی لیاقت کے مطابق پائیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ رات، راستہ چلنے والوں کی پردہ دار اور دن صبح کے وقت جاگنے والوں کا بازار ہے۔

اَللَّيْلُ لِلْعَاشِقِيْنَ سِتْرٌ   يَا لَيْتَ اَوْقَاتَهَا تَدُوْمُ

رات عاشقوں کے لیے پردہ ہے۔ اے کاش کہ اس کا وقت ہمیشہ رہتا۔

چوں در دل شب خیالِ آں یارِ من ست
من بندۂ شب کہ روز بازارِ من است

جب راتوں کو اس دوست کا خیال میرے دل میں بسا رہتا ہے تو میں رات کا غلام ہوں اور دن میرا بازار ہے۔

خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ کسی رات کو یہ کہتے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور ایک ہی رکوع میں رات گزار دیتے اور کسی رات میں فرماتے کہ یہ سجدہ کی رات ہے اور ایک سجدہ میں صبح نکالتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اویس آپ تو اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ ایک ہی حالت میں اتنی بڑی بڑی راتیں گزار دیتے ہیں۔ فرمایا کہ راتیں بڑی بڑی کہاں ہیں۔ اے

کاش کہ ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی تاکہ اُسے میں ایک ہی سجدہ میں گذار دیتا اور اس سجدہ میں بہت زیادہ نالہ وشیون اور گریہ وزاری کرتا۔

بہ نیم شب کہ ہمہ مست خواب خوش باشند
من و خیال تو و نالہ ہائے درد آلود

آدھی رات کو جب سب لوگ میٹھی نیند میں مدہوش ہوتے ہیں۔ اُس وقت میں ہوتا ہوں، تیرا خیال ہوتا ہے اور درد بھرے نالے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ اُن کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں"۔ اس کی تفسیر میں مفسّرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت تہجد گزاروں۔ اور رات جاگ کر گزارنے والوں کی شان میں ہے کہ جب سب لوگ رات کا پردہ گرائے اور غفلت کے تکیے پر سر رکھتے ہیں، تو یہ لوگ اپنے گرم بستروں اور نرم فرشوں سے اُٹھتے، نیاز مندی کے قدموں پر قیام کرتے، اور ساری ساری رات خدائے قدوس کی بارگاہ میں بحالت راز و نیاز گزار دیتے ہیں۔

شب تاریک دوستانِ خدا | می بتابد چوں روزِ رخشندہ
ایں سعادت بزورِ بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا کے دوستوں کی اندھیری راتیں روزِ روشن کی طرح تابناک رہتی ہیں۔
یہ سعادت اپنے بازو کے بل پر نہیں جب تک وہ بخشنے والا نہ بخشے۔

اے عزیز صبح تک جاگنے والوں کے لیے اس وقت خدائے عزّوجل کے یہاں بڑی عزت ہے۔ اور عبادت میں رات کا گذار دینا، دل کی سختی کو دور کرنا اور محبت کو راست بنا دیتا ہے۔ لہٰذا بندۂ مسلمان اپنا دل گناہوں سے گندہ نہ کرے نہ اس کی نحوست سے رات کے قیام سے محروم رہ جائیگا خواجہ ثوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک گناہ کی وجہ سے پانچ مہینے، رات کے قیام سے محروم رہا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کون سا گناہ تھا۔ فرمایا

کہ میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو میں نے دل میں کہا - یہ ریاکار ہے - یہ بھی احتیاط رہے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد قدرے آرام کرنا نہ چھوڑے کہ یہ قیلولہ ہے اور سنت - پھر قیامِ شب کا معاون - یاد رکھیں کہ عشاء کی نماز کے بعد تازہ وضو اور غسل بھی شب بیداری میں اثر تمام رکھتا ہے - اور مغرب و عشاء کے درمیان جاگنا سنتِ موکدہ ہے -

امام قشیری قدس سرہٗ نے آیہ کریمہ یَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡیُنِ (وہ آنکھوں کی خیانتیں جانتا ہے) کی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ دوستوں کی آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ مناجات کے وقتوں میں ان کی آنکھوں میں چاروں طرف نیند گھومے - چنانچہ زبور میں ہے - قَدۡ کَذِبَ مَنِ ادَّعٰی مَحَبَّتِیۡ فَاِذَا جَنَّہُ اللَّیۡلُ نَامَ عَنِّیۡ وَمَنۡ نَامَ عَنِّیۡ نَامَ عَنۡہُ وِصَالُنَا "وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعوےٰ کرے اور جب اس پر رات چھا جائے تو وہ سو جائے ہمیں بھول کر - اور جو ہمیں بھول کر سویا ہمارا وصال اُس سے دور ہوا -

چشمہائے عاشقاں را خواب نیست ۔۔۔ یک زماں آں چشمہا بے خواب نیست
خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار ۔۔۔ چشمِ او چوں شمع باید اشکبار

عاشقانِ الٰہی کی آنکھوں میں (غفلت کی) نیند نہیں آتی اور نہ اُن کی آنکھیں اشک باری سے کبھی خالی رہتی ہیں - ایسی نیند کو عاشقوں کی آنکھوں سے کیا واسطہ - اُن کی آنکھیں تو شمع کی مانند بہتی رہنی چاہیئں -

کہا گیا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری نے حضرت ابو یزید کی طرف ایک آدمی بھیجا اور اُس سے کہا کہ اُن سے عرض کرنا کہ سونے اور آرام کرنے کا وقت کب سے کب تک ہے جب کہ قافلہ چل پڑے - آپ نے اُس شخص کو جواب دیا کہ میرے بھائی سے کہو کہ مردہ ہے جو تمام رات سوتا رہے اس پر بھی قافلہ سے پہلے منزل میں صبح کرے - حضرت ذوالنون نے فرمایا

کہ انہیں مبارک ہو اس کلام کی تہہ تک ہمارے احوال نہیں پہنچتے۔ کہتے ہیں کہ حسن صالح نے ایک کنیز کسی کو فروخت کر دی۔ جب آدھی رات گذری وہ کنیز بیدار ہوئی اور اس نے کہا کہ اے اہل خانہ اٹھو! نماز کا وقت ہے نماز کا۔ ان لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی (مگر سو گئے)۔ صبح ہوئی تو اس کنیز نے اُن لوگوں سے کہا کہ کیا تم لوگ سوائے فرض کے کوئی اور نماز نہیں پڑھتے۔ جواب دیا کہ نہیں۔ وہ کنیز خواجہ حسن کے پاس واپس آئی اور عرض کیا کہ اے خواجہ مجھے اس قوم کے ہاتھ نہ بیچئے جو تہجد گزار نہیں۔ مجھے ان سے واپس کر لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن حسین کے یہاں ایک عجمی کنیز تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے آدھی رات کے وقت سجدہ میں گرا دیکھا کہ وہ کہہ رہی تھی۔ الٰہی صدقہ اپنی محبت کا جو تجھے مجھ سے ہے میری بخشش فرمادے۔ میں نے اس سے کہا کہ یوں مت کہو بلکہ یوں کہو کہ الٰہی اُس محبّت کے طفیل جو مجھے تجھ سے ہے میری مغفرت فرمادے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔ اُس نے کہا کہ اے فضول گو! خاموش رہ۔ اُسی کی محبّت نے جو اُسے میرے ساتھ ہے مجھے دارِ کفر سے نکال کر دارالسلام میں داخل کیا اور اُسی کی محبّت نے جو اُسے میرے ساتھ ہے مجھے بیدار کیا اور اپنے آگے جھکایا اور تجھے تیرے بستر پر چھوڑا۔ میں نے اس سے کہا کہ جا تو اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔ اس نے کہا کہ اے آقا آپ نے میرے ساتھ بُرا کیا۔ میرے لیے دو اجر تھے۔ اب صرف ایک اجر رہا۔ اس کے بعد ایک چیخ ماری اور کہا یہ تو میرے ادنیٰ آقا کا آزاد کرنا ہے۔ مولائے کل کا آزاد کرنا کیسا ہوگا۔ اس کے بعد بحالتِ مردہ زمین پر آرہی۔

انہیں میں ذکر پر ہمیشگی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے ارشاد فرمایا۔ اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُکَ رَطْبٌ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

یعنی یہ کہ جب تمہاری موت کا وقت آئے تمہاری زبان ذکرِ الٰہی میں تر ہو۔
اے دولتِ آنکس کہ بروایں کرمش رفت
یعنی اس شخص کی دولت کا کیا پوچھنا جس پر خدا کا یہ فضل و کرم ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ
اور جو رحمٰن کے ذکر سے منہ پھیرے، مسلّط کر دیتے ہیں ہم اس پر ایک شیطان تو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

نفحات میں مذکور ہے کہ شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مسلمان جن کے ساتھ دوستی تھی۔ آپ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس جن نے کہا کہ اے شیخ آپ ان لوگوں کو کس حالت میں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا کہ بعض کو نیم خوابی میں اور بعض کو جاگنے کی حالت میں۔ کہا کہ جو چیز ان کے سروں پر ہے اُسے بھی آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں؟ ۔ فرمایا "نہیں"۔ اُس وقت اس جن نے آپ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر ایک کوّا بیٹھا ہے۔ ان میں سے کسی کے بال اس کی آنکھوں سے نیچے لٹکے ہوئے ہیں (کہ آنکھیں بالکل بند ہیں) کسی کے سر پر وہ سوار ہیں مگر کبھی کبھی اڑ جاتے ہیں۔ اور کسی کے سر سے کبھی نیچے اور کبھی اوپر اڑتے ہیں۔ شیخ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب دیا کہ کیا آپ نے نہیں پڑھا۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ الآیۃ یہ شیطان ہیں جو ان کے سروں پر مسلّط ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی غفلت کی مقدار، اس حالت میں مبتلا ہے۔

اے ترا ہر لحظہ تلبیسے دگر — در تنِ ہر موئے ابلیسے دگر
با چنیں حالت کہ در عالم کم ست — نیست جائے خندہ جائے ماتم ست

اے بندۂ خدا، تو ہر لحظہ، ہر لمحہ، ایک نئے فریب کا شکار ہے۔ اور تیرے ہر بال کی جڑ میں شیطان چھپا ہوا ہے۔ ایسی حالت پر کہ دنیا میں کم ہے ہنسنے کی جگہ نہیں، رونے کا مقام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "شیطان ہر ابنِ آدم کے دل پر بے حس و حرکت بیٹھا ہوا ہے۔ جب بندہ، اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنی زبان سے کرتا ہے، تو شیطان اٹھ کھڑا ہوتا اور دور چلا جاتا ہے۔ پھر جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان اس کو اپنا لقمہ بنا لیتا ہے یعنی اُسے اپنے قبضہ و تصرف میں لے کر اُسے لایعنی باتوں میں لگاتا اور فاسد تمناؤں میں مشغول کر دیتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں "کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کو نہ گھیرتا تو البتہ وہ آسمان کے فرشتوں کو دیکھ لیتے"۔

لہٰذا ذکر کے طریقوں میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ بندہ ہر وقت ذکر میں ڈوبا رہے۔ حضورِ قلب سے ذکر کرے اور ذکر میں غفلت نہ برتے۔ ذکر میں غفلت، ذکر سے غفلت سے بدتر ہے لہٰذا بندہ اپنی زبان کو اور دل کو، ذکر اور معنیٔ ذکر سے خالی نہ رکھے۔ جب کچھ مدت اسی حال میں گذرے گی دل میں ذکر گھر کر جائے گا اور جب ذکر کو لازم کر لے گا تو دل کہنے سے بھی باز رہے گا اور اب معنیٔ ذکر، دل پر غالب آجائیں گے۔ یہ وہ معنی ہیں جن میں کوئی حرکت اور کوئی آواز نہیں اس لیے کہ دل سے کہنا بھی بیان ہے اور بیان اس شجر کا غلاف و پوست ہے۔ نہ کہ بعینہٖ شجر۔ کلمہ طیبہ کی طرح یہ وہ درخت ہے جس کی جڑ سالم ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ انتہائی کیف کی حالت میں لوگوں نے حضرت سلطان العارفین سے دریافت کیا کہ ہم آپ کی زبان سے ذکر نہیں سنتے۔ کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ زبان (بھی) بیگانہ ہو جاتی ہے اور ہمارے درمیان نہیں سماتی۔ حضرت واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ذکر کی حقیقت، ذکر کو بھول کر، مذکور (ذکر والے) کے ساتھ قائم ہو جانا ہے۔

جز یادِ توام، از دلِ ناشاد برفت وز سینہ ہوائے گل و شمشاد برفت
مستغرقِ ذکرِ تو چنانم کہ دگر در ذکرِ تو، ذکرِ توام از یاد برفت

سوائے تیری یاد کے دلِ ناشاد سے ہر چیز جاتی رہی۔ سینے سے گلاب اور

شمشاد کی خواہش نکل گئی اور اب تیرے ذکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوں کہ تیرے ذکر میں تیرا ذکر میری یاد سے جاتا رہا۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر، صدق و عقیدت کی نیت سے ہو امتحان کی نیت سے نہ ہو۔ یوں نہ آزمائے کہ مکاشفات اور مشاہدات کے متعلق جو کچھ مشائخ نے فرمایا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ کہ اس میں صدقِ نیت نہیں تو کچھ حال نہ کھل سکے گا۔

مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ جب ذکر شروع فرماتے تو پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ آیت کریمہ پڑھتے۔ فان تولوا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ اور اس کے بعد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ بلند آواز سے پڑھتے اور تیسری مرتبہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فرماتے۔ اس کے بعد بلند آواز سے ذکر شروع کرتے جب تک ذوق طاری رہتا اور سانس ساتھ دیتا۔ آپ ذکر جہری میں مشغول رہتے۔ جب اپنی حالت پر واپس آتے تو پھر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درود شریف پڑھتے اور یہ دُعا کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا ذَكَرْنَاكَ عَلٰى قَدْرِ قِلَّةِ عَقْلِنَا وَعِلْمِنَا وَفَهْمِنَا فَاذْكُرْنَا عِنْدَكَ عَلٰى قَدْرِ سَعَةِ رَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ يَاخَيْرَ الذَّاكِرِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (الٰہی ہم نے کم عقلی، بے علمی اور اپنی نافہمی کے تحت تیرا ذکر کیا۔ تو ہمیں اپنی رحمتوں کی وسعت اور فضل کے مطابق ہمارا ذکر فرما اور یاد رکھ۔ اے سب سے بہتر یاد فرمانے اور رحم فرمانے والے) مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ذکر کی حالت میں حلقہ باندھنا، مشائخ کی سنت اور جائز و پسندیدہ ہے۔ اگر کوئی جماعت کو یکجا کرلے اور مجمع کے ساتھ ذکر کرے تو اور اچھا ہے۔

اے عزیز یہ بھی یاد رکھو کہ بعض صوفیاء نے ذکرِ جہر کو اختیار کیا ہے اور بعض

نے ذکرِ خفی کو۔ ہر دو فریق کا استدلال آیات واحادیث اور روایات سے ہے۔ چنانچہ وہ آیات واحادیث وروایات جنہیں ذکرِ جہر کے اختیار کرنے والوں نے دلیل ٹھہرایا ہے یہ ہیں۔

آیات اس باب میں کثیر ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ آیت ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ خزانہ میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و پوشیدہ اپنے رب کو پکارو۔ اس لیے کہ تضرّع ضراعۃ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں شدتِ حاجت کا اظہار۔ اور خفیہ جہر اور سر میں مشترک اور متضاد معنی کا حامل ہے۔ ایسا ہی الطائف القشیری میں ہے اور املاء التفسیر میں ہے کہ یہ بھی کہا گیا کہ معنی یہ ہیں کہ اُسے پکارو اور اس کی طرف اپنی حاجتیں بیان کرو، گریہ وزاری سے اور تنہائی میں۔ ضراعۃ ذلّت وخواری کا ہے اور خفیہ وہ ہے جس میں ریا کا دخل نہ ہو۔

ثبوتِ جہر میں یہ آیت بھی ہے۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اور يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز فرض نہ کی مگر یہ کہ اُس کے لیے ایک حد مقرر فرمادی۔ سوائے ذکر کے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہ کی جہاں اس کی انتہا ہو، بلکہ بندوں کو حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ اور فرمایا اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہو۔ رات میں، دن میں، سفر میں، حضر میں، مالداری میں، فقیری میں، کھلے چھپے، غرضیکہ ہر حال میں۔

انہیں آیات میں اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ۔ اگر صدقے کھل کر دو تو بڑی اچھی چیز ہے۔ عقیدۂ شیخ ابو نجیب سہروردی میں بیان کیا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ بندہ سنّت اور فرض کے مابین ذکرِ جہری کو اختیار کرے۔

انہیں میں سے ایک یہ آیت ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔

تفسیر درِ معانی میں ہے کہ اَوّاہ وہ ہے جس کی آواز ذکر و دُعا اور تلاوتِ قرآن میں ظاہر ہو۔ تفسیر البنی میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی میں چار تاویلیں ہیں اور تمام کا حاصل یہ ہے کہ اپنی آواز کو بلند کرو اور اس باب میں جو احکام وارد ہیں انہیں ذہن نشین رکھو۔

اور احادیث جو اس باب میں وارد ہیں انہیں میں وہ حدیث بھی ہے جو روضۃ العلماء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی بڑی رضا لکھ دے گا۔" الحدیث۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو خزانۃ الجلالی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کا سننے والا بھی ذکر میں شریک ہے۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو مصابیح میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ الی آخر۔ اور وہ حدیث بھی ہے جسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے) میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرے تو اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہا یاد فرماتا ہوں اور جب وہ ذکر مجمع کے ساتھ کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتا ہوں۔

اور روایات اس باب میں وہ ہیں جو شرح الاوراد، عمدۃ الابرار، مجموع النوازل، فتاویٰ خانیہ، حامیہ، ملتقط اور مزید میں ہیں کہ حمام میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور آہستہ آہستہ جی میں پڑھنا مکروہ نہیں۔ البتہ تسبیح و تہلیل (سبحان اللہ کہنا۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھنا) مکروہ نہیں اگرچہ بلند آواز سے ہو۔ جامع عصمت اللہ نے فرمایا کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ حمام میں اکثر نجاستیں

وغیرہ ہوتی ہیں اور بعض آدمی اپنا ستر کھولے ہوتے ہیں، پھر بھی تسبیح و تہلیل حمام میں بلند آواز سے جائز ہے تو گھروں میں، مسجدوں میں، گوشوں میں مکان کی پاک خلوتوں میں جائز ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہے۔

اسی کی تائید فقیہ زاہد ابوالیث رحمۃ اللہ کا وہ قول کرتا ہے جو کتاب التنبیہ میں ہے کہ مسجدوں کا احترام پندرہ طرح ہوتا ہے اور انہیں میں یہ ذکر کیا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ اور بات میں اپنی آواز اونچی نہ کرے۔ معرفتہ المریدین اور دلیل السالکین میں لکھا ہے کہ اکثر صبح کے وقت ذکر، بلند آواز سے کرتے تاکہ اہل ذوق بھی اُس سے لطف اندوز ہوں۔ غرض یہ کہ ذکر جہری بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ آیات واحادیث وروایات ذکر جہر کے بارے میں بہت زیادہ ہیں اور ان میں سے اکثر حصہ مجمع سلوک میں ہے کہ مخدوم شیخ سعد بدہن قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ یہاں ان میں بعض حصہ محض تبرک کے لیے لکھ دیا گیا ہے جسے شوق ہو وہ اس متبرک کتاب کا مطالعہ کرے کہ ذکر جہری اور ذکر خفی کے متعلق وافی وشافی بیان پر مشتمل ہے۔

فَخُذْ اَیَّ بَابٍ تَرَاہُ صَوَابٌ فَلِلْجَھْرِ بَابٌ وَلِلسِّرِّ بَابٌ

تجھے جو طریقہ بھلا معلوم ہو اُسی کو اختیار کر کہ ذکر بالجہر بھی ایک طریقہ ہے اور ذکر خفی بھی۔

فصل ذکر خفی کی سند یہ ہے کہ سانس نکلتے وقت لاالٰہ کا تصور بامعنی کرے۔ اور سانس لیتے وقت اِلَّا اللہ کا مع معنی کے تصور کرے۔ اور معنی یہ ہیں کہ لَا معبُودَ وَلَا مَقصُودَ وَلَا موجُودَ اِلَّا اللہ۔ ان تینوں کے تصور کے دوران ایک ہی معنی کا ارادہ کرے۔ یہ ذکر ہر وقت ہو سکتا ہے یعنی اس پر کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تنہائی میں، مجمع میں، چلتے ہوئے، ٹھہرے ہوئے کھانے پینے کی حالت میں، غرض ہر طور پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی ارشاد فرمایا کہ خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیّ۔ سب سے اچھا

ذکر، ذکرِ خفی ہے۔ لہٰذا اس پہ اتنی ہمیشگی برتے کہ کوئی سانس آنے جانے میں اس سے خالی نہ رہے۔ بلکہ اس حد تک پہنچ جائے کہ سوتے میں بھی کوئی سانس نکلنے اور اندر جانے میں ذکر اور معنیٔ ذکر کے تصور سے بیکار نہ رہے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جب جاگتے میں کوئی سانس بیکار نہیں گذرتا تو سوتے میں بھی ضائع نہیں ہوتا۔

ہر نفس ز انفاسِ عمرت گوہر یست گوہر انفاس را ضائع مکن

تیری عمر کی سانسوں میں سے ہر سانس ایک گوہر ہے تو ان نفیس گوہروں کو برباد مت کر۔

اور جب زندگی میں اس تصوّر اور خیال میں رہے گا تو موت کے بعد بھی اسی تصور اور خیال پہ قائم رہے گا اور کل بروزِ قیامت بھی اسی حال پر اس کا حشر ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم جس طور پہ زندگی گزارتے ہو اسی طور پر مروگے اور جس حال میں مروگے اسی حال پہ اٹھائے جاؤ گے اور یہ ذکر وہ سوئی ہے کہ دل کا پیوند اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ، صدق کے ڈورے سے سی دیتی اور فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کے عمل خانہ میں رفوگری سکھاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی چاہے کہ دل کی گہرائیوں سے دینی علوم کو۔ جو ابدی زندگی کا سرمایہ ہیں، نکال لے، تو یہ ذکرِ خفی سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کنواں سوئی سے نہیں کھودا جا سکتا۔ اس کنوئیں کی کدال ذکرِ جہر ہے۔ تو جو کوئی ذکرِ جہر پہ شرائط و آداب اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ہمیشگی کرے گا، تھوڑی ہی مدت میں دل کی گہرائی سے دینی علوم باہر نکال سکتا ہے۔ اور جب وہ ذکرِ جہر شروع کرتا ہے تو اس میں ایک عجیب ذوق و شوق اور لذّت پیدا ہو جاتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی کہ الٰہی وہ عبادت تعلیم فرما جو بہت شاق اور دشوار تر ہو۔ فرمان ہوا کہ ذکرِ جہر کرو۔ موسیٰ علیہ السلام جس قدر ذکرِ

جہر کرتے ذوق وشوق اور سکونِ قلب میں زیادتی ہوتی۔ پھر عرض کیا کہ الٰہی میں نے تو ایسی عبادت کا سوال کیا تھا کہ اس میں مشقت وصعوبت ہو۔ ۳۱ ذکرِ جہر میں تو مجھے راحت وسکون ملتا ہے۔ فرمان ہوا کہ اے موسےٰ! تم میرے نام کی دشواری اور سختی کیا جانو۔ فرعون سے پوچھو کہ اس نے اپنی تمام عزت ووجاہت اور بادشاہت کو، تباہ کر کے، اپنے آپ کو اپنے عزیزوں اور قریبوں کے ساتھ دریائے نیل کو سونپ دیا مگر ایک مرتبہ بھی میرا نام لینا اُسے میسّر نہ ہوا۔ تم کہ میرے نام کے ذکر سے راحت اور آرام پاتے ہو، یہ میری توفیق اور مہربانی ہے کہ میں نے تم پر مبذول فرمائی۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذکرِ جہر میں ایسا شوق پیدا کرے کہ اپنی جان، عزت اور مال ومنال کو۔ اس ذکر پر قربان کر سکے۔

نقل ہے کہ فرشتوں نے عرض کیا! خدایا تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل (دوست) بنایا ہے حالانکہ ان کے پاس کثرت سے مال موجود ہے۔ اس کے باوجود ہمیشہ افزونی کا سوال کرتے رہتے ہیں۔ فرمان آیا کہ اگرچہ وہ کثیر مال رکھتا ہے مگر اس کا دل اُس مال سے متعلق نہیں۔ اچھا جاؤ آزمائش کر لو۔ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور ابراہیم علیہ السلام کی نظر سے چھپ کر کہنے لگے یا اللہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے دوست کا نام لینے والے! اس کا نام، دوبارہ لے"۔ انہوں نے کہا کہ کچھ ہدیہ دیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو کچھ میری ملکیت میں ہے وہ سب میں نے دوست کے نام پر قربان کیا۔ اب تو اُس کا نام لے"۔ فرشتوں نے پھر عرض کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اولاد سے بہت محبت ہے وہ تیرے خلیل کیسے ہو سکتے ہیں؟ انہیں خواب میں بتایا گیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے بلا تردّد اپنے بیٹے کے حلق پر چھری پھیری اور چھری نے اپنا کام نہ کیا، تو عرض کیا خدایا! چھری اپنا کام نہیں کر رہی ہے"۔ ارشاد ہوا کہ ہمیں ایک معصوم

کے حلق پر چھری چلانے سے سروکار نہیں بلکہ فرزندوں کی محبّت سے تمہارے دل کو کاٹنا منظور ہے، جس کو ہم نے ظاہر کر دیا۔ فرشتوں نے پھر عرض کیا کہ ابراہیم کو اپنی جان بہت پیاری ہے۔ فرمان ہوا کہ غلط کہتے ہو۔ جب نمرود نے ابراہیم علیہ السّلام کے ہاتھ پیر، لوہے کی زنجیر سے باندھ کر ایک فلاخن کے ذریعہ، بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا۔ اسی وقت جبریل پہنچے اور کہا کہ "کیا تمہیں کوئی حاجت ہے"۔ فرمایا کہ "تمہاری طرف تو نہیں"۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ "پھر اپنے رب ہی سے سوال کریں"۔ فرمایا کہ عِلمُہٗ بِحَالِی یَکفِینِی عَن سُوَالِی۔ اس کا میرے حال سے واقف ہونا ہی، میرے سوال کو کافی ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ جب ذکرِ جہر میں ذوق و شوق اور راحت و سکون ملے تو خدائے تعالیٰ پر کوئی احسان نہ مانے۔ نقل ہے کہ ایک شکاری نے ایک مچھلی پکڑی۔ مچھلی بولی کہ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و ذکر میں مشغول ہوں مجھے تو نے کیوں پکڑا ہے۔ اس نے کہا اس لیے کہ تو اپنی تسبیح کا احسان خدائے تعالیٰ پر رکھتی ہے۔

سندِ ذکرِ جہر جو ہمیں بزرگوں سے پہنچی ہے یہ ہے کہ ذکر کرنے والا باوضو ہو اور قبلہ کی جانب منہ کر کے، پالتی مار کر اس طرح بیٹھے کہ سیدھے پاؤں کی انگلیاں اُلٹے زانو کے درمیان اور اُلٹے پاؤں کی انگلیاں سیدھے زانو کے درمیان ہوں۔ اس وقت کلمہ لاالٰہ کو ناف سے بلند آواز سے کھینچے اور سر سیدھی جانب لے جائے۔ اس کے بعد اِلاّ اللہ کی ضرب بائیں جانب مارے۔ اسی حال پر اس وقت تک رہے کہ سانس ساتھ دے اور قوت باقی رہے۔ جب طاقت جواب دے دے تو خاموش ہو جائے اور محمد رسول اللہ کہے۔ اسے ذکرِ نفی و اثبات کہتے ہیں۔ اور وہ معنی جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں دل میں حاضر رکھے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر کی حالت

میں پیر و مرشد کی روحانیت کو اپنی مدد پر حاضر جانے اور پیر کا مشاہدہ اپنے تصور سے جدا نہ کرے۔ جب خاموش ہو تو جب تک ہو سکے دم روکے رہے اور دم روکنے کی حالت میں دل میں اللہ اللہ کا ذکر کرے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تجھے چاہتے ہیں ہم تجھے چاہتے ہیں۔ جب سانس چھوڑے تو آہستہ آہستہ۔ اس کے بعد اثبات کا ذکر کرے یعنی اِلَّا اللہ اِلَّا اللہ۔ اس کے بعد ذات کا ذکر کرے (یعنی اللہ اللہ)۔ اس سے فارغ ہو کر سانس روکے اور جب تک ہو سکے دم نہ توڑے اور جب طاقت ضبط نہ رہے تو تھوڑا تھوڑا چھوڑے اور ذکر اور حبسِ نفس سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا ذَکَرْنَاکَ عَلٰی قَدْرِ قِلَّۃِ عَقْلِنَا وَعِلْمِنَا وَفَھْمِنَا فَاذْکُرْنَا عِنْدَکَ عَلٰی قَدْرِ سَعَۃِ رَحْمَتِکَ وَفَضْلِکَ یَا خَیْرَ الذَّاکِرِیْنَ وَیَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○ اور اس میں اتنی مشق پیدا کرے کہ دن رات میں چار ہزار مرتبہ ذکر کر سکے۔ اس سے کم نہیں۔

دوسری صورت ذکرِ اویسی بدلائی طیفوری اور خرازی۔ مرید زانوے ادب پر (دوزانو) قبلہ رو بیٹھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے برابر اٹھالے اور کلمہ نفی شروع کرے۔ اُس کے بعد بندھے ہوئے ہاتھ نفی کی مدّ کے ساتھ فضا میں اٹھائے اور کھول دے۔ اس کے بعد فضا میں پھر بند کرلے اور منہ ہی منہ میں الا اللہ کی ضرب کرے۔ اس کا خیال رکھے کہ جب ہاتھ اخراج نفی کے وقت فضا کی طرف لے جائے۔ تو زانو پر کھڑا ہو جائے اور ضرب کے وقت بیٹھ جائے۔ اس ذکر میں دو رمز ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی محبت میں نے دل سے نکال کر فضا میں پھینک دی۔ دوم یہ کہ کلمہ اثبات کی ضرب کے وقت، میں نے خدا کی محبّت اور معرفت لامکان سے کھینچ کر ڈالی اور جلوۂ ذاتِ حق کو دل میں بسایا۔

تیسری صورت ذکر بدلائی۔ کلمۂ نفی کو اسی طریقہ پر منہ سے کھینچے اور

ضرب سیدھا ہاتھ منہ کے قریب رکھے اور یہ بندھا ہوا ہاتھ فضا میں بلند کرے ۔ اور کھول دے ۔ پھر فضا میں اسے بلند کرے اور کلمۂ اثبات کی منہ ہی منہ میں ضرب لگائے ۔ پھر ہاتھ کھول دے ۔ اس کے بعد اُلٹا ہاتھ باندھے اور ایسا ہی کرے ۔ یہ دونوں ذکر بڑی تاثیر رکھتے ہیں ۔ یاد رہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر کے وقت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہیں کہا جاتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خاص تعلق ہے کہ حدیث قدسی میں ہے ۔ اذا ذُکِرتَ ذُکِرتَ مَعِیَ ۔ جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو تم میرے ساتھ مذکور ہوتے ہو" ۔ اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو تین حرفوں میں جمع کیا ہے کہ آپ نے لا الٰہ سرہٖ کو لیا اور الا اللہ سرہٗ کو لیا اور محمد رسول اللہ سرہٖ کو لیا اور سیدھی جانب منہ کرکے ہ فرمایا پھر اُلٹی طرف منہ کیا اور ہٗ ادا کی ۔ پھر ضرب لگائی اور ہِ فرمایا ۔

مراقبہ میں شغل سہ پایہ بھی داخل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین ناموں کی، تصور میں تکرار کرتا رہے ۔ یعنی سَمِیعٌ بَصِیرٌ اور علیم ۔ پھر علیم بصیر سمیعٌ کہے ۔ یا فارسی میں اس کے معنی کا لحاظ کرے یعنی شنوا، بینا، دانا ۔ پھر کہے دانا، بینا، شنوا ۔ یعنی ہر دانائی، بینائی اور شنوائی جو دنیا میں ہے وہ حق وحدہ لاشریک لہ کی دانائی، بینائی اور شنوائی ہے ۔

آنکہ می داند علیم ست ۔۔۔ آنکہ می بیند، بصیر
آنکہ می شنود سمیع ست ۔۔۔ اے فتا تو کیستی

جو جانتا ہے وہ علیم جانتا ہے ۔ جو دیکھتا ہے وہ بصیر دیکھتا ہے اور جو سنتا ہے وہ سمیع سنتا ہے ۔ اے جوان ! تو درمیان میں کون ؟

اور جو مراقبہ ہمیں اپنے مشائخ سے پہنچا ہے وہ یہ ہے ۔ اللّٰہُ حَاضِرِیْ، اللّٰہُ نَاظِرِیْ، اللّٰہُ شَاهِدِیْ، اللّٰہُ مَعِیَ ۔

چند اور مراقبے ۔ مراقبہ معیت ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ مراقبۂ قرب ، نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ کہ ہم تمہاری رگ گلو سے بھی زیادہ تم سے قریب ہیں ۔ تیرے کان کی شنوائی سے تیرے کان کے زیادہ قریب ہیں اور تیری زبان کی گویائی سے تیری زبان کے زیادہ قریب ہیں ۔ حاصل اس کلمہ کا یہ ہے کہ تیری ہستی توہم سے ہے ورنہ تو کہاں ۔ مراقبہ ما رایت شیئاً الا و رایت اللہ فیہ ۔ یعنی میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس میں خدا کی تجلّی پائی ۔

توحید حلول در نہاد ست اما نہ حلول اتحاد است

یعنی توحید یہ ہے کہ سب کی ہستی اُس سے ہے نہ یہ کہ سب وجود میں اُس سے متحد ہیں اور وہ ساری مخلوقات میں حلول کیے ہوئے ہے (وحدت الوجود حق ہے اور وجود اتحادی کفر ۔ کہ خدا ایک ہے نہ کہ معاذ اللہ این و آں) ۔ مراقبۂ انا یدک الازم فالزم یدک ۔ میں تیرا ہاتھ (دستگیر) ہوں ، تو اپنے ہاتھ کو لازم پکڑ ۔ یعنی حادث کے واجب سے قائم ہونے میں کوئی شک نہیں ۔

تو قائم بخود نیستی یک قدم ز غیبت مدد می رسد دمبدم

تو بنفس خود ایک قدم کی مقدار بھی قائم نہیں بلکہ تجھے غیب سے ہر دم مدد پہنچتی رہتی ہے ۔ مراقبہ آدمی برف کے تودہ میں غور کرے کہ یہ برف پانی کی ایک صورت ہے لیکن اُسے پانی کہنا غلط ہے ۔ ہاں پانی ، جاننا اور سمجھنا صحیح ہے ۔

البحر بحر علیٰ ما کان فی القدم ان الحوادث امواج و انهار
لا یحجبنک اشکال تشاکلها عمن تشکل فیه وهی استار

سمندر تو قدیم سے سمندر رہی ہے ۔ نو پید تو اس کی موجیں اور لہریں ہیں ۔ یہ مختلف صورتیں کہیں تیرے لیے حجاب نہ بن جائیں اس ذات سے جو ان میں

جلوہ فرما ہیں ۔ یہ تو محض حقیقت تک رسائی کے لیے پردے ہیں ۔

چو آدم را فرستادیم بیرون — تو بودی عکس معبودِ ملائک
دراں نورِ جمالِ خود نہادیم — ازاں گشتی تو مسجودِ ملائک

ہم نے جب آدم کو پردہ عدم سے باہر نکالا تو تجھ میں فرشتوں کے معبود کا عکس تھا ۔ اس میں جب ہم نے اپنے جمال کا نور رکھا تو تو اس کی وجہ سے فرشتوں کا مسجود الیہ بن گیا ۔

بشنو از نئی چوں حکایت می کند — وز جدائی ہا شکایت می کند
نئی کہ ہر دم نغمہ آرائی کند — در حقیقت از دمِ نائی کند
عشق چوں نائی و ما جز نئی نہ ایم — او دمے بے ما و ما بے وے نہ ایم

مراقبہ :- بانسری کی حکایت سنو ۔ جب وہ بیان کرے اور جدائیوں کی شکایت کرے ۔ یہ نئے جو ہر دم نغمہ آرائی کرتی ہے ۔ یہ درحقیقت بانسری بجانے والے کے سانس سے ہے ۔ بس یوں سمجھ لو کہ عشق بانسری والے کی مانند ہے اور ہم بانسری کی طرح ۔ نہ وہ بغیر ہمارے نغمہ سرا ۔ اور نہ ہم اس کے بغیر آواز و نغمہ

مراقبۃٌ اَنتَ اَم انا ھـذا العینُ فی العین
حاشایَ حاشایَ مِن اثباتِ اِثنَـین
ھویتہ لکَ فی لاَّ تشبتُنِی اَبَـدًا
کُلٌّ عَلَی الکُلِّ تَلبِیسٌ بِـوَجھَین

کیا میں یا تو ، یہ عین در عین ہے ۔ دور بہت دور ہے ، مجھ میں اور اُس میں دُوئی کا ثابت کرنا ۔ اور اُس کی ہوّیت جو تجھے مجھ میں نظر آتی ہے میرا قیام ثابت نہیں کرتی کہ کل کا کل پہ ہونا دو طرح کا فریب ہے ۔

جاناں ! جامِ نابم دہ و جانم بستاں — مستم کن و از ہر دو جہانم بستاں
با کفر و باسلام بُدن ناچار ست — خود را بنما و ایں و آنم بستاں

اے جاناں جان ایک بھرا ہوا جام دے اور مجھ سے میری جان کے لیے ۔

مجھے مست بنادے اور دونوں جہاں سے مجھ کو اٹھالے ۔ مسلمان یا کافر ہونا تو ناگزیر ہے مگر تو ہمیں اپنی تجلی دکھا اور یہ سب این و آں ہم سے لے لے ۔ مراقبہ الم یعلم بان اللہ یریٰ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو ۔ اور اگر تم یہ نہ سمجھ سکو کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو تو (یوں کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے مراقبہ یتنزل الامر بینھن ۔ ظہور اور تنزل اپنے ہر ممکن معنی اور وصف کے ساتھ، اس کا کمال عظمت ہے ۔ اور تجلی کی ہر صورت جس کا امکان ہے اس کی کبریائی ہے ۔ اور اس کا ارشاد کہ العظمۃ ازاری والکبریائی ردائی ۔ عظمت میری ازار اور کبریائی میری ردار (چادر) ہے ۔ اسی کی جانب اشارہ ہے ۔ مراقبہ اللہ نور السمٰوٰت والارض ۔

اے جملہ جہاں حسنت آخر چہ جمال ست ایں
پیدائی و پنہانی آخر چہ کمال ست ایں
در ہر چہ نظر کردم، غیر از تو نمی بینم
غیر از تو کسے باشد حقا چہ مجال ست ایں

اسے وہ کہ تمام عالم تیرے حُسن کا پرتو ہے ۔ آخر یہ کون سا جمال ہے ۔ تو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ۔ یہ کتنا عظیم کمال ہے ۔ میں جس چیز میں نظر کرتا ہوں تیرے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور تیرے سوا اور ہو بھی کون سکتا ہے ۔ اس کی گنجائش ہی کہاں ہے ۔ مراقبہ واللہ من ورائھم محیط ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کا ہم کو محیط ہونا ہمارے خود کے احاطہ سے بھی قریب ہے ۔ لیکن ہم اس کا احاطہ کر سکیں یہ بہت دُور (بلکہ محال) ہے ۔

ہمارا دوست ہم سے بمقابلہ ہمارے زیادہ قریب ہے ۔ اور یہ بڑے حیرت کی بات ہے کہ ہم اس سے دور ہیں ۔ کیا کریں اور کس سے کہیں کہ وہ ہماری آغوش میں ہے ۔ اور ہم اس سے مہجور ۔

غرض ہر قسم کے مراقبے اور ہر طرح کے ذکر و فکر سے اپنے اوقات کو آباد رکھنا چاہیئے۔ مخدوم شیخ سعد نے یہ حدیث مجمع سلوک میں بیان فرمائی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد دل میں ایمان اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی سبزی کو۔

فائدہ اگر ذکر کے دوران میں جب کہ خلوت ہو، کچھ اچھی یا بری صورتیں نظر آئیں تو ہر گز ان کی جانب توجہ نہ کرے اور نہ ان سے ڈرے بلکہ اپنے شیخ کی ولایت میں پناہ ڈھونڈے اور اپنی توجہ اور بڑھائے تاکہ آئینۂ قلب طبیعت کے زنگ اور بشریت کی تاریکی سے جلا پائے اور غیبی انوار جلوہ گر ہوں۔ شروع شروع میں تو یہ روشنیاں اکثر بروق، لوامع، لوائح، طوالع، فوائح اور منائح کی مانند ظاہر ہوتی ہیں۔ ذاکر کو چاہیئے کہ ان کی طرف بھی متوجہ نہ ہو۔ بروق یہ ہیں کہ (نور) بجلی کی طرح ظاہر ہو اور جلد زائل ہو جائے۔ لوامع کی چمک پے در پے ہوتی اور کچھ دیر ٹھہرتی بھی ہے۔ لوائح جیسے سورج کی روشنی پانی یا آئینہ کے عکس سے کسی جگہ پڑتی، کچھ دیر ٹھہرتی اور پھر حجاب میں ہو جاتی ہے۔ طوالع جیسے ستاروں اور سورج کی روشنیاں۔ فوائح کشف نفس کشف دل، کشفِ روح، کشفِ سر اور کشفِ خفی کا نام ہے اور منائح منحہ کی جمع ہے جس کے معنی عطیہ کے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ منشاء انوار مختلف ہوتا ہے جیسے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اور دوسرے اذکارِ مختلفہ۔ قرآن، ایمان، احسان اور اسلام بھی نور کا منشا ہیں کہ ان سے انوار پیدا ہوتے ہیں۔ اور عبادتیں ریاضتیں سالک کی روحانیت یا شیخ کی ولایت یا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ولایت اور انبیاء و اولیاء کی ارواح بھی انوار کا منشا ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے انتہا چیزیں ہیں جیسے زہد صلاح وغیرہ لیکن ہر ایک کی لذت اور رنگت جداگانہ ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ چراغ شمع اور دوسری اسی طرح کی جو صورتیں نمودار ہوتی

ہوتی ہیں وہ بھی انوار ہیں جو شیخ کی ولایت یا ولایت نبوت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا استعادہ علم سے یا قرآن اور ایمان سے مقتبس ہوتے ہیں اور وہی چراغ یا شمع دل ہوتا ہے۔ ہاں اگر قندیل یا قندیل کے چراغ کی صورت میں نظر آئے تو وہ معرفت کا نور ہوتا ہے۔ اور جو کچھ علویات یعنی تارے چاند اور سورج کی شکل میں دیکھتا ہے وہ روحانیت کا نور ہوتا ہے۔ اور جب آئینہ قلب پورا صاف ہوتا ہے تو ماہِ تمام نظر آتا ہے ورنہ ناقص۔ اور اگر صفائی میں کمال حاصل کر لے تو وہی روح کا نور ہو جاتا ہے جسے وہ آفتاب کی طرح دیکھتا ہے جس قدر صفائی قلب زیادہ ہوگی اسی قدر آفتاب زیادہ روشن ہوگا۔ اور اگر چاند سورج ایک دم دیکھے تو وہ چاند دل ہوتا ہے جو روح کی روشنی کے عکس سے روشن ہے اور وہ خورشید اس کی روح۔ لیکن ابھی پردوں کے اندر سے چمکتا ہے۔ یا خیال نے بصورت خورشید اس کے مناسب نقشبندی کر دی ہے۔ ورنہ روح کا نور تو بغیر کسی شکل رنگت اور صورت کے ہوتا ہے۔ اور اگر ستارے چاند یا آفتاب حوض میں یا دریا یا اسی طرح کی کسی اور چیز میں دیکھے تو وہ بھی روحانیت کا نور ہوتا ہے مختلف جگہوں سے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ انوار، ایمان، طاعات، عبادات، تسبیحات مختلف اذکار کی ہوتی ہیں جن کا مشاہدہ دل میں ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صفات الٰہی کے انوار کا عکس، روحانی حجابوں کے پیچھے سے دل کے آئینہ پر جلوہ گر ہوتا ہے اور بقدر صفائے قلب ظاہر ہو جاتا ہے۔

اے عزیز! یہ انوار جس مقام پر مشاہدہ ہوتے ہیں علحدہ رنگ رکھتے ہیں، چنانچہ لوّامگی نفس (یعنی ملامت نفس) کے مقام میں یہ نور نیلگوں ظاہر ہوتا ہے اور یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ نور روح یا نورِ ذکر کے ظلمت نفس سے امتزاج و آمیزش کا۔ اس لیے کہ ضیائے روح اور ظلمتِ نفس کا آپس میں ایک مزاج ہوتا نیلگوں رنگ پیدا کرتا ہے۔ اور جب روح کا نور زیادہ ہوتا ہے اور نفس کی تاریکی کم، تو وہ نور سرخ رنگ کا ہوتا جاتا ہے جیسے بے دھوئیں کی آگ کا رنگ۔ اور اگر

سالک لذیذ لقموں سے محفوظ ہوتا ہے تو اس آگ میں دھواں بھی ہوتا ہے، پھر جس قدر صفائی قلب بڑھتی جاتی ہے نور میں سپیدی آتی جاتی ہے۔ جب روح کا نور، دل سے امتزاج پاتا تو سبز نور ظاہر ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے نور کا عکس، رُوح کے نور پر پڑتا ہے تو مشاہدہ، ذوق شہود سے مل جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ کا نور، روح اور دل کے حجابوں کے بغیر ظاہر ہوتا ہے تو بیرنگ نور ہویدا ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیف اور نہ جہت اور جو لا مثال و بے نہایت وحد ہوتا ہے۔ تمام ہستیوں سے تعین اٹھ جاتا ہے لیکن ان تمام انوار کا کشف، حجاب رَبی وغَیبی کے اٹھائے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ حجاب رَبی وہ طبعی پردہ ہے جس کو بندے کے ساتھ نسبت ہوتی اور حجاب غَیبی وہ پردہ ہے جو رب تبارک و تعالیٰ کی جانب منسوب ہے۔

ستارہ با مہ و خورشید اکبر | بود حسن و خیال عقل انور
بگرداں از ہمہ اے راہرو رُوئی | ہمیشہ لا اُحبّ الآفلین گوئی

یہ ستارے اور یہ ماہتاب و آفتاب، عقل روشن کا حسن و خیال ہیں۔ اے راہرو! ان سب سے اپنا مُنہ پھیر لے اور یہ کہتا ہوا بڑھ کہ لا اُحبّ الآفلین (میں ڈوبنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا)

یاد رہے کہ تمام انبیاء، اولیاء اور اصفیاء، عارفین، عاشقین اور مقربین ہمیشہ اپنے اعمال حسنہ اور صفات پسندیدہ سے استغفار کرتے رہے ہیں تاکہ طاعت اور بندگی کا گھمنڈ، مغفرت اور بخشائش کے لیے آڑ نہ بن جائے۔ (حدیث شریف میں ہے) کہ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِی وَاِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی کُلِّ یَومٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً"۔ تحقیق میرے دل پر عُجب طاعات چھا جاتا ہے، اور میں خداوند قدوس سے ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ نورانی حجابوں سے گذرنا مشکل تر ہے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الحق وَالدِّین قُدِّس سرہ خلافت پانے سے قبل اور مخدوم شیخ الاسلام

فریدالحق قدس سرہٗ سے بیعت اور ارادت کے بعد ایک مرتبہ ایک مسجد میں تشریف لائے۔ آپ اس وقت ایک شرعی مسئلہ پر غور کر رہے تھے۔ ایک صاحبِ کشف مجذوب نے جو اس مسجد میں کروٹ لیے لیٹے ہوئے تھے، فرمایا کہ مولینا نظام الدین العلم حجابٌ عظیم۔ علم حجاب اکبر ہے۔ حضرت مخدوم کے دل میں خیال آیا کہ علم حجاب تو ہو سکتا ہے مگر حجابِ عظیم کس لیے۔ مجذوب نے کہا کہ جب اس مقام پر پہنچو گے تو جان جاؤ گے۔ یہاں تک کہ شیخ الاسلام فریدالحق والدین نے دریافت فرمایا کہ مجذوب نے کیا کہا؟ آپ نے تمام ماجرا عرض کر دیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ "علم ایک نورانی حجاب ہے، اس سے گذر جانا ہر شخص کے بس کا کام نہیں"۔

جاننا چاہیئے کہ محبّت بھی حجابِ نورانی ہے۔ "اے غوثِ اعظم! محبت محبوب اور محب کے درمیان ایک حجاب ہے تو جب مُحِبّ، محبّت میں فنا ہو جاتا ہے محبوب سے مل جاتا ہے۔ اسی طرح عشق بھی عاشق اور معشوق کے درمیان ایک حجاب ہے۔ اسی طرح معرفت ایک حجاب ہے۔ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا اکبر ذنبی مَعرِفتی اِیّاہ کہ میرے لیے سب سے بڑا گناہ میرا عرفان ہے۔ اسی طرح توحید حجاب ہے حسین منصور قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ توحیدٗ احدیّت کے جمال سے مُوحّد کا حجاب ہے۔ اسی طرح قرب حجاب ہے"۔ "اے غوثِ اعظم مُقرّبین قرب سے فریاد کرتے ہیں جس طرح مہجور، دوری سے۔ اسی طرح افعال اور صفات کا حجاب ہے"۔ قوت القلوب سے منقول ہے کہ ذات کا حجاب صفات سے، اور صفات کا حجاب افعال سے ہوتا ہے۔ مرصاد میں ہے کہ زمان اور مکان بھی حجاب ہے اور جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے تو زمانۂ گذشتہ میں جو کچھ ہو گزرا اور آئندہ زمانہ میں جو پیش آنے والا ہے فوراً معلوم ہو جاتا ہے اور پھر ماضی و مستقبل باقی نہیں رہتا اور لیس عند ربک صباحٌ ولا مساءٌ

(تمہارے رب کے نزدیک نہ صبح ہے نہ شام) کا راز عزت کے نقاب سے باہر آجاتا ہے اور یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ الآیہ۔ (اے جن وانس کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تو نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے) اپنا جمال دکھاتی ہے۔ حسین بن منصور سے منقول ہے کہ غائب' اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے حقائق کا کیوں کر جواب دے سکتا ہے لہٰذا یہاں مخاطب اور مجیب کا فرق بہت دشوار ہے۔

ہم خود الستُ گوید وہم خود بلیٰ کند

وہ خود ہی الستُ فرماتا ہے اور خود ہی بلیٰ۔

یہ احوال اور مقامات، سب ذکر کے نتیجے ہیں۔ جب سالک ہدایت کی بدولت یہاں تک پہنچتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اُسے پھر اس عالمِ مجاز کی جانب واپس لوٹنا ہو تاکہ وہ مخلوق کو فائدہ پہنچائے اور رہنمائی کرے۔ مگر یہ عالم اس کی نظروں میں سایہ کی مانند رہتا ہے۔ وہ شفقت اور رحمت کی نظر سے مخلوق کی جانب دیکھتا ہے اس لیے کہ وہ اس جمال سے محروم ہیں۔ اُسے مخلوق کے اس عالم مجازی پر قناعت کر لینے سے تعجب ہوتا ہے۔ جو سایہ کی مانند ہے اور ان کے اس عالمِ دنیا پر فریفتہ ہونے سے بھی اُسے حیرت ہوتی ہے۔ بظاہر وہ مخلوق میں موجود ہوتا ہے مگر دل سے غائب۔ یہی کینونیت اور بینونیت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صاحب کشف الاسرار قدس سرہٗ نے فرمایا کہ درویشوں کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہے اور اُن کا باطن اسماء اور صفات کے شہود ہیں۔ اور درحقیقت یہ ماوراء النہر کے درویشوں کا طریقہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ملک حسین والی ہرات نے حضرت قطب الاقطاب خواجہ

بہاء الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ سے پوچھا کہ آپ کے طریقے کا مبنیٰ کیا ہے؟ فرمایا کہ جلوت میں خلوت (انجمن میں تنہائی)

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
این چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

اندر سے آشنا اور بیگانوں کی طرح رہ۔ ایسی لائق روش دنیا میں کم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ۔ کشف الاسرار میں اس آیت کے تحت میں فرمایا کہ جب تم مردانِ خدا کے ظاہر کو دیکھو گے تو انہیں میدانِ عمل میں جلوہ گر پاؤ گے لیکن جب تم ان کے اسرار سے واقف ہو گے تو تمام عبادتوں سے فارغ نظر آئیں گے۔ وہ باطن میں مست اور ظاہر میں ہوشیار، حقیقتہً سب سے آنکھیں بند، اور ظاہراً بیدار ہیں۔

ظاہرے با ایں و آں در ساختہ
باطنے از جملہ وا پرداختہ

ظاہر میں ایں و آں سے ملتے جلتے اور باطن میں سب سے سمٹے ہوئے اور دور۔ قولِ خداوندی ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ دیکھو گے تم پہاڑوں کو کہ اپنی جگہ خاموش ہیں اور حقیقتہً وہ بادل کی طرح چلتے ہیں"۔ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ رسومِ خلق کی سرحدوں پہ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں مگر مخلوق ان کے باطن کی پروازوں سے کہ ایک پل میں ہزار عالم طے کر لیتے ہیں۔ غافل ہے۔

سلاطینِ عزلت، گدایانِ حیّ
منازل شناسان و گم کردہ پی

خلوتوں کے سلاطین، حیّ و قیوم کے گدا ہیں کہ اپنی منزل سے آشنا ہیں اور نشانِ راہ بھولے ہوئے

انہیں میں صدق اخلاص اور آداب ہیں۔ مبتدی مرید کو چاہیئے کہ نیت خالص رکھے۔ امام سالم بن عبد اللہ نے عمر بن عبد العزیز قدس سرہم کو لکھا کہ اے عمر جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کی نیت کے مطابق ہے

تو جس کی نیت تمام ہے اللہ کی مدد بھی اس کے لیے تام ہے اور جس کی نیت میں فتور ہے اللہ کی مدد بھی اس کے لیے اتنی ہی کم ہے۔ مرید کو حسن نیت کا عالم بھی ہونا چاہیئے۔ اگر حسنِ نیت سے واقف نہ ہو تو اہل نیت کی صحبت اختیار کرے تاکہ وہ اسے حسنِ نیت سے واقف کریں۔ نیز یہ کہ وہ بری عادتوں سے دُور رہے اور بُری عادتوں میں سے دنیا طلبی بھی ہے کہ جس نے دنیا طلب کی اس سے آخرت فوت ہوئی اور جو آخرت کا طلب گار ہوا اس سے مولے عزّوجل چھوٹا اور جس نے طلب مولیٰ کو اپنا مقصودِ کُل بنایا اس کی دنیا بھی ہے اور آخرت بھی۔

صدق کی کمی کا باعث، مخلوق کی طرف آنا جانا ہے۔

لقاءُ الناسِ لیس یفید شیئًا　　سِوَی الهذیان مِن قیلٍ وقالٍ

فلا تصحب مع الانسان الا　　لاجل العلم او اصلاحِ حالٍ

لوگوں سے ملاقات کے لیے آنا جانا، کچھ مفید مطلب نہیں۔ محض فضول بکواس اور ناحق قیل و قال ہے۔ تو کسی انسان کی صحبت، مت اختیار کرو مگر حصولِ علم یا اصلاحِ حال کے لیے قطب عالم شیخ میننا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اعمالِ صالحہ اور صلاحِ احوال آدمی کو جنت میں لے جاتے اور آدابِ خدائے بہشت تک پہنچاتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ رب عزّوجل نے فرمایا۔ کہ "جب بندہ اپنی خواہشات کو میری طاعت پر مقدم رکھتا ہے تو کم از کم معاملہ اس سے یہ کرتا ہوں کہ اس کو اپنی مناجات کی لذتوں سے محروم کر دیتا ہوں۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حد ہے جو نافرمانیوں سے ملی ہوئی ہے۔ جب بندہ (نافرمانی کی) اس حد پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یعقوب علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ جانتے ہو میں نے تمہارے فرزند کو تم سے کیوں علیحدہ کر دیا۔ تم سے ایک لغزش صادر ہوئی اور وہ یہ کہ تم نے ان کے بھائیوں

سے کہا تھا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون ط۔
"میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم غافل رہو"۔ تم نے انکے بھائیوں کی غفلت پر نگاہ کیوں ڈالی ہماری حفاظت پر نظر کیوں نہ رکھی"۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ واذکرنی عند ربک (اپنے آقا کے روبرو میرا ذکر کر دینا)۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس بنا پر کہ ہماری غیر کی جانب توجہ کی ان پر عتاب فرمایا اور آپ سات سال قیدخانہ میں رہے۔

اے عزیز اس بیان سے مقصود، تجھے عبرت دلانا اور صاحب بصیرت بنانا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ گناہ سے باز رہے اور ہمیشہ صدق و ادب کو اختیار کرے۔ خصوصاً وہ شخص جو محبت کا دم بھرتا ہے اس لیے کہ گناہ میں ملوث ہونے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی طلب اور محبت محال ہے۔ احمد غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر آج ایمان نے تجھے گناہوں سے باز نہ رکھا تو کل دوزخ کی آگ سے کیسے بچا سکے گا۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "جو شخص مستحبات کے ادا کرنے میں سستی کرتا ہے، سنت سے محرومی کا اسے عقاب دیا جاتا ہے اور جو شخص سنتوں کی ادائیگی میں کاہلی برتتا ہے اسے فرضوں سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے اور جو فرضوں کی ادائیگی میں تن آسانی دکھاتا ہے اسے معرفت سے محرومی کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

شرم نداری کہ گناہ می کنی — نامہ خود را سیاہ می کنی
سگ نہ کند، در صف بیگانگاں — آنچہ تو در حضرت شہ می کنی

کیا تجھے اس بات پر شرم نہیں آتی کہ تو گناہوں میں مصروف رہتا اور اپنے اعمال نامہ کو سیاہ کرتا ہے۔ کتا بھی غیروں کے سامنے اس کی جرأت نہیں کرتا جو تو بادشاہ کے روبرو، کرتا رہتا ہے۔ خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے وظیفہ سے فارغ ہو کر محراب کی جانب

ذرا پاؤں پھیلا دے فوراً آواز سُنی کہ "اے سری کیا بادشاہوں کے دربار میں اسی طرح بیٹھتے ہیں"۔ میں نے فوراً پاؤں سمیٹ لیے اور کہا کہ تیری عزت کی قسم اب تمام عمر پاؤں نہ پھیلاؤں گا"۔ کہتے ہیں کہ خواجہ جُنید قدس سرہٗ نے تیس سال تک شب و روز کے کسی لمحہ میں اپنے پاؤں نہ پھیلائے۔ تمام امور کا دارومدار آدمی کے حوصلہ پر ہے جو عالی ہمت اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں، اُن کے افعال و آداب بھی انہیں کے مطابق ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کی اخلاص کی تین نشانیاں ہیں اوّل اپنی تعریف و خدمت کو برابر جانے۔ دوم عمل کے وقت اپنے اعمال پر نظر نہ ڈالے۔ سوم عبادت اور بندگی میں ثواب کا منتظر نہ ہو بیٹھے۔ کہ بندگی میں عوض کا لالچ اور عبادت میں اجر و ثواب پر نظر زہر قاتل ہے۔ اگر ہزار سال تم اس بارگاہ میں رہو اور دنیا بھر میں جتنی طاعت اور عبادت ہے تم تنہا بجالاؤ۔ اس کے بعد تم سے خطاب فرمائیں کہ تم حقِ عبادت ادا نہ کر سکے تو سمجھ لو کہ تمہاری تمام عبادت کا حق تمہیں دے دیا۔

اے عزیز جس شخص نے خود کو شہنشاہِ امر و نہی کے حکم کے مقابل بے قدری کی ترازو میں نہ تولا۔ اس سے عبادت کما حقہ ادا نہیں ہو سکتی۔ بندگانِ دین کا ارشاد ہے کہ ان عزیزوں کی روحیں نجاست گھروں کے کتوں کے سامنے لائی گئیں تو کسی نے ان کی جانب آنکھ نہ اٹھائی۔ اہلِ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو فرعون سے ذرّہ برابر اچھا جانے وہ فرعون سے زیادہ بدتر ہے۔

چند پُرسی کہ بندگی چہ بود بندگی جز فگندگی چہ بود

تم کیا پوچھتے ہو کہ بندگی کیا ہوتی ہے؟ بندگی سوائے ذلیل بن کر پڑے رہنے کے کچھ اور نہیں۔ نقل ہے کہ مخدوم شیخ سعد قدس سرہٗ کی خانقاہ میں ایک غلام بچّہ تھا جس کا نام صفیا تھا۔ اُسے جس وقت کوئی پکارتا اور بلاتا تو حضرت

مخدوم شیخ صفی قدس سرہٗ خود جواب دیتے اور جا کر پوچھتے کہ کیا کہتے ہو۔" آپ کے خیال شریف میں کبھی بھی یہ بات نہ آئی کہ آپ کو کوئی صفیا کیوں کر کہے گا۔

ہر کہ در خود دید در دے کس نہ دید　　　مرد از خود رستہ را حق برگزید

جو شخص اپنی کوتاہ عملی پر نگاہ رکھے اور کسی اور پر نظر نہ ڈالے، وہ مرد خود آگاہ اور خدا پسندیدہ ہے۔

سہل تستری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اس معاملہ میں جہاں تک نگاہ دوڑائی، ہوشیار مندی سے زیادہ قریب کوئی اور راہ نہ پائی اور دعویٰ کرنے سے زیادہ کوئی مشکل نظر نہ آئی۔

رہ این ست سعدی کہ مردان راہ　　　بعزت نہ کردند در خود نگاہ

اے سعدی راہِ حق تو یہ ہے کہ مردانِ حق کبھی عزت کی نظروں سے خود کو نہیں دیکھتے۔

کہتے ہیں کہ شبلی قدس سرہٗ کو یہ خیال گزرا کہ مجھ سے یہ کام بن نہ پڑے گا۔ میں تو مردانِ خدا کے راستہ پر پڑ کر نکما ہو گیا۔ مجھ سے مردوں کا کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ میں نامردوں یعنی عام لوگوں میں چلتا ہوں اور جب تک مجھ سے مردوں یعنی بندگانِ خاص کا کام نہیں لیا جاتا انہیں میں رہوں گا۔ پھر آپ نے اپنی داڑھی مونچھ تراشی۔ مخنثوں کا لباس پہنا اور مخنثوں میں چلے گئے۔ پندرہ روز اور بقولِ بعض بیس روز گزرے تو ہاتف نے آواز دی کہ اے شبلی جسے اللہ تعالیٰ نے مرد بنایا ہے وہ نامرد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی تو مردوں کا کام ہے کہ کارگار مردین کر رہیں اور خود کو ناکارہ جانیں۔ شبلی نے اپنا سر سجدہ میں رکھا، یہاں تک کہ کچھ دیر بعد پھر غیب سے آواز آئی کہ سر اٹھاؤ اور ایسا اچھا چہرہ اتنی دیر خاک میں نہ رکھو یہاں غیرت آتی ہے۔"

تو خود را مبیں گر توانی شنید　　　کہ در ہر دو عالم ترا کس نہ دید

خود نمائی میں مبتلا مت ہو۔ اگر تو سن سکتا ہے تو سمجھ لے کہ عالم میں تجھے

کسی نے نہ دیکھا - (پھر خود نمائی کا کیا حاصل)

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مرد کو چاہیئے کہ برسہا برس تک راہِ اخلاص پر چلتا رہے - اخلاص وہ کیمیا ہے کہ جو اس کی عادت ڈالتا ہے بیش قیمت گوہر ہو جاتا ہے اور جسے اخلاص عطا فرماتے ہیں اُسے گویا سب کچھ دے دیتے ہیں - خواجہ سری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز نفل جو تم خلوص کے ساتھ تنہائی میں ادا کرو یہ اس سے اچھا ہے کہ تم ستر یا سات سو حدیثیں اعلیٰ سندوں کے ساتھ لکھو - اے برادر تیرے لیے خود بینی و خود نمائی دو جال ہیں - اور میری یہ ایک بات ہزار نصیحتوں سے بڑھ کر ہے کہ جس نے ان دو جالوں سے نجات پائی اس نے بخدا اخلاص کی حقیقت پالی - مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ سے منقول ہے کہ ابومسلم فارس نے فرمایا کہ میں خود کو مجاہدہ و ریاضت میں ناتوان و ضعیف محسوس کرتا تھا - میں نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کی زیارت کی نیت کی - وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک تخت پہ مسند کے سہارے مصری پشمینہ اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے ہیں - میرے دل میں ان کی جانب سے ایک اچنبھا پیدا ہوا کہ یہ کیسے درویش ہیں - ہم تو اُس مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہیں اور یہ اس آرام و راحت میں - آپ اس خیال پہ مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ اے ابومسلم تم نے کون سی کتاب میں پڑھا ہے کہ "خود پسندی اور خود نمائی درویشی کا شیوہ ہے - ہم نے سب کچھ حق کے نام پر دے ڈالا تو ہمیں عزت کے تخت پہ بٹھایا گیا - اور تم نے اپنے نفس کو دیکھا تو تخت کے سامنے ہی چھوڑ دیا گیا - ہمارا حصّہ مشاہدہ ہے اور تمہارا حصّہ مجاہدہ" - ابومسلم فرماتے ہیں کہ دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہو گئی اور میرا بھرم کھل گیا - جب مجھے ہوش آیا تو میں نے معذرت کی اور آپ نے میری معذرت کو قبول فرمایا -

ابوبکر زقاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مخلص کے اخلاص میں کمی یہ ہے

کہ اس کی نظر اپنے اخلاص پر رہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے خلوص کو خالص فرمانا چاہتا ہے تو اس سے یہ چیز گرا دیتا ہے کہ وہ اپنے اخلاص کو دیکھے۔

تا مرد بہ تیغ عشق بے سر نشود — در مذہب عاشقاں مطہر نشود

ہم عشق طلب کنی و ہم سر خواہی — آرے خواہی و میسر نہ شود

مرد جب تک عشق کی تلوار سے بے سر نہیں ہوتا عاشقوں کے مذہب میں پاک نہیں مانا جاتا۔ "تم عشق بھی کرتے ہو اور سر کی بھی طلب ہے۔ ہاں ہاں تم مانگتے تو ہو مگر وہ مل نہیں سکتا۔" بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم تخم ہے۔ عمل کاشت اور اخلاص اس کا پانی۔ محمد بن الفضل قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بد قسمتی کی تین نشانیاں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ علمِ دین دیں مگر عمل سے محروم کر دیں۔ دوسرے یہ کہ عمل کی توفیق تو دیں مگر اخلاص نہ دیں۔ تیسرے یہ کہ اچھوں کی صحبت تو اُسے میسر ہو مگر خدمت اور صدق سے محروم رہے۔

لہٰذا مرید مبتدی کو چاہیئے کہ اپنی ذات کو احکامِ شیخ کے سپرد کر دے۔ خواجہ ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب مرید آداب سے باہر ہو جاتا ہے تو جہاں سے چلا تھا وہیں لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ترقی کا سبب ادب تھا اور جب سبب نہ رہا تو یقیناً وہ واپس پلٹے گا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ شیخ کے حقوق، پیغمبر کے حقوق کی مانند ہیں اور ماں باپ کے حقوق سے زیادہ۔ فوائد السالکین میں ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حضرت مخدوم شیخ یوسف چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص بیعت کے ارادے سے آیا۔ خواجہ کے قدموں پر اپنا سر رکھا اور عرض کیا کہ بیعت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ خواجہ پر کیفیت طاری تھی فرمایا کہ اگر تم کہو کہ "لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ" تو میں تمہیں مرید کر لوں۔ چونکہ وہ شخص دُھن کا پکا اور سچا تھا اس نے فوراً اقرار کر لیا۔ خواجہ نے بیعت کے لیے اُسے اپنا ہاتھ دیا اور اُسے بیعت کر لیا۔ پھر فرمایا کہ سنو کہ میں کون ہوں

اور کیا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار کے کمینے غلاموں میں سے ایک ہوں۔ کلمہ وہی ہے مگر میں نے تیرے کمال اور اعتقاد اور صدق کو آزمایا تھا۔"
لہٰذا پیر کے ساتھ صدق یہی ہے کہ ظاہر اور باطن کی کسی حالت پہ ذرہ برابر اعتراض نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ حقیقی جدائی کا سبب ہے۔ جہاں تک بن پڑے اُس کی صحبت و خدمت کی برکت سے کچھ نعمت حاصل کرے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پہ اعتراض کیا تو ھٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (یہ ہے ہم میں اور تم میں جدائی) سُنا۔

نقل ہے کہ خواجہ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے شیخ کے روبرو ایک خواب بیان کیا کہ آپ خواب میں کچھ فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے منہ کیوں پھیرے ہوئے ہیں"۔ فرمایا کہ اگر "کیوں" کے لیے تمہارے دل میں جگہ باقی نہ رہی ہوتی تو خواب میں تمہاری زبان پہ "کیوں" جاری نہ ہوتا"۔ لہٰذا پیر کے ساتھ صدق اور ادب، مرید کی دائمی خصلت ہونی چاہیے کہ اس راستہ کے طے کرنے کی بنیاد ہی صدق پر ہے۔ مخدوم ملت شیخ سعد الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر مرید ابتدائی دور میں ان چیزوں کی طرف رغبت کرے جو اس کا نفس چاہتا ہے وہ ہرگز کامیابی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور پیر کو جن باتوں کی شرعاً رخصت ہے مرید اُن کا اتباع نہ کرے کہ ابھی اس میں نفس کا اثر باقی ہے اور رخصت میں نفس کا لحاظ رکھا ہی جاتا ہے۔ اَسَاسُ الْكُفْرِ قِيَامُكَ عَلٰى مُرَادِ نَفْسِكَ۔ یعنی یہ کفر کی بنیاد ہے کہ آدمی اپنی خواہشات پر قائم رہے۔

اے عزیز وہ معمولی گناہ جو تیری نظر میں نہیں کھٹکتا، حقیقت کی ترازو میں کوہِ قاف سے چند گنا بڑا ہوتا ہے کہ "مسلمان اپنے معمولی گناہ کو ایک پہاڑ کی طرح جانتا ہے جو اس پہ گرا پڑتا ہے اور منافق اسے مکھی کی طرح یقین کرتا ہے جو اس سے اڑ جائے گی"۔ اور یہ ہرگز گمان نہیں کرتا کہ اس معمولی سے گناہ سے ہمارے دین کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بال جو تمہاری آنکھ میں پڑ جاتا ہے

وہ تمہارا قرار چھین لیتا ہے، تو دین کی آنکھ تو بہت نازک ہے تمہاری اس آنکھ کے مقابل، پھر وہ بال کی تاب کہاں لا سکتی ہے۔ (حدیث شریف میں فرمایا) شرک میری امت میں اس چیونٹی سے بھی کم رفتار ہے جو اندھیری رات میں کالے پتھر پر چلے"۔ (ارے غافل) وہ شرک جو بال سے زیادہ باریک ہے تیرے دین کی آنکھ میں آپڑا ہے۔ تیرے دین کی آنکھ بے قرار ہے اگر تجھے اس کا ہوش اب بھی نہیں تو سمجھ لے کہ تو مردہ ہو چکا اور تو نے اپنے بدن کے چوپایہ کو غفلت کی نیند کے سپرد کر دیا ہے۔ اب ایمان کے آئینہ میں دیکھ کہ وہ آئینہ بھی پیارا ہے۔ اگر تو نے اس بال کو دین کی آنکھ سے نہ نکالا تو تیری آنکھیں جاتی رہیں گی۔ اس کے لیے سرمۂ اخلاص کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس بیمار آنکھ کو صحت بخشے۔

ہاں ہاں اے برادرِ عزیز! یہ نفس ایک کالا کتا ہے جو تیرے در کا پالا ہوا ہے۔ اپنا منہ ہمیشہ تیرے دل کی چوکھٹ پر جھکائے (بصورت مسکین پڑا) رہتا ہے تو اسے ہر روز ٹکڑا ڈال کر پرورش کرتا رہتا ہے۔ مگر (یاد رکھ) یہ تجھے کھا جائے گا اور تجھے خبر بھی نہ ہوگی۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس گروہ صوفیاء کو نذرانہ قبول کرنا صرف اُس وقت جائز ہے کہ نفس کی خواہش اور کھانے پینے اور پہننے کی آرزو سے بالکل باہر ہو جائیں۔ اور خلوص کے مقام تک جو بہت زیادہ نازک مقام ہے ترقی کر کے پہنچ چکے ہوں۔ بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ بندہ شیطان سے اُس وقت تک چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا جب تک مخلص نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ "مگر تیرے پُرخلوص بندے"۔

نقل ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک عابد تھا اُسے خبر ملی کہ فلاں بیابان میں ایک درخت ہے جسے لوگ بطورِ خدائی پوجتے ہیں اُسے غصہ آیا اور تبر ہاتھ میں لے کر اس پیڑ کے کاٹنے کے ارادہ سے چلا۔ شیطان ایک بزرگ کی صورت میں اُس کے سامنے آیا اور کہا کہ اپنی عبادت چھوڑ کر، کس بیہودگی میں پھنس گئے۔ فرمایا

کہ یہ بھی میری عبادت ہے۔ ابلیس نے کہا کہ میں تمہیں نہ چھوڑوں گا اور اُن سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ عابد نے اُسے زمین پر دے مارا اور سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑو اور ایک بات سنو۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ کام ساقط کر دیا ہے اور تم پر فرض نہیں کیا۔ اگر وہ ہے پیغمبروں سے فرمادے وہ کاٹ کر پھینک دیں گے۔ عابد نے کہا کہ میں تو بغیر کاٹے نہ رہوں گا۔ پھر لڑائی ہو گئی اور عابد نے اُسے پھر زمین پر پٹک دیا۔ آخر ابلیس نے عاجز آکر اس سے کہا کہ اُس چیز سے بھی کچھ رغبت رکھتے ہو جو تمہیں بہت زیادہ فائدہ پہنچائے؟ زاہد نے کہا اچھا وہ کیا چیز ہے؟ کہنے لگا کہ میں تمہیں ہر رات دو دینار دوں گا۔ انہیں اپنے بچوں بھائیوں اور فقیروں پر خرچ کرنا اور مسلمانوں کو بھی صدقہ دینا۔ یہ تمہیں اس پیڑ کے کاٹنے سے زیادہ مفید ہے۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا پیڑ لگالیں"۔ زاہد سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ میں پیغمبر ہوں نہیں اور خدائے تعالےٰ نے مجھے اس کا حکم دیا نہیں ہے کہ نہ ماننے پر گنہگار ہوں اور یہ بزرگ جو کچھ کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کا بھلا زیادہ ہے۔ غرض وہ عابد لوٹ آیا اور تین روز تک اپنے سرہانے دو دینار پاتا رہا۔ چوتھے روز کچھ نہ دیکھا تو غصہ آیا اور کلہاڑی ہاتھ میں لی۔ ابلیس پھر اُلجھ پڑا اور عابد کو زمین پر دے مارا اور اپنے پیروں سے کچل دیا۔ زاہد نے کہا کہ آج تو مجھ پر کیسے غالب آگیا۔ اس نے کہا کہ پہلی مرتبہ تجھے صرف خدا کے لیے غصہ آیا تھا لہٰذا اللہ تعالےٰ نے تجھے مجھ پر بازی دی اور اس مرتبہ صرف اپنے نفس اور دو دینار کے لیے غصّہ تھا لہٰذا میں تجھ پر غالب آگیا۔

انہیں میں سے ہے احسان، ایثار اور بُرائی کا بدلہ بھلائی سے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی اور وہ لوگ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں احتیاج ہو"۔ آیہ کریمہ کے اسبابِ نزول میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول

ہے کہ کچھ لوگ ایک بچہ بکری کا بُھنا ہوا کسی درویش صحابی کے لیے لائے انہوں نے وہ بچہ اپنے سے زیادہ حاجت مند کو بھیج دیا۔ انہوں نے ایک اور درویش کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اسی طرح وہ بچہ یکے بعد دیگرے نو صحابہ تک پہنچا۔ یہ آیت انہیں دل کے تواگر درویشوں کی شان میں نازل ہوئی۔

ایثار یہ ہے کہ آدمی خود کسی چیز کا حاجت مند ہو اور دوسرے کو اس کا حق دار جانے لہٰذا اپنے صرف میں نہ لائے اور اس دوسرے کو دے ڈالے۔

کریم کامل آنرا می شناسم اندریں دوراں
کہ گر نانے رسد از آسیائے چرخ گردانش
ز استغنائے ہمت باوجود فقر و بے برگی
ز خود واگیرد و سازد فدائے بے نوایانش

میں اس زمانہ میں پورا سخی اسے سمجھتا ہوں کہ اگر اسے گردش دوراں کی چکی سے ایک روٹی میسر ہو تو فقیری اور محتاجی کے باوجود، دلی استغناء و بے نیازی کے بموجب، خود کو اس کے لینے سے باز رکھے اور اُسے دوسرے محتاجوں کو دے دے۔ حضرت حذیفہ عَدَوِی رضی اللہ عنہ سے حکایت ہے وہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا۔ میرے پاس کچھ تھوڑا سا پانی تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس میں ایک آدھ سانس بھی ہوئی تو میں اسے یہ پانی پلا دوں گا۔ اچانک میں ان تک پہنچ گیا اور میں نے کہا کہ کیا پانی پلاؤں۔ اشارہ سے کہا کہ "ہاں"۔ اتنے میں ایک آدمی کے کراہنے کی آواز آئی تو میرے چچازاد بھائی نے کہا کہ یہ پانی وہاں لے جاؤ۔ میں وہاں پہنچا تو وہ ہشام نکلے۔ میں نے کہا کہ پانی لاؤں؟ کہ اتنے میں ہشام نے ایک اور شخص کے کراہنے کی آواز سنی تو بولے کہ یہ پانی اس کے پاس لے جاؤ۔ میں جب ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ میں ہشام کی کی جانب لوٹا تو وہ بھی دارِ فانی سے کوچ فرما چکے تھے۔ پھر میں اپنے چچازاد بھائی

کی جانب لوٹا، دیکھا تو وہ بھی وفات پا چکے تھے۔

حضرت حسن قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ احسان یہ ہے کہ تم سب کو دو بخشش میں کسی کو خاص نہ کرو۔ جیسے سورج، ہوا اور بارش۔ حضرت سفیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ احسان یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ بدی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ حسن سلوک محسن کی تجارت ہے جیسے بازار کی نقدی کہ اس ہاتھ لو اس ہاتھ دو۔

نقل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا تو فرمایا کہ تیرا سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں کون ہے؟ اس نے کہا کہ کنجوس مسلمان۔ اس لیے کہ اس کی عبادت اور بندگی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہرگز قبول نہیں۔ اس کے بعد پوچھا کہ لوگوں میں تیرا سب سے بڑا دشمن کون سا ہے؟ اس نے کہا کہ نافرمان سخی۔ اس لیے کہ سخاوت کی وجہ سے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نقل ہے کہ ایک شخص پہ بہت قرض تھا۔ وہ اپنے ایک مالدار دوست کے پاس گیا اور اس سے اپنا حال بیان کیا۔ اس دوست نے اس کے قرضہ کے مطابق اسے روپیہ دے دیا اور پھر رونے لگا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے اس نے کہا کہ دوستوں کی جانب سے اپنی غفلت اور ان کی خبر گیری سے اپنی سستی پر روتا ہوں کہ وہ خود میرے پاس آتے اور اپنی ضرورتیں مجھ سے بیان کرتے ہیں۔

آبروئے دوستاں و عزت یاراں بجوئی ۔۔۔ از متاع و مال حق، حق نگہداراں بجوئی
پیش ازاں کت عرض حال خود کنند از عاجزی ۔۔۔ حال شاں دریاب و تسکین دل افگاراں بجوئی

دوستوں کی عزت اور یاروں کی آبرو اپنی نگاہوں میں رکھو اور حق کے عطا فرمودہ ساز و سامان سے اُن کی دلجوئی کرو جن کی نگاہیں تم پر لگی ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ وہ لوگ عاجز آ کر اپنا حال تم سے بیان کریں۔ ان کی حالتوں کا اندازہ لگاؤ اور شکستہ حالوں کی تسکین کا سامان مہیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیہ کریمہ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ کی تفسیر پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا کہ تم اس سے صلہ رحمی کرو جو تم سے کٹے۔ اُسے دو جو تمہیں محروم رکھے اور اُسے معاف کردو جو تم پہ ظلم کرے۔

سخا بہر جزا کردن ریا خوار یست در ہمت
کہ یک بدہی وانگہ دہ جزا خواہی زیزدانش

سخاوت کسی عوض کی نیت سے کرنا، نیت کی ریاکاری ہے تو ایک دے اور اس کے خدا سے اس کے بدلے میں دس کا طلب گار ہو۔ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک طپانچہ مار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بھی تجھے طپانچہ مار سکتا ہوں لیکن نہیں مارتا۔ اور میں اس پر بھی قادر ہوں کہ خلیفہ کے روبرو تیری شکایت کروں مگر میں نہیں کرتا۔ مجھے اس پر بھی قدرت ہے کہ صبح کے وقت خدائے قدوس کے دربار میں فریاد کروں لیکن میں فریاد بھی نہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی آسان ہے کہ قیامت میں مقابلہ کی کمر باندھوں اور تجھ سے اپنا انصاف چاہوں۔ مگر یہ بھی نہ کروں گا۔ بلکہ کل جب میری بخشش ہوئی اور میری سفارش قبول کی گئی تو بغیر تیرے جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔

بدی را بدی سہل باشد جزا　　اگر مردی اَحسن الیٰ من اَساءَ

بدی کا بدلہ بدی بہت آسان ہے اور اگر مرد ہو تو برائی کرنے والوں کے ساتھ بھی احسان کرو۔

تیسیر میں ہے کہ ایک روز امیر المومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما چند مہمانوں کے ساتھ ایک دستر خوان پہ بیٹھے تھے۔ آپ کا ایک خادم ایک برتن میں گرم شوربہ لایا اور بہت زیادہ ہیبت کی وجہ سے اس کا قدم چھونے کے کنارے سے پھسل گیا۔ اور وہ پیالہ شہزادہ کے سر مبارک پہ گرا اور شوربہ آپ کے رخسارے پر بہنے لگا۔ حضرت امیر المومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بہ نیت سزا نہیں،

بلکہ صرف بہ ارادۂ تنبیہہ اس کی طرف دیکھا۔ خادم کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوا۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (غصہ کو پی جانے والے) امیر زادہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا غصہ ختم کیا۔ خادم نے کہا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں سے درگزر کرنے والے) امیر زادہ نے فرمایا کہ میں نے درگذر کیا۔ خادم نے کہا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (اللہ نیکوکار بندوں کو اپنا دوست رکھتا ہے) تو امیر زادہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے مال سے تجھے آزاد کیا۔

بدی را مکافات کردن بدی — بہ اہل صورت بود بخردی
بمعنی کسانیکہ پی بردہ اند — بدی دیدہ و نیکوئی کردہ اند

برائی کا بدلہ برائی اہل ظاہر کے نزدیک اگرچہ دانائی میں شمار ہو لیکن اہل باطن سے تعلق رکھنے والے بدی پاکر نیکی کرتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک روز امیرالمومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما چار سو صحابہ کے ساتھ اس شان سے باہر تشریف لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک سر پر تھی اور مولیٰ علی کی ذوالفقار کمر میں لٹک رہی تھی اور اس ہجوم میں ایسے نمایاں تھے جیسے تاروں میں چاند روشن ہو۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ صحابہ نے کہا امیرالمومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ پھر اس اعرابی نے آپ سے عرض کیا کہ کیا تم ابوطالب کے پوتے ہو فرمایا "ہاں" کہنے لگا کہ تمہارے باپ بڑے خون ریز اور فتنہ انگیز آدمی تھے"۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے مارنے اور ادب سکھانے کا ارادہ کیا۔ حضور نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر اس سے پوچھا کہ اے وجیہہ عرب ہم تجھے بڑا تنگدل اور غصہ ور دیکھتے ہیں۔ اگر بھوکے ہو تو تمہیں روٹی دیں۔ اگر جنگل کی خشکی کا کچھ اثر تم پر ہے تو ہم علاج کرا دیں۔ اگر قرضدار ہو تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں۔ اور اگر تمہاری بیوی تم سے لڑ بیٹھی ہے تو صلح کرا دیں اور اگر کوئی اور کام ہے تو کہو کہ ہم تمہاری مدد اور

اعانت کریں۔ اعرابی نے شرمندہ ہو کر آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ معافی مانگی اور چلا گیا۔ حضرت امیر نے صحابہ سے فرمایا کہ ہم بہت بلند اور بہت بڑے پہاڑ ہیں مخالف ہواؤں سے کب جھک سکتے ہیں۔

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ عارف کہ برنجید تنک آب است ہنوز

بڑا دریا ایک کالے پتھر سے کالا نہیں ہوتا۔ تو جو عارف رنجیدہ ہو جاتا ہے وہ ابھی تھوڑے پانی کی مانند ہے۔

نقل ہے کہ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پانچ مرتبہ زہر دیا گیا مگر کچھ اثر نہ ہوا مگر چھٹی مرتبہ ان کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے بھائی جس نے آپ کو زہر دیا ہے اسے جانتے بھی ہو؟ فرمایا ہاں جانتا ہوں۔ عرض کیا کہ پھر مجھے بتلا دیجئے کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو میں اس سے بدلہ لے سکوں اور اسے قصاص تک پہنچاؤں۔ فرمایا کہ اے بھائی کسی کے عیب کھولنا ہمارے خاندان کو زیبا نہیں اس لیے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی قسم کہ اگر وہ مجھے بخش دے اور جنت میں جانے کا حکم فرمائے تو میں جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اسے اپنے ساتھ نہ لے لوں۔

گوہری پاکیزہ اصل و جوہری عالی مقام
تاچہ احسانہا ست در طبعش بجائی انتقام
حلم و عفوش بر جفائی جافیاں سبقت برد
حسن خلقش در دو عالم رحمت ہر خاص و عام

وہ ایک پاکیزہ اصل گوہر اور عالی مقام جوہر ہیں۔ ان کی طبیعت میں احسان و حسن سلوک انتقام کی جگہ راسخ ہے۔ اُن کا حلم اور عفو کی عادت جفا کاروں کی جفا پر سبقت لے جاتی ہے اور ان کی اچھی عادتیں دونوں عالم میں ہر

خاص و عام کے لیے رحمت ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی کرامت اس کا دین، مروت اس کی عقل اور حسب اُس کا خلق ہے۔ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت چند اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر رہے تھے کہ سب سے اچھی وہ کیا چیز ہے جو بندہ کو عطا فرمائی گئی۔ فرمایا کہ حُسنِ خُلق۔ عکرمہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں دُرشت خو اور متکبر داخل نہ ہوں گے۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر اس گروہِ صوفیا پر کوئی ظلم کرتا ہے یا کوئی جو مال و متاع لے جاتا ہے تو یہ بددعا نہیں کرتے ورنہ توکل باطل ہو جائے اور آپ یہ نظم پڑھتے۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد او را یار باد — ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد

ہر کہ اندر راہِ ما خارے نہد از دشمنی — ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

کہ جو شخص ہمارا دوست نہیں اللہ تعالیٰ اسے اپنا دوست بنائے۔ جو ہمیں تکلیف پہنچاتا ہے ہمیشہ اس کی راحتیں بڑھتی رہیں۔ اور جو شخص دشمنی سے ہمارے راستہ میں کانٹے ڈالتا ہے اس کی عمر کا جو پھول کھلے بغیر کانٹے کے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ الآیۃ۔ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔ فصول میں ہے کہ جس طرح اسم رحمٰن حق سبحانہٗ کے ساتھ خاص ہے اسی طرح یہ بندے بھی اس کی بارگاہ قرب کے خاص بندے ہیں۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ خداوند رحمٰن کے بندے زمین پر انکساری و تواضع سے چلتے ہیں اور جب ناواقف و ناداں، اُن سے گستاخانہ کوئی بات کرتے ہیں تو اس انداز میں جواب دیتے ہیں کہ اُن احمقوں کے مجادلہ

و مکالمہ سے سلامت رہتے ہیں اور گالی کے بدلے دعا و سلام کہتے ہیں چنانچہ محقق رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اگر گویند زرّاقی و سالوس — بگو ہستم دو صد چنداں ومی رو

دگر از خشم دشنامے دہندت — دعا کن خوشدل و خنداں ومی رو

اگر لوگ کہیں کہ تو دروغ گو اور فریب کار ہے تو تو کہہ کہ ہاں بلکہ اس سے بھی دو صد زیادہ، پھر اپنی راہ لے۔ اور اگر وہ غصہ میں تجھے گالی دیں تو تو دعا دے اور خوش ہوتا اور ہنستا ہوا وہاں سے چل دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِھِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ ہم نے ان کے سینوں سے کینہ دور کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دلوں میں کینہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے جو ذاتِ الٰہی سے مالوف، اس کی محبت پر متفق اس کی مودّت پر مجتمع اور اس کے ذکر سے مانوس ہیں اس لیے کہ یہ قلوب نفسانی وسوسوں اور طبعی تاریکیوں سے پاک ہو چکے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں نورِ توفیق کا سرمہ ہے اور یہ سب بھائی بھائی ہیں۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم ادہم قدس سرہٗ ایک جنگل میں چلے جا رہے تھے کہ ایک سوار آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ آبادی کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا "قبرستان میں"۔ سوار کو غصہ آیا اور آپ کے سرِ مبارک پر ایک لکڑی ماری کہ وہ ٹوٹ گئی پھر آپ کو پکڑ کر شہر میں لایا۔ لوگوں نے کہا کہ اے بیوقوف یہ تو ابراہیم ادہم ہیں۔ وہ سوار گھوڑے سے اترا۔ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ مجھے معاف کر دیجیے فرمایا میں نے معاف کیا بلکہ تو نے جب میرے سر پر وہ لکڑی ماری تھی میں نے تجھے دعا دی تھی"۔ آپ کے اصحاب نے پوچھا کہ آپ نے دعا کیوں کی؟ فرمایا اس لیے کہ معاف کرنے سے اس کی بدولت مجھے ثواب ملا۔ لہٰذا میں

نے چاہا کہ اُس کی وجہ سے میرا حصّہ اچھا ہو اور میری وجہ سے اُس کا حصہ بُرا نہیں میں استقامت ہے اور یہ افعال اقوال اور احوال میں ظاہری اور باطنی طور پر موافقت و مساوات کا نام ہے اور راہِ طریقت میں استقامت سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ۔ استقامت کی ہمراہی کے بغیر منزلِ کمال تک پہنچنا ایک بیہودہ فکر اور محال خیال ہے ۔

پانچواں سنبلہ

خوف اور امید میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ٥ (اور بے شک تمہارا رب تو لوگوں کے ظلم پر بھی انہیں ایک طرح کی معافی دیتا ہے اور بے شک تمہارے رب کا عذاب سخت ہے) محققین کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیۂ کریمہ خوف و رجا کے دستور العمل کا دیباچہ ہے ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ہم بخشنے والے ہیں تاکہ لوگ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور ہم عذاب بھی فرماتے ہیں تاکہ اس کی ہیبت سے لوگ بے خوف نہ ہو جائیں ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر خدائے بزرگ کی بخشش نہ ہوتی تو کسی کو اپنا آرام گوارا نہ ہوتا ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا عقاب نہ ہوتا تو ہر شخص بخشش پر تکیہ کر کے عمل چھوڑ بیٹھتا ۔ اے عزیز! امید ایک لگام ہے جو بندے کو کھینچتی ہے اور خوف ایک کوڑا ہے جو اُسے آگے بڑھاتا ہے ۔ شاید تم کہہ بیٹھو کہ احادیث خوف و رجا کے فضائل میں بکثرت وارد ہیں ۔ تو ان دونوں میں افضل کیا ہے ؟ تو یوں سمجھو کہ یہ دونوں دوائیں ہیں اور دواؤں کو فضیلت والی نہیں کہا جاتا ہاں نفع بخش کہتے ہیں کہ ان کا نفع احوال و اشخاص کی جانب پلٹتا ہے ۔ اور اس کا جواب ہر حال میں، ہر شخص

کے حق میں یکساں نہیں ۔ آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوب جائے اور جتنا اس کی موت کا وقت قریب آتا جائے اس پر امید غالب ہوتی جائے اس لیے کہ یہ محبتِ الٰہی کو بڑھاتی ہے ۔ اگر مرد غفلت پسند ہو تو اس پر خوف کا غلبہ رہنا چاہیئے اس لیے کہ امید کا غلبہ اُس کے لیے زہرِ قاتل ہے ۔ اور اگر عبادت پسند ہے تو اس پر امید غالب ہونا چاہیئے ۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں خوف ہوتا ہے جرأت نہیں ہوتی اور جہاں امید ہوتی ہے وہاں فراغت نہیں پائی جاتی ۔ نہ دوستی میں ناراضگی ہوتی ہے نہ مشاہدہ میں غفلت پسندی ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ط بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ط فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ط يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ط (اُس نے دو سمندر بہائے (شیریں اور شور) کہ دیکھنے میں ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ہے اُن میں روک ۔ کہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں سکتا ۔ تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے ۔ ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے ۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں سمندر خوف و رجا ہیں یا تنگی، کشادگی یا اُنس و ہیبت ۔ برزخ قدرتِ بے علّت ہے ۔ لُؤْلُؤ (موتی) صاف ستھری حالتیں ہیں اور مرجان (مونگا) کامل عبادتیں ۔ صاحب کشفِ اسرار شرح میں فرماتے ہیں کہ خوف و رجا کا سمندر، عام مسلمانوں کے لیے ہے اور اس سے زہد اور پرہیزگاری کا گوہر پیدا ہوتا ہے ۔ اور قبض و بسط تنگی و کشادگی کا دریا خاص مسلمانوں کے لیے ہے اور اس سے فقر و وجد کا جوہر نمودار ہوتا ہے اور اُنس و ہیبت کا دریا انبیاء و صدیقین کے لیے ہے اور اس سے فنا (فی اللہ) کا گوہر ظاہر ہوتا ہے ۔

زقعر بحر فنا، گوہر بقا یابی ۔۔۔ وگرنہ غوطہ خوری ایں گہر کجا یابی

بحرِ فنا کی گہرائی سے تو بقا کا گوہر پا سکتا ہے ورنہ غوطے کھاتا رہ، یہ

گوہر تجھے کہاں میسر آسکتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی امت میں کوئی شخص بلا حساب جنت میں جائے گا؟ فرمایا وہ شخص جو اپنے گناہوں کو یاد کرتا اور روتا رہے"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس قطرہ آنسو سے زیادہ محبوب کوئی قطرہ نہیں جو خوفِ خدا کے باعث آنکھوں سے بہے"۔ اور اس قطرہ خون سے پیارا کوئی قطرہ نہیں جو کافروں سے جہاد کرنے میں گر جائے"۔ یحییٰ معاذ رازی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر مسکین آدمی دوزخ سے اتنا ہی ڈرتا جتنا ناداری سے تو وہ جنت میں پہنچتا"۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ کل قیامت میں سب سے زیادہ خوف سے مامون کون ہو گا؟ فرمایا وہ جو آج بہت زیادہ ڈرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ برسوں کھل کر نہ ہنسے اور ایسے رہے گویا کسی قیدی کو قتل کے لیے لاتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ علم کی اس فراوانی اور کثرتِ عبادات کے باوجود، کیوں جھکے جا رہے ہیں؟ فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ اس نے میرا وہ کام دیکھا ہو جو اسے پسند نہ ہو اور یہ فرما دے کہ ہم تم پر رحمت نہیں فرماتے۔

یاد رکھیں کہ اکثر بزرگانِ دین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو انہیں دیکھتا یہ خیال کرتا کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ رحمتِ خدا سے ناامید ہو گئے ہیں۔ اب مقام غور ہے کہ وہ خدا سے کیسے ڈرتے ہوں گے۔ اور شاید تو، اس لیے مامون ہے کہ ان کے گناہ زیادہ، اور اپنے کم سمجھتا ہے۔ یا اس کی وجہ تیری کوتاہ نظری ہے کہ انہیں معرفت زیادہ تھی اور تجھے نہیں۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی کہ الٰہی مجھے میرا اعمال نامہ دکھا"۔ جب انہیں نامۂ اعمال دکھایا گیا اور انہوں نے پڑھا تو کھانے

اور پانی کی جانب ہاتھ دراز نہ کیا بلکہ مروی ہے کہ آپ نے اللہ تعالےٰ سے شرم کے سبب اپنا سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا یہاں تک کہ وفات پائی۔ جب داؤد علیہ السلام سے وہ لغزش صادر ہوئی تو آپ کی خوش الحانی کی سعادت آپ سے سلب فرمالی گئی۔ سُنو سُنو یحییٰ بن کبیر کہتے ہیں کہ جب داؤد علیہ السلام چاہتے کہ اپنی اس لغزش پہ نوحہ کریں تو ایک ہفتہ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ پھر آپ کے حکم سے ایک منبر جنگل میں بچھایا جاتا اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے کہ وہ آواز دیں تاکہ آدمی، پری، وحشی جانور اور درندے جمع ہوں۔ جب یہ سب جمع ہو جاتے تو آپ منبر پر تشریف لے جاتے اور اپنی لغزش پر خود ہی نوحہ فرماتے۔ اے بے انصاف ایک نبی اور رسول تو اپنی ایک لغزش پر اس طرح نوحہ کریں تو کہ دن میں ہزاروں گناہ کرتا ہے، تجھے رات میں نیند کیوں کر آجاتی ہے۔

نخجشی با خوشی چہ کار ترا سینۂ مجرماں فگار بود
دم خوش ہیچ وقت بر نارد ہر کہ چوں تو گناہگار بود

اے نخجشی تجھے خوشی سے کیا کام کہ مجرموں کا سینہ تو زخموں سے چُور چُور رہتا ہے۔ ایک سانس بھی وہ شخص خوشی کا نہیں لیتا جو تجھ جیسا گناہگار ہوتا ہے۔

محمدؐ واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گناہ میں بدبو ہوتی تو میرے برابر کوئی شخص بیٹھ نہ سکتا۔ اے درویش اصحاب کہف کو کتے اور بلی سے تنبیہہ ہو جاتی ہے تو آدمی کو دیکھ کر بھی ہوش میں نہیں آتا۔ اسے کیسے درست کہہ سکتے ہیں۔

حکایت۔ خواجہ جنید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک مرید سے فرمایا کہ صبح کس حالت میں پائی؟ جواب دیا کہ "سلامتی اور خیریت سے"۔ خواجہ نے اس پر غضب فرمایا کہ اے بے خبر جنتیوں کی بات دنیا والے کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ارے جس کا ایک پاؤں جنت میں اور دوسرا اس سے باہر ہے اُسے بھی یہ بات

کہنا حرام ہے۔ تجھے جب کہ دنیا کے حضیض (سب سے نیچے درجے) سے بہشت کے اوج تک آخرت کی ہزاروں دشواریاں درپیش ہیں یہ بات کہنا کیوں روا ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوا کہ اے موسیٰ جب تک تم اپنے دونوں پاؤں جنت میں نہ دیکھ لو میری طرف سے بے خوف نہ ہو جانا۔

مخدوم شیخ نور قطب عالم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اپنے دوستوں اور مقرب بندوں کے لباس سے آراستہ فرمائے تاکہ وہ اپنے دور کی خوش حالی پہ پھول جائیں اور اس گمان میں رہیں کہ وہ اہل ولایت سے ہیں۔ حالانکہ یہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک ڈھیل ہے۔ لہٰذا وہ انہیں اس حال پہ نہ چھوڑے گا بلکہ انہیں ان حقیقتوں کی جانب لوٹا دے گا جنہیں وہ بخوبی جانتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں دوسروں کے مقابلہ میں عزت و وجاہت، ریاست اور قدر و منزلت کے لباس سے زیب و زینت مرحمت فرمائے۔ تاکہ وہ لوگ دوسروں کی مدح و ستائش پہ مغرور ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ ہم ان میں فضل والے ہیں حالانکہ یہ بھی خدائے برتر کی جانب ڈھیل ہے لہٰذا انہیں اس شان و شوکت میں نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ وہ انہیں ان حقیقتوں کی جانب لوٹا دے جن سے وہ خوب واقف ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مختلف علوم، زبان کی فصاحت دلوں کی کشادگی اور حکمت کی باریک بینی سے آراستہ کر دے پس وہ لوگ اپنے حسن بلاغت، کمال فہم اور نکتہ سنجی کے غرور میں مبتلا ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ وہ علم کی ہر حقیقت کے ماہر ہیں۔ جب کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی جانب سے ڈھیل ہے۔ وہ انہیں اس حال پہ نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ انہیں ان حقیقتوں کی جانب لوٹا دے جو اس کے علم ازلی میں ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نعمت کے لباس سے آراستہ کر دے۔ انواع

و اقسام کی نعمتوں میں وہ مستغرق رہیں - اپنے حسن کی جلوہ آرائیوں اور عیش و عشرت کی فراوانیوں کی بدولت کبر و نخوت میں پڑ جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی کچھ ہیں - حالانکہ یہ اُن کے لیے ڈھیل ہے - اور وہ انہیں اس حال میں نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ انہیں واپس فرما دے - ان حقیقتوں کی جانب جو اس پر ظاہر ہیں -

وہ خود ارشاد فرماتا ہے "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ" "یعنی انجام کار ہم انہیں درجہ بدرجہ ایسی جگہ سے کھینچیں گے جسے وہ نہیں جانتے" یہ وہ استدراج ہے کہ اس کی دہشت سے مریدوں کا عیش دنیا میں مکدر ہو گیا ان کے دلوں کی کدورت دائمی ہو گی - اُن کے چہرے زرد پڑ گئے - ان کے نفس پگھل گئے - دہشت نے ان کی عقلوں کو کھا لیا - ان کے دل پارہ پارہ اور اُن کے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے - اور وہ دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے - کہ اب اُن سے ملنے جلنے بھی نہیں - چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْمُؤْمِنُ لَا يَسْكُنُ اِضْطِرَابُهٗ وَلَا يَأْمَنُ رَوْعَتُهٗ حَتّٰى يَخْلِفَ جِسْرَ جَهَنَّمَ - "مسلمان کے اضطراب کو سکون نہیں ملتا اور اس کا دل بے خوف نہیں ہوتا جب تک وہ دوزخ کے پل سے نہ گزر جائے" - حضرت یحییٰ معاذ رازی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ البتہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو بعض چیزوں میں چھپا دیا ہے مگر خود کو اپنے حلم کے حجاب میں - اپنی گرفت کو اپنے لطف میں، اپنی مدد و نصرت کے ترک کو اپنی گوناگوں نعمتوں میں - اپنے خشم کو اپنے حسین پردوں میں اور استدراج کو اپنے علم یقینی میں مستور فرما دیا ہے - لہٰذا مرید کو چاہیئے کہ نیکوکاری میں بسر ہونے والے اپنے اوقات، اور منجانب اللہ حسن سلوک پر نازاں نہ ہو - تم بہت سے واعظوں کو ارادت پسندوں کے لباس میں پاؤ گے جب کہ حقیقتاً وہ راندۂ دربار خداوندی ہیں -

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دُشمن کو اپنی عصمت سے آراستہ فرما کر بظاہر اُسے معصوم صورت بنا دے حالانکہ وہ اس کے ازلی علم میں ملعون ہو چنانچہ اس نے بلعم کو اپنی وَلایت کے انوار سے آراستہ کیا حالانکہ وہ اُس کے نزدیک سزا پانے والوں میں تھا۔ اور قارون کو نعمتوں کے سمندر میں ڈبو دیا حالانکہ وہ اہلِ غضب میں تھا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے چار چیزیں تجھے غرور میں نہ ڈال دیں۔ اول تجھ پہ وہ نیک کام ظاہر کرنا جو تو نے نہیں کیے۔ دوسرے تجھ سے وہ تیرے بُرے کرتوت چھپا دینا جو تو نے کیے ہیں۔ تیسرے تجھے وہ چیزیں فراوانی سے عطا کرنا جن کا تو نے شکر ادا نہیں کیا۔ چوتھے تجھے وہ مرحمت فرمانا جس کی تو نے خواہش نہ کی۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ نعمتوں اور عصمتوں کے حجابات میں رہنے والو! مغرور نہ ہو جانا، اس لیے کہ اس پردہ کے ماوراء قِسم قِسم کی سزائیں ہیں۔ اپنی عمر کے لمحات کو عبادت میں مصروف پا کر، متکبر نہ بن جانا کہ ان پردوں میں بڑی آفتیں ہیں۔ اور اپنی عبودیت کی صفائی پہ گھمنڈ مت کرنا کہ اس میں ربوبیت کے حقوق کی فراموشی پنہاں ہے۔

ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کا استدراج جاہ اور منزلت کا طلب کرنا ہے۔ ارادت مندوں کا استدراج، عطیات اور کرامات کا تکنا ہے۔ عارفوں کا استدراج، ماسوی اللہ کی معرفت کے بعد، عرفانِ الٰہی سے بے نیاز ہو جانا ہے۔ شاید انہوں نے معرفت کی ایک حد و انتہا مقرر کر دی ہے اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ معرفت کو گھیرے ہوئے ہیں۔ غرض جس کا درجہ جتنا بلند و بالا ہوتا ہے۔ اس کا استدراج اتنا ہی دقیق و باریک تر ہے۔ عبداللہ مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بہت سے یاد کرنیوالے اُسے بھلا دینے والے ہیں۔ بہت سے ڈرنے والے اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنے والے ہیں۔ بہت سے تلاوت کرنے والے خدا کی آیتوں سے

منہ پھیرنے والے ہیں۔

ابو سعید خراز نے فرمایا کہ اگر تم نے دنیا ترک کر دی اور اس کے ترک پر غرور کرنے لگے تو یہ خود سب سے بڑی دنیا داری ہے دنیا ابھی تم سے نہیں چھوٹی۔ اگر تم نے نفس کے عیبوں کو چھوڑ دیا اور اس پر اترانے لگے تو یہ اترانا سب سے بڑا عیب ہے لہٰذا تم نے عیبوں کو نہ چھوڑا۔ اگر تم نے کوشش کی اور اسی میں اُلجھ کر رہ گئے تو یہ خود سب سے بڑا استدراج ہے لہٰذا تم نے کوئی کوشش نہ کی۔ اگر تم نے خوف کھایا اور اس وجہ سے بے خوف ہو گئے کہ میں ڈرتا ہوں تو یہ خوف بے خوفی سے کہیں بڑھ کر بُرا ہے۔ اگر تم توکل کرو اور اپنے اس توکل پر بھروسہ کر بیٹھو نہ کہ وکیل کل پر تو تم نے توکل نہ کیا اگر تم نے خدائے تعالیٰ کو اپنا محبوب بنا لیا پھر اس محبوب کے علاوہ کسی اور کو پسند کرنے لگے تو تم نے خدائے تعالیٰ کو محبوب نہ بنایا۔" پھر فرمایا قرب میں قرب پر نظر رکھنا' دوری ہی دوری ہے۔ اُنس میں انس کو دیکھنا سب سے بڑی وحشت ہے۔ ذکر میں ذکر پر نگاہ رکھنا سب سے بڑی بھول ہے اور معرفت میں معرفت پر نظر رکھنا سب سے بڑی غفلت ہے یحیٰی معاذ نے فرمایا وہ گناہ کہ جس کے سبب میں خدا کی جانب رجوع کروں اس عبادت سے بڑھ کر ہے جس پر میں ناز کروں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے لیے کوئی اچھی خواب دیکھے اور وہ بھی خدائے تعالیٰ کی جانب سے استدراج ہو چنانچہ حکایت ہے کہ ایک شخص شام سے حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر آیا اور عرض کیا کہ میں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ گویا آپ بہشتی ہیں"۔ آپ مجلس سے فوراً اُٹھ بیٹھے اور رونے لگے۔ پھر فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس خواب کی وجہ سے کسی (بڑے) کام کا ارادہ فرمائے"۔ لہٰذا اے عزیزو! تم اپنے اوقات کی آبادی اور احوال کی صفائی پر غرور کرنے سے بچو اس لیے

کہ برصیصا اور بلعم اپنے زمانے کے سب سے بڑے عبادت گزار اور سب سے زیادہ نیک اور پسندیدہ خصائل تھے لیکن جب انہوں نے نفسانی خواہش اور ہوس کی جانب نگاہ دوڑائی تو دنیا اور آخرت دونوں میں رُسوا ہو گئے۔ یونہی نیکوں اور عبادت گذاروں کی صحبت پر بھی غرور مت کرو اور نہ ان کی خدمت واطاعت گذاری پر۔ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو پیغمبروں کی صحبت نے کچھ فائدہ نہ بخشا۔

سبحان اللہ! مسکین بھولا بھالا آدمی آخرت کے احوال سے ایسا بے خبر و غافل ہے کہ اگر کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اُسے متنبہّ کیا جاتا ہے تو پھر اس پر غفلت چھا جاتی ہے۔ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ حضور نے مجھے کچھ نصیحتیں فرمائیں جن کے باعث دل پر رقت طاری ہوئی اور آنسو بہ نکلے اِس کے بعد میں گھر آیا گھر والے مجھ سے بات چیت کرنے لگے اور ہم دُنیا کی باتوں میں پڑ گئے کہ دفعتہً مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت یاد آئی۔ میں فریاد کرتا اور روتا پیٹتا باہر آیا اور میں کہتا تھا کہ ہائے حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سامنے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے "حنظلہ تم منافق نہیں ہوئے"۔ ہم اسی حالت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُے حنظلہ! اگر تم ہمیشہ اسی حال پہ رہو جیسا میرے روبرو، تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ کبھی ایسا ہوتا ہے کبھی ویسا"۔

امام احمد غزالی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ خوف ایمان کا قلعہ ہے اور امیدارادتمندوں کی سواری۔ لہٰذا اس شخص میں بہتری نہیں جسے تنبیہہ کی کی جائے اور وہ متنبہّ نہ ہو۔ ہاں ظن غالب اور اعتمادِ راجح یہی ہے کہ امید سے محبت بڑھنی اور خوف سے (نافرمانی پر) نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے

ہی موقعہ کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ خدائے تعالےٰ سے نیک گمان رکھتا ہو۔" نیز ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جیسا وہ مجھ سے رکھے۔" یحییٰ ابن اکثم رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھے حساب کے مقام پر کھڑا کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے شیخ تو نے یہ کیا تو نے یہ کیا یہاں تک کہ میرے دل میں بہت زیادہ خوف و ہراس پیدا ہوا تو میں نے عرض کیا کہ خدایا مجھے عبدالرزاق نے انہیں معمر نے انہیں زہری نے، انہیں انس نے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، انہیں جبریل علیہ السلام نے اور انہیں تو نے یہ خبر دی کہ میں بندہ سے وہی معاملہ کرتا ہوں جس کی وہ مجھ سے امید رکھتا ہے اور مجھے، تجھ سے یہ امید تھی کہ تو مجھ پر رحم فرمائے گا۔" اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا کہ جبریل نے، رسول اللہ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) انس نے، زہری نے، معمر اور عبدالرزاق نے ٹھیک خبر دی۔ جاہم نے تم پر رحم فرمایا پھر کرامت کا جوڑا پہنایا اس وقت مجھے وہ خوشی حاصل ہوئی کہ اس جیسی کبھی نہ دیکھی۔

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آیا اور عرض کیا کہ "مخلوق کے حساب کا کون متکفل ہو گا؟ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ"۔ عرض کیا کہ "کیا بنفس نفیس خود؟ فرمایا "ہاں"۔ یہ سن کر اعرابی ہنس پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کس وجہ سے ہنستا ہے اے اعرابی! عرض کیا کہ کریم جب قابو پاتا ہے تو معاف کرتا ہے اور جب حساب لیتا ہے تو چشم پوشی فرماتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم۔ اے بندے تجھے کس چیز نے اپنے کرم والے رب پر فریفتہ کیا"۔ تفسیر معالم تنزیل میں ہے کہ اہل باطن فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر تمام اسمائے حسنیٰ میں سے کریم کو لانا، بندے کی تلقین کے لیے ہے تاکہ وہ کہے کہ میں تیری کریمی پہ

فریفتہ ہوا۔ محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انتہائی مہربانی کے باعث جو اس کی بندہ کی طرف ہے، اُسے کمزوری اور نادانی سے موصوف کیا اور فرمایا کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اور اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ط کہ اگر وہ عبادت میں کوتاہی کرے۔ یا اپنی خواہش اور ہوس کی پیروی کے سبب، اس کے احوال میں خرابی آئے تو وہ اپنی اس کمزوری اور نادانی کو عذر بنا سکے جو اس کے صفحہ حال پر نقش کر دی گئی ہے۔

من آں ظلوم جہولم کہ اوّلم گفتی ۔۔۔ چہ آید از ضعفا اے کریم وز جہال

میں وہی کوتاہ عمل اور نادان ہوں جیسا تو نے پہلے ازل میں فرمایا تو اے کریم کمزوروں اور جاہلوں سے کیا بن پڑ سکتا ہے (کہ تیری عبادت کا حق ادا کر سکیں) امام ابو اللیثؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ امید بندھانے والی آیت جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی یہ ہے وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ط اس لیے کہ اس نے اس میں یہ خبر دی کہ ہم بعض کرتوتوں کی بنا پر تم پر مصیبت لاتے ہیں اور بہت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں"۔ اور وہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ وہ ایک مرتبہ جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما چکا دوبارہ آخرت میں اس کے سبب عذاب نہ دے۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ قرآن شریف میں سب سے زیادہ امید افزا کون سی آیت ہے۔ فرمایا "قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ" کہ ہر ایک اپنے جوہر نفس پر کام کرتا ہے"۔ عرض کیا گیا اس آیت میں امید کا ذکر کہاں ہے فرمایا کہ بندے سے ظلم اور خطا ہوتی ہے اور جو کچھ وہ اپنی بدبختی سے کرے جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب و عطا جلوہ فرماتی ہے اور جو اس کی کریمی کے شایان ہے۔

از من گنہ آید و من آنم ۔۔۔ و ز تو کرم آید و تو آنی

ہم وہ ہیں کہ سوائے گناہ کے کچھ نہیں کرتے اور تو وہ ہے کہ ہر دم کرم فرماتا رہتا ہے۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عراق والو تم کہتے ہو کہ سب سے زیادہ امید بندھانے والی آیت یہ ہے کہ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور ہم اہلبیت کا قول یہ ہے کہ رحمت کی امید وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ میں زیادہ ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ان کی امت کا ایک گنہگار بھی دوزخ میں رہے گا۔ مدارک میں ہے کہ جب یہ آیت اُتری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں راضی نہ ہونگا جب تک میری امت کے گنہگاروں میں سے ایک بھی دوزخ میں رہے گا۔

نماند بعصیاں کسے درگرو   کہ دارد چنیں سیدے پیش رو

کوئی شخص گناہوں میں قید نہیں رہ سکتا جب کہ وہ ایسا سردار اور قافلہ سالار رکھتا ہے۔

امام علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط یعنی آپ اپنے لیے اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے لیے اپنے رب کی مغفرت چاہیں" اور حکم الٰہی کا خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ لہٰذا آپ نے یقیناً عطا چاہی اور اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ کرم والا ہے کہ اپنے حبیب سے فرمائے کہ ہم سے کچھ طلب کرو اور پھر عطا نہ کرے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ امت، امت مرحومہ ہے۔ اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ۔ امت گناہگار ہے مگر بخشنے والا پروردگار ہے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ج

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ہ اہلِ تفسیر و تذکیر اور اربابِ تحقیق و تدقیق نکتہ شناس محققین نے ان تینوں گروہوں یعنی ظالم، مُقتصِد اور سابق بالخیرات کی تفسیر میں بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ہم تبرکًا یہاں چند کلمے یہاں لکھتے ہیں۔ سہل تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظالم سے مراد جاہل مقتصد سے مراد طالب علم اور سابق سے مراد عالم ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان سے مراد دنیا کا طالب آخرت پر مائل اور مولیٰ کی طرف توجہ کرنے والے ہیں۔ پاکیزہ کا ارتکاب کرنے والے، صغیرہ کے مرتکب اور جرموں سے دور و نفور رہنے والے ہیں۔ یا گناہوں پہ اصرار کرنے والے، توبہ کرنے والے عبادت گذار اور اپنی توبہ پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ یا حرام کے کھانے والے، مُشتبہ چیزوں سے رغبت کرنے والے اور حلال کھانے والے ہیں۔ یا جرم کرنے والے، توبہ کرنے والے، اور پرہیزگار ہیں۔ یا غفلت برتنے والے، طلب کرنے والے اور اپنا مقصود پالینے والے مراد ہیں۔ لطائف میں فرمایا کہ ظالم نعمت پاکر مُنعِم کی جانب نہیں پلٹتا اور مُقتصِد (میانہ رَو) مُنعِم سے نعمت کی جانب، اور نیکیوں پر سبقت کرنے والا، مُنعِم سے مُنعِم کی جانب رجوع ہوتا ہے یعنی وہ اس مُنعِم حقیقی کے مشاہدہ میں مشغول ہوجاتا ہے اور اس سے پھر کر نعمت کی جانب نہیں پلٹتا۔ اللہ تعالیٰ نے اصطفا (چن لینا) کا لفظ ہر شخص کے صفحۂ احوال پر لکھا۔ (اور اس انتخاب کو ظالم، مُقتصِد اور سابق سب کے لیے عام رکھا) اور ظالم کے ذکر سے ابتدا فرمائی تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو اور اس کی بے انتہا رحمت کا امیدوار رہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ظالم کو تقدیم فضلِ خداوندی کے باعث ہے۔ اس کو مؤخر کرنا عدل کی بنا پر ہے اور اللہ تعالیٰ فضل کو عدل سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔

آنکہ بحر عفوِ تو، چوں موج برزند ۔۔۔ پرہیزگار غبطہ برد، بر گناہگار

اے کریم جب تیرے کرم کا دریا موجیں مارتا ہے تو پرہیزگار دل

گنہگاروں پر رشک آتا ہے۔
امام المسلمین صاحب تفسیر اُم المعانی نے لکھا ہے کہ تمام مفسرین اس بارے میں خاموش ہیں کہ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی (پس وحی کی اپنے بندے کی جانب جو وحی کی) کے طباق میں کیا نعمت تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم اس وحی کے درپے نہیں ہوتے اور اسے راز ہی چھوڑتے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ اس وحی کے متعلق جو حدیث و روایات ہم تک پہنچی ہے اس کے ذکر میں کوئی نقصان نہیں۔ اور چونکہ اس باب میں روایات بہ کثرت ہیں لہٰذا ہم اُن میں سے دو صورتیں جو سیاق کلام کے مناسب ہیں لکھتے ہیں۔ پہلی وجہ۔ وحی کا خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر "آپ کی اُمت کا مُعائنہ منظور نہ ہوتا تو ہم بساطِ محاسبہ لپیٹ دیتے۔ دوسری وجہ آپ کی امت ہماری بندگی کرتی ہے اور وہ ہماری رضا سے ہے اور گناہ کرتی ہے اور یہ ہماری قضا سے ہے۔ تو جو کچھ ہماری رضا سے ہوتا ہے ہم اُسے قبول فرماتے ہیں۔ اگرچہ وہ کم ہو اس لیے کہ ہم کریم ہیں اور جو کچھ ہماری قضا سے ہوتا ہے ہم اس سے درگزر کرتے ہیں اگرچہ زیادہ ہو اس لیے کہ ہم رحیم ہیں۔

مرا گر بگیری بانصاف وداد　　بنالم کہ عفوت نہ ایں وعدہ داد

اگر انصاف و عدل کے تقاضا کے مطابق تو میری گرفت فرمائے گا تو میں فریاد کروں گا کہ تیری بخشش کا یہ وعدہ نہ تھا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے حکایت فرماتے ہیں کہ اگر جرم کرنے والے میری بخشش کی لذت کو جان لیتے تو وہ جرم کا ارتکاب لازم جانتے۔

بُود عینِ عفوِ تو عاصی طلب　　عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

چونکہ میری رحمت کی نگاہ مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے اس لیے ہم نے گناہ کا میدان اختیار کر لیا ہے۔

ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک شرابی کا انتقال ہوا میں اس کے جنازے میں نہ گیا۔ خواب میں دیکھا کہ (کوئی کہتا ہے) کہ اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس کی قبر پہ جاؤ۔" میں گیا اور لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ نزع کے وقت اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ "اے دنیا و آخرت کے مالک! اس پر رحم فرما جس کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ آخرت۔

نے دربدی و نہ در بہی می میرم — نے مبتدی و نہ منتہی می میرم
درمن نگر اے ہر دو جہاں خاک درت — کہ ہر دو جہاں دست تہی می میرم

میں نہ بدی میں مر رہا ہوں اور نہ نیکی میں۔ نہ میں کسی چیز کی ابتدا یا انتہا کر کے دنیا سے جا رہا ہوں۔ یا رب! دونوں جہان تیری بارگاہ کی خاک ہیں مجھ پر نظر فرما کہ میں دونوں جہان سے خالی ہاتھ رخصت ہو رہا ہوں۔

اللہ تعالےٰ کا قول ہے کہ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا الاٰیۃ۔ صاحب کشف اسرار فرماتے ہیں کہ اس کے علم قدیم پر پوشیدہ نہیں وہ واردات جو اولیا کے دلوں پہ نازل ہوتے رہتے ہیں اور نہ اصفیاء کے وہ انفاس جو سینوں سے نکلتے اور ہر وقت اوپر جاتے رہتے ہیں یا یہ کہ اس پہ عیاں ہیں کرم خاص کی وہ لطافتیں جو اس کی بارگاہِ قدیم سے دلوں کی جانب متوجہ ہوتی ہیں۔ اور جو کچھ اوپر جاتا ہے یعنی توبہ کرنے والوں کی گریہ وزاری اور تہی دستوں کی آہ و فریاد۔ کہ جب وہ علی الصباح، سینہ کے خلوت خانہ سے نکل کر بارگاہِ رحمت پناہ کی جانب منہ اٹھاتی ہیں تو فوراً ہی اُن پر قبولیت کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ گناہگاروں کی آہ وزاری مجھے پاک دامنوں کی تسبیح کی آواز سے زیادہ محبوب ہے۔

غلغلِ تسبیح شیخ ارچند مقبول ست لیک
آہِ درد آلودِ رنداں را قبولے دیگر ست

کسی پاک دامن کی تسبیح کا غُلغلہ اگرچہ بڑی قبولیت رکھتا ہے لیکن گناہگاروں کی درد بھری فریاد کی مقبولیت کی شان کچھ اور ہی ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر "کوئی دردمند اپنے گناہ میں (بخوفِ خدا) روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ پر اس کے رونے کے سبب رحم فرماتا ہے۔
از دلِ تنگ گناہگار برآرم آہے دانش اندر گنہ آدم وحوا فگنم
میں اپنے گناہگار اور ملول دل سے ایک آہ نکالتا اور اولاد آدم وحوا کے گناہوں پر آگ ڈالتا ہوں۔
وہ شخص جس نے بنی اسرائیل میں سالوں تک عبادت کی اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا گیا کہ اب (عبادات میں) تکلیف نہ اٹھاؤ تم ہمارے لائق نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو بندگی سے کام ہے خداوندی میرا کام نہیں وہ جانے"۔ فرشتہ نے یہ پیام پہنچایا تو جلالِ احدیت سے جواب آیا کہ جب بندہ اپنی لئیمی (قابلِ لوم حرکتوں) کے باوجود مجھ سے نہیں پھرتا تو پھر میں اپنی کریمی کے ہوتے کیسے پھر جاؤں۔ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اُفقِ ازل سے جب صبحِ ولایت طلوع کرتی ہے کہ اس کی تجلی کی آب وتاب سے جان لیتی ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِی عَلٰی غَضَبِی (میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) کے کیا معنی ہیں اور ان اللّٰہ تعالیٰ جَعَلَ جَهَنَّمَ مِنْ فَضْلِ رحمتہٖ سوطاً تسوق بہٖ عبادہٗ اِلَی الجنۃِ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وفضل سے دوزخ کو ایک کوڑا بنایا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کی جنت کی طرف راہ دکھاتی ہے)" کا کیا مطلب ہے۔ دوزخ کہ پیدا کی جا چکی انتہائی مہربانی اور رحمت سے پیدا فرمائی گئی ہے۔ صبر کرو یہاں تک کہ رحمٰن ورحیم کا جمال، سراپردہ عزت سے باہر آئے اور بغیر گوشت اور پوست کی زبان کے تجھ سے کہے کہ "عنقریب جہنم پر وہ زمانہ آئے گا کہ اس کی گہرائی میں (ایک قسم کی ترکاری) پیدا ہوگی۔ اس ارشاد میں کیا راز ہے۔

غَضَبُ الکَرِیمِ وَاِن تَاَجَّجَ نَارُہٗ
کَدُخَانِ نَدٍّ لَیسَ فِیہِ سَوَادٗ

کریم کے غضب کے شعلے اگرچہ بلند ہونے لگیں اس نرمی کے دھوئیں کی طرح ہے جس میں سیاہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ط سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۔ فتوحات میں اس کے معنیٰ یوں ذکر کیے کہ کیا گناہگار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں کے سبب ہماری بخشش اور رحمت عام پر سبقت لے جائیں گے یہ حکم ناپسندیدہ ہے اس لیے کہ ہماری رحمت اُن کے گناہوں پر سبقت لے گئی جو غضب کے موجب ہیں۔

عفوِ خدا بیشتر از جرم ماست　　نکتۂ سربستہ چہ گوئی خموش

خدائے تعالیٰ کی مغفرت ہمارے جُرموں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ایک سربستہ راز ہے تو کیا کہہ گیا، خاموش رہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے)۔ عزیزی نے فرمایا کہ جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس کے عیب سے واقف بھی ہو تو اسے رد کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں خریدا وہ ہمارے عیبوں سے خوب واقف ہے تو اب امید یہ ہے کہ اپنی بارگاہِ کرم سے واپس نہ کرے گا۔

تو بعلمِ ازل مرا دیدی　　وانچنانم بعیب بخریدی
تو بعلمِ آں دمن بعیب ہماں　　رد مکن آنچہ خود پسندیدی

تو نے علمِ ازلی میں مجھے دیکھا اور میں جیسا ہوں تو نے انہیں عیبوں کے ہوتے مجھے خرید لیا۔ تو اپنے اسی علم پر ہے اور میں اپنے اسی عیب میں۔ تو جسے تو نے پسند فرمالیا اسے رد نہ کر۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گناہوں میں اس لیے مبتلا کیا تا کہ تجھے ابلیس کی نظرِ بد نہ لگے اس لیے کہ جب باغ سرسبز ہوتا ہے تو اس میں ایک گدھے کا سر لٹکا دیتے ہیں تا کہ اُسے نظر نہ لگے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے کہ آپؐ کا گذر ایک آزاد عورت پر ہوا جس کے ساتھ ایک بچہ تھا۔ عورت سے کہا گیا کہ دیکھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیے جا رہے ہیں۔ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اُس سے زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اکلوتے بیٹے پر"۔ کیا یہ یوں ہی ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا کہ ماں تو اپنے بچے کو اس تنور میں نہیں جھونک سکتی۔ اس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گریہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذابِ جہنّم کا مزا اُسی کو چکھائے گا جو کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے سے گریز کرے۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے حکایت فرماتے ہیں کہ "مجھے اپنی عزت و جلال، اپنی وحدانیت، مخلوق کی میری جانب حاجت، میرے عرش پر استوا فرمانے اور اپنی تجلیات کی رفعتوں کی قسم ہے کہ میں اپنے اس بندے اور بندی سے حیا فرماتا ہوں جو اسلام کی حالت میں بوڑھے ہوتے ہیں کہ میں انہیں عذاب دوں۔ مخدوم شیخ سعد بدہن قدس سرہٗ نے مجمع سلوک میں لکھا کہ قیامت کے روز فرمان ہوگا کہ اے فرشتو! تمہارے لیے طاعت ہے اور اے رسولو! تمہارے لیے رسالت ہے اور اے زاہدو! تمہارے لیے تمہارا زہد ہے اور اے گنہگارو تمہارے لیے تمہارا رب ہے۔ مخدوم شیخ قیام الدین قدس سرہٗ نے فرمایا۔

گر مفسدم من زانِ او — ور مصلحم من زانِ او
او زانِ من، من زانِ او — تو درمیاں گو کیستی

میں اگر مفسد ہوں تو یہ اسی کی قضا ہے اور اگر مصلح ہوں تو یہ بھی اسی کے حکم سے ہے وہ میرا سب کچھ ہے اور میں اس کی مِلک۔ تو کہہ کہ تو درمیان میں کون ہے۔

اے دوست محمود ایاز سے کہتا ہے کہ اگر تو گناہ نہ کرے گا تو تیرے وجود کی خاک عزت کے دامن سے ایسے جھاڑ دوں گا کہ اس کی بو بھی تیری مشامِ روح تک نہ پہنچے"۔ اب کیا کئتے ہو اس موقعہ پہ۔ اگر ایاز گناہ نہیں کرتا تو ایاز کے سر پہ دوسرا گناہ ٹوٹتا ہے تو جب تک محمود کا مقصود پورا نہ ہو۔ ایاز کا گناہ نہ کرنا کفر ہے اور فرمانبرداری، عبادت۔ جو لوگ کمالِ معرفت تک پہنچ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ کیا ہے اور کفر کیا۔ خوف و امید کے سنبلہ کو ہم یہیں پر ختم کرتے اور فہم رسا کے مطابق حقائق اور معانی میں غوطہ لگاتے ہیں۔

رجا و خوف بحرین ست موّاج	پُر از دُرِّ معانی و حقائق
تو برگیری ز غوّاصئ بحرین	فراواں لولوٴ و مرجانِ فائق

خوف و رجا موجیں مارنے والے دو سمندر ہیں جو معانی و حقائق کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو ان دونوں سمندروں میں غوطہ مارنے سے بہت سے موتی اور قیمتی مرجان حاصل کر سکتا ہے۔

چھٹا سنبلہ

حقائقِ وحدت اور آثارِ محبّت و معرفت کے ظہور میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (وہ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہے) بحر الحقائق میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے استقامت اختیار کی یوں کہ اعضاء کو شریعت کے ارکان کا پابند رکھا۔ نفوس کو طریقت کے آداب سکھائے۔ قلوب کو

تعلقات سے صاف ستھرا رکھا۔ ارواح کو تجلیاتِ انوارِ صفات سے جگمگایا۔ سِر کو محض توحید سے منور کیا اور خفی کو، غیرِ حق سے فنا اور حق سے بقا پر قائم رکھا۔ صاحب کشف الاسرار نے فرمایا کہ ربّنا اللہ توحید اقراری کا بیان ہے اور ثم استقاموا توحیدِ معرفت کی جانب اشارہ ہے۔ توحیدِ اقراری یہ ہے کہ تو اللہ کو یکتا کہے اور توحیدِ معرفت یہ ہے کہ تو اسے یکتا مانے۔ یعنی ہر جانب سے تو اس کی وحدت کا دیکھنے والا ہو جا اور یقین رکھ کہ اس عالمِ وحدت میں کوئی جہت نہیں۔

نے جہت می گنجد ایں جا نے صفت — نے تفکر نے بیان نے معرفت
آتشے از سرِ وحدت بر فروخت — غیرِ واحد ہر چہ پیش آمد بسوخت

یہاں نہ جہت کی گنجائش ہے اور نہ صفت کی۔ نہ یہاں غور و فکر ہے نہ بیان و معرفت۔ اسرارِ وحدت کی آگ بلند ہوتی اور ماسوی اللہ جو سامنے آیا اسے جلا دیتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے نہ کہ واحد عددی۔ اس لیے کہ واحد عددی جزئیت اور بعضیت کے قابل ہے اور واحد حقیقی بعضیت اور جزئیت سے منزّہ اور مبرّا۔ پھر واحد عددی کو تمام عددوں سے ایک نسبت ہے جیسے دو کا آدھا، تین کا تہائی اور چار کا چوتھائی۔ غرض کسی تعین کے بغیر ہم جو عدد بھی فرض کریں، واحد عددی اس کے افراد میں سے ایک فرد ہو گا لہٰذا اسے تمام عددوں سے نسبت حاصل ہے۔ جب کہ واحد حقیقی کو اعداد و شمار سے کوئی نسبت نہیں۔ پھر واحد عددی تمام عددوں میں سرایت کیے ہوئے ہے مثلاً تم ایک کا دو مرتبہ اعتبار کرو تو وہ دو ہو جاتا ہے۔ تین یا چار مرتبہ شمار کرو تو تین یا چار ہوتا ہے۔ اسی طرح تم تکرار میں جس مرتبہ کا اعتبار کرو گے نیا عدد ظاہر ہوتا رہے گا۔ لہٰذا واحد عددی تمام عددوں میں ساری ہے اور واحد حقیقی ان تمام نسبتوں سے منزّہ و مقدّس ہے۔ اسے مکان یا زمان میں نہیں اتارا جا

سکتا (وہ زمان و مکان) اور جہت و سمت سے بھی پاک ہے اس لیے کہ مکان و زمان اور جہات و اطراف یہ سب حادث ہیں اور وہ قدیم ازلی ابدی ہے۔ اور قدیم کا حادث کے ساتھ قیام نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو شخص واحدِ حقیقی کو صفت لا یتجزیٰ (ناقابلِ تجزی) سے پہچانتا ہے وہ خود بھی صفات جسمانی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اگر واحد حقیقی جلّ جلالہٗ اس وصف کے ساتھ موحِّد پہ تجلی کرے تو اس تجلی کے اثرات سے مُوحّدِ بسیط الذات کی طرح ہو جائے۔

مُرکّب چوں شود مانند یک چیز ز اجزا دور گردد فعل و تمیز
بسیط الذات را مانند گردد میانِ این و آں پیوند گردد
نہ پیوندے کہ از ترکیب اجزاست کہ روح از وصف جسمیّت مُبرّاست

مرکب جب ایک بسیط شے کے مانند ہو جائے" تو اُس کے اجزا کا فعل اور ان میں امتیاز باقی نہیں رہتا۔ وہ بسیط الذات کی طرح ہو جاتا ہے اور این و آں کے مابین ایک واسطہ بن جاتا ہے۔ وہ واسطہ نہیں جو ترکیبِ اجزا سے وجود پائے اس لیے کہ روح جسمیّت کے وصف سے بری ہے۔

اگر واحد حقیقی اس حیثیت سے کہ اسے اعداد سے کوئی نسبت نہیں مُوحّد پہ تجلّی ڈالے، تو مُوحّد اس تجلی کے اثرات سے، مجازی کثرتوں کے اعداد کو واحدِ حقیقی میں گم کر دیتا ہے اور اس حال میں اگر اس سے کثرتوں کے اعداد کا سوال کیا جائے تو وہ وحدت ہی سے جواب دیتا ہے۔

اعداد شمر دیم بسے جملہ یکے بُود چوں جملہ یکے باشد ما در چہ شماریم

ہم نے بہت مرتبہ تمام اعداد کو گنا انہیں ایک ہی (میں گم) پایا اور جب یہ سب ایک ہیں تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

اور اگر واحدِ حقیقی اس وصف کے ساتھ کہ اس کے لیے عددوں میں تنوّع نہیں، موحّد پہ تجلی فرمائے تو موحّد اس تجلی کے آثار کے باعث، تناسخ کے تہم سے رہائی پا جائے اور غیر مکرر تجلیات کو تناسخ سے صاف ممتاز سمجھ لے

اور جان جائے کہ

تناسخ نیست این، کہ زروئے معنی ظہور آتے ست در عین تجلّی

یہ معنوی حیثیت سے تناسخ نہیں بلکہ درحقیقت عین تجلّی کے، بکثرت ظہور ہیں۔

اور کہ واحدِ حقیقی اس جہت سے کہ وہ مکان سے پاک و مُنزّہ ہے موّحِد پر تجلی ڈالے تو موحد اس تجلی کے آثار کے باعث پانی میں چلا جائے اور تر نہ ہو۔ آگ میں چلا جائے اور نہ جلے۔ دیوار سے ایسے نکل آئے جیسے کہ دروازے سے اور اُسے ہوا میں پالتی مار کر بیٹھنا آسان ہو جائے۔ عیسٰی علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور فرشتے ہر آسمان پر۔ اور تمام آسمان (جیسا کہ کہا جاتا ہے) گردش میں ہیں اور اُلٹتے پلٹتے ہیں۔ پس کیا عیسٰی علیہ السلام اور فرشتے بھی کہ آسمانوں پر ہیں ان کے ساتھ گردش کرتے اور زیر و زبر ہو جاتے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ اپنی جگہ ہیں اور انہیں آسمانوں کی گردش سے کچھ مَس نہیں۔ نیز تمام علوی اور سفلی مقامات اس کے سامنے ایک نقطہ ہو جاتے ہیں۔

اور یہ کہ واحدِ حقیقی زمان سے منزّہ اور پاک صاف ہے اگر وہ اس صفت کے ساتھ موحد پر تجلی ڈالے تو موحد اس تجلی کے آثار کے سبب اُن واقعات کو جو روزِ میثاق میں گذر چکے اور وہ احوال جو زمانہ آئندہ اور قیامت میں ظہور پذیر ہوں گے وہ سب اُس کے علم میں سما جاتے ہیں اور اُسے ازل و ابد پیوستہ نظر آتے ہیں۔

اور یہ کہ واحدِ حقیقی جہت و طرف سے پاک ہے اگر اس صفت کے ساتھ موحد موحّد پہ متجلی ہو تو موحد اس تجلی کے آثار باعث" اَیْنَ (کہاں) مَتٰی (کب) اور کَیْفَ (کیسے) سے دور نکل جائے اور دولت قد تَبَیَّنَ ذَاتِی مِنْ حَیْثُ لَا اَیْنَ (میری ذات کا ظہور وہاں سے ہوتا ہے جہاں اَیْنَ (کہاں) نہیں) اسے نقد حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حق تعالٰی کے اسما اور

صفات میں سے، جو اسم یا صفت جہاں کہیں ظاہر ہوگی ان اسمار اور صفات کے آثار میں سے ایک اثر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ہمہ صفت، موصوف پاتے ہیں لیکن تکبر بھی آپ سے ہویدا ہوتا ہے (اس کا کیا سبب ہے) فرمایا کہ وہ تکبر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کبریائی کے ساتھ مجھ میں تجلی فرمائی ہے یہ اس کی کبریائی کا پرتو ہے جسے تم اپنے وہم میں تکبر سمجھتے ہو۔

حکایت منقول ہے کہ ایک رات چند جوان شکار کی خاطر شہر سے باہر نکلے جب جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں موجود ہیں اور گانے بجانے کا اکھاڑہ جما ہوا ہے کوئی سارنگی بجا رہا ہے کوئی منڈل۔ ایک شخص مشعل لیے کھڑا ہے۔ کچھ لوگ گا رہے ہیں۔ ایک پاتر رقص کر رہا ہے اور ایک بزرگ بیٹھے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب جوان تعجب کرنے لگے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ رات کے وقت، صحرا میں شہر سے دور، ایک اکھاڑہ جمائے ہوئے ہیں اتنے میں ان جوانوں میں ایک جوان سے جس کا تیر کبھی خطا نہ کرتا تھا یہ لوگ بولے کہ ان میں سے ایک کو مار۔ کسی نے کہا کہ اس بڈھے کو مارنا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ اس مشعلچی کو ختم کرو۔ کسی نے سارنگی والے کی جانب اشارہ کیا۔ آخر کار یہ ٹھہرا کہ کسی آدمی کو نہ ماریں بلکہ منڈل کو ختم کریں۔ اس جوان نے منڈل پر تیر چلایا جب تیر منڈل تک پہنچا وہ تمام مشغلہ بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ وہ سب جوان ڈر گئے اور لوٹ کر اپنے مکان آئے۔ جب دن ہوا سب مل کر اس جنگل میں پہنچے۔ دیکھا کہ اُلّو کے دو بازو اس تیر میں پیوست ہیں۔ اُس اُلّو کو اسی تیر کے ساتھ شہر میں لائے۔ ہر شخص کو دکھاتے اور رات کا واقعہ بیان کرتے۔ اس شہر میں ایک دانا سن رسیدہ اور تجربہ کار تھا اس نے کہا کہ وہ اکھاڑہ جو تم نے دیکھا وہ بھی سب اس اُلّو کی ذات کا کرشمہ تھا۔ تمہارا تیر جس کسی کو لگتا اسی اُلّو کے اعضا میں سے کسی ایک عضو کو چھیدتا۔

اے موحد کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ مشعل، سارنگی، منڈل، وہ خوش الحان پرندہ وہ پاتر اور وہ بڑھاپہ سب اسی پرندے کے اعضا اور جوارح تھے اور سب وجود بے نمود تھا اور اس پرندے کے اعضا اور جوارح کا ان چیزوں میں ہونا ایک بود تھا جس کا نمود نہ تھا۔ تو جب ایک پرندے کی نمائش کی ماہیت انسانی عقل اور فکر سے معلوم کرنا محال ہے تو وہ جلوے جو واحد حقیقی کے ہیں اور تمام عالم کے چاروں طرف پڑ رہے ہیں تو انہیں کیسے جان سکتا ہے۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ تیری ذات موحد حقیقی میں فنا ہو جائے۔ لیکن جب تک تو زمان مکان اور جہات سے نہ گزرے گا واحدِ حقیقی کی معرفت تجھے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ تو اس کے اسما اور صفات پہ اطلاع نہیں پا سکتا۔ مثلاً حق سبحانہ متکلم ہے۔ ازلاً اور ابداً کہ اس میں کہیں انقطاع نہیں۔ جب کہ اس کا کلام ایک ہے جو تعددُ، تبعّض، تغیرّ اور تکرّر کو قبول نہیں کرتا اور اس مقام کا سمجھنا عقل کی استعداد سے باہر ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چودہ کتابیں انبیا علیہم الصلوٰۃ پہ کیوں نازل فرمائیں ایک بھی کافی تھی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور کوہِ طور کے وجود سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کیوں فرمایا کہ —— فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ٥ (اپنی نعلین اتار لو کہ تم ایک پاک میدان طویٰ میں ہو) اور آپ نے یہ کلام عبرانی زبان میں کیوں سُنا (اسی طرح) عیسیٰ علیہ السلام کے وجود بغیر ان سے کیسے سخن فرمایا اور انہوں نے سُریانی میں کیوں کر سُنا اور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پیشتر ان سے کیسے کلام کیا اور آپ نے اسے عربی میں کیسے سنا، حالانکہ کلام قدیم ان سب سے پاک و منزّہ ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک علم سے تمام موجودات غیر متناہیہ کو جو ہو چکی ہیں اور ہوں گی جانتا۔ ایک قدرت سے تمام مقدورات غیر متناہیہ کو وجود میں لاتا، ایک شنوائی سے تمام مسموعات غیر متناہیہ کو سنتا۔ ایک بینائی

سے تمام مرتبات غیر متناہیہ کو دیکھتا اور ایک ارادۂ قدیمہ سے تمام مرادات غیر متناہیہ کو چاہتا ہے، تو ان صفات کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک سالک زمینوں اور آسمانوں کی حدود سے نہ گزر جائے چنانچہ اللہ عزوجل کا قول ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ الآیۃ۔

اور آسمانوں اور زمینوں کی قطاروں سے گذرنا، سالک کے صفت ناسوتیہ سے گزر جانے کی مقدار پر ہے۔ اور صفت ناسوتیہ سے گذرنا ایک اختیاری موت ہے جس کی جانب مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا (موت آنے سے پہلے مردہ ہو جاؤ) میں اشارہ ہے۔ اور سالک جب صفت ناسوتیہ سے گذر جاتا ہے تو زمان و مکان کی وسعتیں اس کے روبرو کوتاہ ہو جاتی ہیں اور کبھی ان کی کوتاہی دراز ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال کہ زمان کی وسعت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ عُزیر علیہ السلام کا قصہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ان پر سو برس موت طاری رکھی، پھر انہیں ہوش میں لایا تو فرمایا کہ کتنا ٹھیرے ؟ عرض کیا کہ ایک دن یا کچھ زیادہ۔ فرمایا بلکہ تم سو سال ٹھہرے"۔ اسی وجہ سے کہنے والے نے کہا کہ الدُّنْیَا یَوْمٌ وَّ لَنَا فِیْہِ صَوْمٌ "دنیا ایک دن کی ہے اور ہمیں اس میں روزہ رکھنا ہے" نوح علیہ السلام جن کی عمر شریف ایک ہزار برس تھی آپ کے انتقال کے بعد کسی بیدار دل نے آپ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ دنیا میں کتنی مدت قیام کیا۔ فرمایا میں نے اسے خانۂ دو دری پایا کہ میں ایک دروازہ سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا۔ اسی بنا پر کسی نے کہا ہے کہ الدّنیا ساعۃ فاجعلھا طاعۃ۔ "دنیا ایک ساعت ہے اسے ساعت میں گذارو"۔

نفحات میں مذکور ہے کہ علی سہل اصفہانی قدس سرہٗ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ روز بلیٰ (یعنی روز میثاق الوہیت) یاد ہے؟ فرمایا کیوں نہیں کل ہی کی تو بات ہے"۔ لوگوں نے یہ بات حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری قدس سرہٗ تک پہنچائی۔ فرمایا" وہ ابھی گئے نہیں۔ صوفی کے لیے آج اور کل کیا۔ ابھی تو اس

دن کی رات بھی نہیں آئی ۔صوفی کے لیے ابھی وہی وقت ہے ۔

روز امروز ست اے صوفی وشاں — کے بود از دی داز فردا نشاں

آنکہ از حق نیست غافل یک نفس — ماضی و مستقبلش حال ست و بس

اے صوفی کی مانند رہنے والے ! دن آج کا ہے گذری ہوئی اور آنے والی کل کا حال کیا معلوم ۔ وہ شخص جو حق سے ایک دن بھی غافل نہیں اُس کے لیے ماضی اور استقبال، حال کے سوا کچھ نہیں ۔"

جاننا چاہیئے کہ وہ حال جو ماضی اور استقبال کے درمیان ہے وہ تین زمانوں میں سے ایک زمانہ ہے اور ماضی و مستقبل کا اس حال میں جمع ہونا محال۔ اور وہ حال جس میں ماضی و مستقبل حاضر رہتے ہیں وہ ان تینوں زمانوں کے ماورا ایک حالت ہے ۔

اور اس کی مثال کہ زمانے کی کوتاہی دراز ہو جاتی ہے ۔ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کا واقعہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک رات ہمیں ہم سے لے لیا گیا ۔ تمام بڑے بڑے وارداتِ ہم پر گذر گئے اور جب ہم کو آپے میں لوٹا دیا تو ہمارا چہرہ اور بال وضو کے پانی سے ہنوز تر تھے ۔ ہمارے دوستوں میں ایک صاحب ہیں کہ انہوں نے ایک لمحہ سے کم میں سو مرتبہ تمام قرآن شریف کو حرفاً حرفاً اور آیت آیت کر کے پڑھا اور یہ کیفیت ان پر بارہا گزر چکی ہے ۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی اور اُن کے صاحبزادے شیخ عماد الدین اپنے چند احباب کے ساتھ مکہ مبارکہ میں موجود تھے ۔ شیخ عماد الدین نے فرمایا کہ ایک روز طواف کعبہ کے دوران میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ مخلوق، طواف ہی کی حالت میں اس سے تقرب چاہتی، تبرک حاصل کرتی اور اُن کی زیارت کرتی رہی ۔ ہمارے ساتھیوں نے ہمارے متعلق ان سے یہ بیان کیا کہ یہ شیخ الشیوخ کے صاحبزادے ہیں ۔ انہوں نے ہمیں مرحبا فرمائی اور سر پر بوسہ دیا کہ اس کا مزا میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں

اور مجھے امید ہے کہ قیامت میں اس کا نتیجہ مبارک ہوگا"۔ ہم نے ساتوں طواف اور دوگانہ نماز ادا کیا اور پھر شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ ہم نے صاحبزادے کو شیخ علیٰی مغربی سے ملا دیا۔ انہوں نے بڑی مسرّت ظاہر کی اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔ شیخ الشیوخ نے یہ سن کر بہت زیادہ بشاشت و مسرّت کا اظہار فرمایا۔ پھر ہمارے ساتھی شیخ علیٰی کے خصائل بیان کرنے لگے۔ انہیں میں سے یہ بیان کیا کہ شیخ علیٰی ایک دن رات میں ستر ہزار قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں"۔ شیخ الشیوخ کے ایک بزرگ ہمراہی نے فرمایا کہ ہم نے بھی یہ بات سنی تھی مگر ہمارے دل کو اطمینان نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ شیخ علیٰی جب بوسۂ حجر اسود سے فارغ ہوئے اور کعبۂ معظمہ کے دروازے تک پہنچے تو درمیانی رفتار سے پورا قرآن شریف ختم کر چکے تھے اور میں نے پورا قرآن شریف ایک ایک حرف سنا۔ حالانکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ حجر اسود سے کعبہ کے دروازے تک تین چار قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں۔ اس وقت مجھے یقینِ کامل ہو گیا کہ شیخ کا ستر ہزار قرآن شریف کا ورد کر لینا صحیح و درست ہے"۔ اسے سن کر شیخ الشیوخ اور ہمارے تمام ساتھیوں نے اُس ناقل کی کہ بہت زیادہ سچے آدمی تھے تصدیق کی اور اس کے وقوع کا سب کو یقین ہو گیا۔

نقل ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک صاحب دجلہ کے کنارے نہانے گئے۔ کپڑے اتارے اور پانی میں ایک غوطہ لگایا اور جب اپنا سر اٹھایا تو اپنے آپ کو ہندوستان میں پایا (خیر) وہاں آپ نے شادی کی، اولاد ہوئی اور آپ برسوں وہاں رہے۔ ایک مرتبہ آپ پھر دریا پہنچے (غوطہ لگایا تو) اپنے آپ کو دجلہ میں پایا اور دیکھا کہ کپڑے بھی وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ کپڑے پہن کر آپ خانقاہ حاضر ہوئے تو ساتھیوں کو دیکھا کہ اسی نماز کا وضو کر رہے ہیں۔ جب اُس نے وہ واقعہ حضرت جنید قدس سرہٗ سے

عرض کیا تو آپ نے کچھ لوگوں کو ہندوستان بھیجا اور اس کی اہل و عیال کو بلا کر اس کے سپرد کر دیا۔ اس واقعہ کی حقیقت اس کو معلوم تک نہ ہوئی اگرچہ اُسی کا یہ سب واقعہ تھا۔

سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج بھی اسی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے کہ ایک لمحہ میں، تمام مملکتِ عالم کی ایک ایک چیز تفصیل کے ساتھ آپ کو دکھا دی گئی اور حق تعالےٰ سے نوے ہزار کلمے آپ نے سنے اور جب واپس تشریف لائے تو اب تک بستر گرم تھا بلکہ اس قسم کے واقعات تو سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت صادر ہوئے لیکن انصاف پسند کے لیے یہی کافی ہے۔

غرض اس مقام پر گذرا ہوا اور آنے والا زمانہ، زمانہ حال ہو جاتا ہے چنانچہ سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعۂ معراج میں فرمایا کہ میں نے یونس (علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا"۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ ہنستے ہوئے جنت میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے فرمایا کہ دیر کیوں کر دی۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک پہنچ نہ سکا اور حضور کے نہ ہونے سے مجھے جو دشواریاں پیش آئیں وہ بچے کو بوڑھا کر دیتی ہیں۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اب حضور کا دیدار نصیب نہ ہو گا"۔ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھنا کہ آپ مچھلی کے پیٹ میں ہیں حالانکہ اسے دو تین ہزار سال کا زمانہ گذر چکا اور عبدالرحمٰن بن عوف کو قیامت کے بعد جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے، والی حالت پر دیکھنا، اور ان سے کلام فرمانا، سوائے زمانہ ماضی کے کسی اور زمانہ میں نہیں ہوا تو ہزاروں گذرے ہوئے سال اور ہزاروں آنے والے سال، آپ کے لیے زمانہ حال بن گئے اور زمانہ گذشتہ و آئندہ کے حالات آپ پر اُسی وقت روشن ہو گئے۔

توجب یہ جائز ہے کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم، عبدالرحمن بن عوف سے کسی وقت میں وہ کلام فرمائیں جو پچاس ہزار سال کے بعد ہوگا اور وہ بھی حقیقی کلام ہو نہ کہ مجازی حالانکہ وہ حالت، ظاہراً موجود نہیں تو یہ کیوں کر روا نہ ہوگا کہ وہ بادشاہ حقیقی ازل میں حضرت موسٰے علیہ السلام وہ کلام فرمائے کہ وہ طورِ طور پر موجود ہوں اور کلام فرمایا جائے، حالانکہ آپ کا وجود ظاہری اس فلکی زمانہ میں نہ ہو۔ اور اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اس کے کلام فرمانے کو سمجھو کہ وہ حالت نہ اس کے لیے ماضی ہے نہ مستقبل۔ اگر اس زمانہ کی درازی کو دیکھو تو پلک جھپکنے سے کم معلوم ہو اور اگر اس کی کوتاہی کو خیال میں لاؤ، تو ازل اور ابد کو اس لمحہ میں پاؤ۔ اس زمانے کے لیے "گزرنا اور آنا" نہیں ہے اور نہ اس میں تعدُّد، تجدُّد اور تبعُّض کا کوئی دخل ہے۔

اور اس کی مثال کہ مکان کی فراخی تنگ ہو جاتی ہے ان درویش کا قصہ ہے کہ ایک نجومی نے ان سے کہا کہ آج نیا چاند ہو جائے گا۔ درویش نے فرمایا کہ نہیں ہوگا۔ نجومی نے کہا کہ اگر آج چاند نہ دکھائی دے تو میں آپ کو اتنا اور اتنا تاوان دوں۔ جب رات ہوئی تو درویش نے اپنا ایک ہاتھ زمین پر رکھا اور اس پر تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر نیا چاند نظر نہ آیا۔ جب دن نکلا تو لوگوں نے اس نجومی کو تاوان کے لیے پکڑ لیا۔ اس وقت درویش نے تبسم کیا اور فرمایا کہ آج کی رات چاند رات تھی لیکن میں نے چاند کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپا لیا تھا۔ تو اس درویش نے اپنا وہ ہاتھ جو زمین پر رکھا ہوا تھا آسمان کی جانب کیسے اٹھا لیا کہ چاند کو چھپا لیا مگر بات یہ تھی کہ وہ درویش اس مقام پر تھے کہ مکان کی وسعتیں اس مقام پر تنگ ہیں۔

اسی طرح ایک درویش بیمار پڑے۔ تیمم سے نماز ادا کرتے تھے ایک روز بولے کہ آسمان سے تیمم کرنا جائز ہے۔ حاضرین نے کہا کہ اے مخدوم کہاں آدمی اور کہاں آسمان۔ درویش نے تیمم کی نیت سے دونوں ہاتھ دو مرتبہ

آسمان پر مارے اور چہرہ تک لائے۔ اس کے بعد پھر دو مرتبہ دونوں ہاتھ آسمان پر مارے اور ہاتھوں کو (کہنیوں تک) ملا۔ آسمان یونہی اپنی جگہ تھا۔ اور ان کے ہاتھ یونہی کوتاہ اور اپنے حال پر۔ حاضرین نے اگرچہ یہ حال دیکھا مگر اس درویش کے مقام کو نہ پہچانا کہ وہ اس مقام پر تھے جہاں قرب و بُعدِ مکانی نہیں سماتی۔

حکایت سلطان محمود سبکتگین نے ایاز کو ایک لشکر کے ساتھ کسی ولایت کی امارت سونپ دی تھی۔ بادشاہ جب کھانا کھاتے تو اپنے معمول کے مطابق ایک چینی طباق اپنے بچے ہوئے کھانے کا سامنے سے اٹھاتے اور ایاز کو دے دیتے۔ ایاز باوجود اپنے مرتبہ و مقام کے اس طباق کو تعظیم سے لیتے اور سلطان کا پس خوردہ کھا لیتے۔ اس پر ایک مدت گزر گئی اور شاہی باورچی خانہ میں طباق کم ہوتے گئے۔ داروغہ مطبخ کو اس کی تلاش ہوئی کہ وہ چینی طباق کیا ہوئے؟ سلطان نے فرمایا کہ وہ سب طباق ایاز کے پاس ہیں ایک اونٹ روانہ کر دیا جائے تاکہ اس پر لاد کر لائے جائیں۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

راہِ عشق میں دوری و نزدیکی کے مرحلے نہیں ہوتے۔ میں تجھے برملا دیکھتا اور دعائیں کہتا رہتا ہوں۔

اے مُوحِد تو نگاہِ عبرت آئینہ پر نہیں ڈالتا کہ اگر آئینہ کو آسمان کے سامنے رکھ دیا جائے تو اس میں آسمان اور سورج کا عکس نظر آئے حالانکہ سورج جو تھے آسمان پر ہے، اس بے کدورت آئینہ میں صاف نظر آتا ہے۔ اور اگر آسمان حائل نہ ہو تو تمام علویات و سفلیات (عالمِ بالا و پست) اس صفائی میں منعکس ہو جائیں۔ تو وہ صفائی ایک لق و دق صحرا ہے کہ اس میں اس قدر مسافتوں کی گنجائش موجود ہے۔ اے موحد لو ہے (یعنی آئینہ۔ کہ زمانہ

قدیم میں آئینے لوہے کے بنائے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء آئینہ میں زنگ، اپنے کلام میں باندھتے ہیں ورنہ وہ شیشے کے آئینے، جو ہمارے زمانہ میں موجود ہیں، ان میں زنگ کہاں) میں صقالت و صفائی کی وجہ سے ایسا صحرا پیدا ہوا، تو اگر دل کو محبت اور عشق سے صیقل و پاکیزہ کرے تو ایسا صحرا اس میں پیدا ہو کہ اگر عرش اور اس جیسے سو عرش، اور جو کچھ اس میں ہے، اس صحرا کے کسی گوشہ سے گزر جائیں تو تجھے خبر بھی نہ ہو۔

اور اس کی مثال کہ مکان کی تنگی فراخ ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ اہلِ معرفت کے لیے سخت پتھر بھی، فراخ و کشادہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں آنا جانا محال ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس پہ قدرت ہے کہ اونٹ کو بہت چھوٹا کر دے کہ وہ سوراخ سے گذر سکے یا سوئی کے سوراخ کو اتنا وسیع کر دے جس میں اونٹ سما جائے تو یہ درست ہے۔ ہاں اونٹ اپنی جسامت پر رہے اور سوئی کا سوراخ اپنی حالت پر، تو اس حالت میں اونٹ کے سوئی کے سوراخ سے گذرنے کو ضرور محال جانتے ہیں۔ مگر یہ بھی ان کی عقلوں کے نزدیک محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں محال نہیں۔ خواجہِ جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے اس پتھر کے بت سے فرمایا تھا کہ میرا لوٹا اٹھا اور حوض کا پانی بھر کر لے آ۔ اس نے ایسا ہی کیا (ادھر حوض خشک ہو گیا) تو آخر تمام حوض کا پانی لوٹے میں کس طرح سما گیا کہ حوض میں مٹی کے سوا پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ حضرت کی یہ کرامت مشہور ہے۔ بالفرض اگر وہاں سات دریا بھی ہوتے تو وہ بھی اس لوٹے میں سما جاتے۔ یہ تصرّف ہے بندگانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ایک بندہ مقرّب کا۔

جہاں را سر بسر آئینہ می داں — بہر یک ذرہ، در صد مہر تاباں
اگر یک قطرہ را، دل بر شگافی — بروں آید ازو صد بحر صافی
بہر جزوے ز خاک ار بنگری راست — ہزاراں آدم اندر وے ہویداست

دلے ہر حبۂ صد خرمن آمد — جہانے در دلِ یک ارزن آمد

بہ پرِ پشّہ در جائے جہانے — درونِ نقطۂ ہفت آسمانے

دنیا کو سر تا پا ایک آئینہ جانو کہ ہر ذرّہ میں سو چاند روشن ہیں۔ اگر تم ایک قطرہ کا دل چیر کر دیکھو تو اس سے سو شفاف دریا بہنے لگیں۔ اور اگر تم ہر ذرّہ خاک پر راست نظر ڈالو تو اس میں ہزاروں بنی آدم نظر آئیں۔ ہر دانے کے پیٹ سے سینکڑوں خرمن نکلیں اور جوار کے جگر سے ایک جہاں ہویدا ہو۔ مچھر کے ایک پر میں پوری دنیا کی گنجائش ہے اور ایک نقطہ میں سات آسمان سمائے ہوئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مکان کی پانچ قسمیں کی گئی ہیں۔ مکان کثیف، مکانِ لطیف، مکانِ الطف، مکانِ روحانیات اور مکان روحِ انسانی۔ مکانِ کثیف زمین ہے جس کی دشواری اور تنگی ظاہر ہے کہ جب تک ایک اٹھ نہ جائے، دوسرا اس کی جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ اس کی دوری اور نزدیکی بھی معلوم ہے۔ اور اس مکان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا ممکن ہی نہیں جب تک قدم نہ اٹھائے جائیں اور مسافت طے نہ ہو۔ اور یہ ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا دشوار ہو۔

مکانِ لطیف ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی تنگی ہے اس لیے کہ چمڑے کا وہ تھیلہ جو ہوا سے خوب بھرا ہوا ہے اس میں مزید ہوا اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک اس کو اندر کی ہوا سے خالی نہ کیا جائے۔ ہاں اتنی بات یاد رکھنے کی ہے کہ مکانِ کثیف کا بُعد، اس مکان کا قرب ہے اس لیے کہ مکان کثیف میں جتنی دور ایک مہینے میں پہنچا جا سکتا ہے، اس مکان لطیف میں ایک دن میں طے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت، جسے ہوا اڑاتی تھی۔ ہر دن اور ہر رات میں ایک مہینے کی مسافت طے کرتا تھا۔ خود قرآن شریف میں ہے، غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّ رَوَاحُھَا

شہرہے ۔ اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ البتہ دوری اس مکان میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے کہ اگر ہوا مشرق سے مغرب کو جانا چاہے تو اس میں کچھ مدت ضرور لگے گی ۔

مکانِ الطف ' انوارِ صوری کا مکان ہے اور جو کچھ مکانِ لطیف میں دور ہے یہاں نزدیک ۔ سورج جب مشرق سے اپنا سر اٹھاتا ہے تو اسی آن میں بغیر تاخیر کے اس کی روشنی مغرب تک پہنچتی ہے ۔ اگر اس کی روش ہوا کے مکان کی طرح ہوتی تو مغرب تک پہنچنے میں ضرور کچھ مدت لگتی ۔ یہی حال آگ اور اس کی مانند چیزوں کا ہے جب تک ان کی روشنی منقطع نہ ہو ۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ روشنی کو مکانِ ہوا میں ایک علیحدہ مقام حاصل ہے ۔ ہاں اس مکان میں دشواری اور تنگی نہیں اس لیے کہ جب تم ایک مشعل مکان میں روشن کرو تو اس کی روشنی مکان کے کونوں میں پہنچتی ہے ۔ اگر تم سو مشعلیں اور روشن کر لو تو بھی ان سب مشعلوں کا نور اُسی ایک مکان میں سما جائے گا ۔ بے اس کے کہ پہلی مشعل کا نور باہر نکالا جائے ۔ مگر دوری اس مکان کے لیے بھی ہے اس لیے کہ سورج کی روشنی کثیف پردوں سے پار نہیں جا سکتی اور جب دوری زیادہ بڑھتی ہے تو روشنی ختم ہو جاتی ہے ۔

مکانِ روحانیت ۔ اس مکانِ الطف سے بھی ماوراء ہے اور وہ فرشتوں کا مقام ہے کہ ان کی سیر کے لیے بڑی سے بڑی روک مانع نہیں ہو سکتی ۔

نقل ہے کہ جبریل علیہ السلام سدرہ کے مقام سے آنکھ جھپکتے زمین پر آ جاتے ۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا تو خطاب ہوا کہ " اے جبریل ! یوسف تک پہنچو " ۔ تو جیسے ہی آپ کے بھائیوں نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑا ' حضرت جبریل آپ تک پہنچ گئے اور آہستگی سے کنوئیں میں اتار دیا کہ انہیں کوئی تکلیف اور گزند نہ پہنچے ۔ مگر ان کے مکانوں میں بھی بہت خفیف سی دوری ہے اس لیے کہ انہیں حرکت

کی ضرورت ہے۔ اگرچہ پلک جھپکنے سے کم وقفہ میں مقصود تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن یہی حرکت کی ضرورت روحانی کمال کے منافی ہے۔

ہاں مکانِ روحِ انسانی، کمال لطافت رکھتا ہے اس لیے کہ وہ کسی حرکت کا محتاج نہیں جہاں اسے تلاش کر لوگے پالوگے۔ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی ذرہ، اس سے اور اس کے مکان سے دور نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اس میں کچھ دوری ہے اس لیے کہ نامتناہی علیین اس سے دور ہے اور لامتناہی سافلین بھی۔ بلکہ جو چیز بھی غیر متناہی ہے وہ اس سے دور ہے اس لیے کہ متناہی، لامتناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اتنی بات بھی سمجھ لو کہ واحدِ حقیقی تبارک و تعالیٰ ان تمام مکانوں سے جنہیں ہم نے ذکر کیا منزہ، مقدس اور متعالی ہے۔ نہ اس کا حلول ان ذکر کردہ مکانوں میں جائز، نہ ان کا مس ہونا اس سے متصور، اور نہ ان مکانوں کا اس کے محاذات میں ہونا روا۔ اس برگزیدہ کی منزلت، ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے وہ منزلت، قرب در قرب ہے اس میں کسی اعتبار سے کوئی بُعد ممکن ہی نہیں۔ علیین سافلین اور تمام غیر متناہی امور، اس کے لیے ایک نقطہ ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو کچھ اس اٹھارہ ہزار عالم میں موجود ہے سب قرآن شریف میں ہے۔ اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے الحمد شریف میں ہے اور جو کچھ الحمد شریف میں ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں موجود ہے۔ اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بسم اللہ کی با میں ہے۔ اور جو کچھ با میں ہے وہ اس کے نقطہ میں ہے"۔ اور حقیقتہً یہ نقطہ روشنائی کا وہ نقطہ نہیں جو کاغذ پر لگاتے ہیں بلکہ اس کے لیے نہ طول ہے نہ عرض۔ نہ دوری ہے نہ گہرائی۔ نہ مسافت ہے نہ فاصلہ۔ نہ اونچائی نہ نیچائی اور نہ دائیں بائیں آگے پیچھے ہونا۔

یہی وہ نقطہ ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ العلم نقطۃ کثّرھا الجہّال۔ "علم ایک نقطہ ہے جسے جاہلوں نے پھیلا لیا ہے"۔ اگر تم اس مکان،

کی فراخی و وسعت کو دیکھو تو آگ کی تنگی سے کم پاؤ کہ اس میں آنکھ کے چشم و ہم کی سمائی ہے اور اگر اس کی تنگی اور دشواری پہ نظر ڈالو تو تمام غیر متناہی اشیاء کو اس کے احاطہ میں پاؤ۔

اے مُوحّد ! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی معرفت کی توفیق بخشے یوں سمجھو کہ وہ نقطہ، جس سے نامتناہی علیّین اور غیر متناہی سافلین کے مکانوں کا ایک ذرہ بھی دور نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوَاتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ (اس سے غائب نہیں ذرّہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہ اس سے چھوٹی اور بڑی، کم نہ اس سے زیادہ) اور وہ لمحہ جس میں گذشتہ اور آئندہ ازل سے لے کر ابد تک کا زمانہ موجود ہے وہ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا کام تو ایک بات کی بات ہے جیسے پلک مارنا)

یہ نقطہ اور یہ لمحہ اسرارِ وحدانیت کا مظہر، اور واحدِ حقیقی کے انوارِ فردانیت کا مشہد ہے۔ اور واحدِ حقیقی عزّوجلّ اس نقطہ اور لمحہ سے بھی پاک اور منزّہ ہے۔ ہاں اسے اللہ کا مکان' یا اللہ کا زمان کہنا، اختصاص و شرف افزائی کی بناپر ہے جیسا کہ بیت اللہ، ناقۃ اللہ اور روح اللہ۔ اور انتہائی قرب کے باعث مقامِ رب بھی کہہ سکتے ہیں۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ سے اسی مقام کی جانب اشارہ ہے کہ اس مقام سے بڑھ کر کوئی اور مقام نہیں۔ اور جب موحّد اس مقام پر پہنچتا ہے تو یہ مقام موحّد کی جانب منسوب ہو جاتا ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ، علیہ صلواتُ الجلیل جب اس مقام پر پہنچے تو ارشاد ہوا۔ فِیْہِ اٰیَاتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ط اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (انہیں میں) مقام ابراہیم ہے تو جو اس میں داخل ہوا اس نے امان پائی۔ اور جب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام پہ پہنچے تو ارشاد ہوا

عَسٰیٓ اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ط قریب ہے کہ آپ کا ربّ آپ کو مقام محمود عنایت فرمائے۔ اے موحد! اس سے پہلے کہ تو اس مقام کو عین الیقین اور حق الیقین سے پائے، علم الیقین سے پالے۔ اگر تو علم الیقین ہی میں کوئی شک اور شبہ رکھتا ہے تو قیامت کے واقعات قرآن شریف سے سن کر کہیں تو فرمایا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ فی یوم کانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ط اور دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ایک لمحہ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْھُوَ اَقْرَبُ ط اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر ایک پلک کا مارنا بلکہ اس سے بھی قریب)

اے موحّد! پچاس ہزار سال کا ایک لمحہ میں گزر جانا میں نے قرآن پڑھ کر تجھے بتایا، تاکہ تجھے اس حالت کے وقوع پر کامل یقین ہو اور اس واقعہ کے ثبوت پر تیرا عقیدہ راسخ۔ اور تو علمِ یقین سے جان لے کہ وہ احوال سب ہونے والے ہیں اگرچہ عقل، فکر، فہم اور فراست انہیں محال جانتی ہے۔ اور وہ بھی اس بنا پر کہ علم وعقل اور فہم و فکر اس معرفت کے لیے مانع حاجب اور آڑ ہیں۔

ترا خود عقلِ تو، اوّل عقیلہ ست عجائب حالتے ایں را چہ حیلہ ست

تیرے لیے خود تیری عقل سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ احوالِ عجیبہ کو اس میں کیا حیلہ بناتا ہے۔

اے کاش کہ غیب کے فیضان سے تیرا شک مٹ جائے۔ یا علم سیمیا کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ تجھ پر کھل جائے تاکہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ تجھے درست اور سچا معلوم ہو۔ جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ شاہ ہمایوں کے زمانہ میں شہر شمس آباد میں ایک شخص ہندو تھا جس کا نام راگھو تھا۔ علم سیمیا میں مہارت رکھتا تھا اور لوگ اسے راگھو چیتن کہتے تھے۔ عجیب عجیب شعبدے لوگوں کو دکھاتا اور اچنبھے میں ڈالنے والی باتیں ظاہر کرتا۔ تمام لوگ اسکی مہارت

پر تعجب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز شیخ احمد فرملی اور شیخ احمد کہ اہل علم تھے اور لوگ انہیں آخوند کہتے تھے۔ یہ دونوں بھی اس کا تماشہ دیکھنے پہنچے اور بولے کہ ہمیں بھی کوئی کرتب دکھا۔ راگھو جیتن نے ان دونوں کو ایک گھر میں بٹھا دیا اور گھاس کی چند ٹٹیاں گھر کے ایک طرف کھڑی کر دیں اور شیخ احمد فرملی سے کہا کہ آپ اس ٹٹی میں آئیں۔ شیخ احمد جیسے ہی اس میں داخل ہوئے انہیں دل میں یقین ہو گیا کہ میں گجرات کے ارادے سے مکان سے باہر نکلا ہوں چنانچہ آپ روزانہ راستہ طے کرتے اور رات کو کسی جگہ آرام کر لیتے۔ یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد گجرات پہنچے۔ وہاں لیموں یا چکوترہ کا ایک نیا باغ دیکھا۔ اس باغ میں سے چند پھل توڑ لیے کہ اتنے میں باغبان آ پہنچا اور انہیں ڈانٹا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو کہ شاہی باغ سے تم نے بغیر پوچھے اور بلا اجازت پھل توڑ لیے۔ کچھ اور بھی سختی کی۔ آخر کار شیخ احمد کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا اور بولا کہ نہ معلوم یہ کون شخص ہے کہ اس نے شاہی باغ سے پھل توڑ لیے ہیں۔ بادشاہ نے جب باغبان کی بدزبانی کو دیکھا تو بولا کہ اے گدھے تو لوگوں کو نہیں پہچانتا۔ یہ آدمی شریف معلوم ہوتا ہے کیا ہوا اگر انہوں نے ناواقفی کی بنا پر کچھ پھل توڑ لیے۔

اس کے بعد بادشاہ نے شیخ احمد سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ کون ہو اور کس کام کے لیے آئے ہو؟ شیخ احمد نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت میں ایک فرملی ہوں میرا وطن قنوج میں ہے۔ میں نوکری کے ارادے سے آیا تھا اور جب گجرات پہنچا تو خیال آیا کہ یہاں میرا کوئی ملاقاتی نہیں ہے۔ مجھے بادشاہ کے پاس کون لے جائے گا۔ بالآخر اس باغبان نے مجھے اس طریقہ سے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھی بات ہے ہم نے تمہیں اپنی ملازمت میں قبول کیا۔ فوراً انہیں دو گھوڑے بخشے اور خرچ کے لیے کچھ نقد دیا اور جاگیر بھی دی جس سے گذر اوقات ہو۔ ایک مکان بھی اُن کے

رہنے کے لیے دیا۔ شیخ احمد برسوں اس بادشاہ کی خدمت میں رہے۔ وہاں شادی کی۔ آپ کے اولاد ہوئی۔ بادشاہ جب شکار کو جاتا تو انہیں اپنے ساتھ لیتا اور جب چوگان کے میدان میں آتا تو انہیں بھی بلاتا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں پچاس برس گزر گئے اور شیخ احمد بہت بوڑھے اور کمزور ہو گئے۔ الغرض ایک روز شیخ احمد اچانک ایک جھونپڑی میں داخل ہوئے اور چند قدم چل کر باہر آئے۔ دیکھا کہ شیخ احمد اخوند بیٹھے ہیں۔ انہوں نے السلام علیکم کہا اور ان سے ملاقات کی اور بغلگیر ہوئے اور پوچھا کہ آپ گجرات میں کب آئے؟ آخوند نے کہا کہ گجرات یہاں کہاں؟ یہ تو شمس آباد ہے۔ اور ہم تم راگھو جیتن کے گھر بیٹھے ہیں۔ تم تو ابھی اس جھونپڑی میں گئے تھے اور فوراً لوٹے۔ شاید ایک گھنٹہ گزرا ہو۔ اب شیخ احمد فرملی کو یاد آیا کہ ہم دونوں اس کا کرتب دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ خود کو جیسا کہ نو عمر تھے ویسا ہی پایا۔ وہ بڑھاپا، کمزوری اور بالوں کی سفیدی سب دور ہو چکی تھی۔ گویا کہ تھی ہی نہیں۔ اب یہ حیران ہیں پریشان ہیں۔ وہ تمام واقعات جو ان پر گزرے ایک ایک کر کے شیخ اخوند کے روبرو بیان کیے اس کے بعد ان کے دل سے تمام عمر یہ حیرت نہ گئی کہ ایک گھنٹے میں پچاس سال کیسے گزر گئے۔ اور اس گھر کی چار دیواری میں گجرات اور گجرات کے راستے کیسے سما گئے۔ مگر چونکہ یہ واقعہ خود انہیں پر گزرا تھا لہٰذا انکار بھی نہ کر سکتے تھے اگرچہ ان کی عقل اور سمجھ میں جمتا بھی نہ تھا۔ اس قسم کے واقعہ کو تو نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تو تیری عقل و فکر میں کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر انکار بھی مت کر کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔

جب کہ وہ لوگ جو زمان و مکان کی درازی کی گنجائش کو، زمان اور مکان کی تنگی و دشواری میں مانتے اور اس کی کیفیت و ماہیت کو بخوبی پہچانتے ہیں، وہ بھی واحدِ حقیقی کی معرفت میں حیران ہیں۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ نے خدا کو کیوں کر پہچانا؟ فرمایا "بلا کیف اسے پہچانا"۔ یعنی

وہ کیف و کیفیت نہیں رکھتا جسے بیان کیا جا سکے ۔

اور وہ جو عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرح دوسرا خدا پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ محال اس کے زیرِ قدرت نہیں ۔ اور یہاں وارد ہونے والے اعتراض کہ "اگر وہ محال پہ قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی"۔ یہ جواب دینا کہ یہ اس کی قدرت میں نقص کا موجب نہیں ۔ (نقصان تو اس کا محال ہے کہ تعلقِ قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں) تو عزیزِ من! (یہ عقیدہ اگرچہ حق ہے مگر) عقل کے خانے میں جس قدر پیش رفت اور مقدمات ہیں وہ معرفت کے بازار میں نہیں چلتے ۔ اس لیے کہ عقل اپنی تمام واردات و مقدمات کے ساتھ، ایسے صاحبِ عقل کی طرف مردود و مصروف کر دی جاتی ہے ۔ وہ واحدِ حقیقی کے انوارِ معرفت میں مفقود و معدوم رہتی ہے ۔ ایسے موحد! جس مقام پہ آفتابِ معرفت، اپنی تمام تر شعاعوں کے باوجود، محض لاشی اور نیست و نابود ہو، وہاں اپنی واردات کے ساتھ چراغِ عقل کے لیے" بود و نمود کا کون سا مقام مل سکتا ہے ۔

گر نہ تعریفِ حق، بعقل رسد — معرفت یافتن از دست محال
بمقامیکہ گم شود خورشید — بہ توِ شمعِ عقل را چہ مجال

جب حق کی معرفت عقل سے نہیں ہو سکتی تو عقل کے واسطہ سے عرفان کا حصول محال ہے اور جہاں خورشید گم ہو جاتا ہو وہاں چراغِ عقل کی روشنی کیا کام آ سکتی ہے ۔

خرد گوید خدا را نیست قدرت — بہ پیدا کردنِ چوں خود خدائے
پسند د ایں سخن را مردِ دانا — کہ بشناسد صوابے از خطائے
بچشمِ معرفت در وحدت اصلا — مقالاتِ خرد را، نیست جائے
کہ بہ خورشید نتواں سایہ انداخت — نہ غرضِ عقل بر نا منتہائے

عقل کہتی ہے کہ دوسرا خدا پیدا کرنا، زیرِ قدرتِ الٰہی نہیں ۔ اس بات کو

دانا آدمی پسند کرتا ہے کہ اُسے حق و ناحق میں امتیاز حاصل ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ چشمِ معرفت کے نزدیک، توحید میں اس کی ذرا گنجائش نہیں کہ عقل کی باتیں اس میں سما جائیں۔ اس لیے کہ نہ آفتاب پر کوئی پردہ ڈالا جا سکتا ہے اور نہ عقل کی گہرائیاں، لامتناہی کو اپنے احاطہ میں لا سکتی ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقام کی خبر دیتے ہیں کہ ادراک کی دریافت سے عاجز رہ جانا ہی ادراک ہے"۔ اسی وجہ سے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا احصی ثناءً علیک۔ انت کما اثنیت علیٰ نفسک۔ "ہم تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتے تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا فرمائی۔

اے موحد! فی الحال اگر واحد حقیقی کی معرفت کی اتنی باتیں تو سمجھ لے اور تیری عقل و فہم میں سما جائیں پھر تو علمِ یقین سے جان لے کہ میں توحید حقیقی تک پہنچ چکا اور اس کی حقیقتِ وحدت کو پہچان چکا تب بھی واللہ باللہ یہ بات درست اور صحیح نہیں ہے۔

گر صد ہزار بار، ہمہ خلق کائنات　　فکرت کنند، در صفتِ وحدتِ خدا
آخر بعجز، معترف آیند کای الٰہ　　دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

اگر تمام کائنات کی مخلوق ستر ہزار مرتبہ خدا کی وصفِ وحدانیت میں غور کرے تو آخر کار انہیں مجبور ہو کر اس کا اقرار کرنا پڑے گا کہ خدایا اب ہمیں یقین ہو گیا کہ ہم نے کچھ بھی نہیں جانا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　وز ہر چہ گفتہ ایم شنیدم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ما ہم چناں، در اول وصفِ تو ماندہ ایم

اے ہمارے خیال قیاس گمان اور وہم سے برتر و بالا بلکہ ہر اس چیز سے جسے ہم نے کہا سُنا اور پڑھا۔ مجلسیں ختم ہو گئیں۔ عمریں انتہا کو پہنچ چکیں لیکن ہم اسی طرح تیرے پہلے ہی وصف کی معرفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

فصل ناشناسائی میں مرض و موت کے اقسام اور شناسائی حق میں صحت

وزندگی کی انواع" اور بعض دوسرے پوشیدہ نکات کے بیان میں۔ کہ ان میں سے اکثر تفسیر حسینی سے لیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ (کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی) محققین فرماتے ہیں کہ موت خواہشات کی پیروی ہے اور زندگی اللہ تعالیٰ کی محبت سے۔ یا موت اس کی عدم معرفت سے اور زندگی معرفت سے ہے کشف الاسرار میں مذکور ہے کہ حیاتِ معرفت اور شے ہے اور حیاتِ بشریت اور۔ دنیا والے حیاتِ بشریت سے زندہ ہیں اور خدا کے دوست حیاتِ معرفت سے۔ ایک روز وہ آئے گا کہ حیاتِ بشریت ختم ہو جائے گی کہ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے) اور حیاتِ معرفت ہرگز تمام نہ ہو گی فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ ہم انہیں پاکیزہ زندگی بخشیں گے۔

نہ میرد ہر کرا جانش تو باشی   خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

وہ نہیں مرتا جس کی زندگی تو ہو۔ مبارک ہے وہ جان کہ جس کا جاناں (پیارا) تو ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مرض غیر حق کی رؤیت ہے اور شفا، واحد قہار کے انوار کا مشاہدہ۔ بحر میں ہے کہ بیماری کونین سے تعلق کا نام ہے اور شفا ترک تعلقات کا۔ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۔ وہ جو مجھے مارتا اور پھر جلاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اماتت (مارنا) گنہگاری سے ہے یا طبعی نادانی یا فراق سے، اور زندہ کرنا بندگی سے ہے یا عقل سے یا پرہیزگاری یا ملاقات سے۔ صاحبِ بحر نے فرمایا کہ (آیت کے معنی یہ ہیں کہ) وہ مجھے اوصافِ بشریت سے مارتا اور اخلاقِ روحانیت سے زندہ کرتا ہے اور پھر اوصافِ روحانیت سے مارتا اور صفاتِ ربانیت سے زندہ کرتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انانیت (خودی) سے مارتا اور

ہُوِیّت (وحدت) سے زندہ کرتا ہے کہ وہی حیاتِ حقیقی ہے۔

نجویم عمرِ فانی را، توئی عمرِ عزیزِ من — نخواہم جانِ پُر غم را، توئی جانم بجانِ تو

میں اپنی عمرِ فانی کو نہیں ڈھونڈتا کہ تو ہی میری عمرِ عزیز ہے اور میں غم آلود زندگی کو نہیں چاہتا کہ تو ہی میری زندگی ہے تیری ذات کی قسم۔

شبلی قدس سرہ نے آیت کریمہ یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ۔ (اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت رکھتا ہے) کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ شہودِ عبودیت اور اس کے لوازم کو مٹاتا، اور شہودِ ربوبیت اور اس کی تجلیات کو ثابت رکھتا ہے۔ امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ نفسانی خواہشوں کو محو کرتا اور حقوقِ ربّانی کو ثابت رکھتا ہے یا مشاہدۂ خلق کو لے جاتا اور مشاہدۂ حق لاتا ہے یا آثارِ بشریت کو مٹاتا اور انوارِ احدیّت کو ثابت رکھتا ہے۔ یا بندے کی آن گھٹاتا اور اپنی شان بڑھاتا ہے۔ تاکہ جس طرح وہ اوّل تھا اسی طرح آخر رہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ الٰہی تیرے جلالِ عزت نے اشارہ کی جگہ نہ چھوڑی۔ تیرے محو و اثبات نے اضافت کی راہ اٹھا دی۔ میری آن گھٹا کر تیری شان بڑھائی یہاں تک کہ وہی آخر رہا جو اوّل تھا۔

حبّ ہمہ در نہادِ آب و گِل ماست
پیش از گِل و دل چہ بود، آں حاصلِ ماست
در عالمِ غیب خانۂ داشتہ ایم
رفتیم بداں خانہ کہ سرمنزلِ ماست

ہماری مٹی اور پانی کی سرشت میں ہر چیز کی محبت ہے مگر مٹی اور جان کے خمیر سے پہلے جو کچھ تھا وہی ہمارا حاصل ہے۔ ہم نے عالمِ غیب میں ایک گھر بنا لیا ہے اور اسی گھر کی طرف چلے ہیں جو ہماری یادگار ہے۔

پس موحدِ حقیقی جب شہودِ حق کی یادگار پہ پہنچتا ہے تو اس کی نظر شہود میں ہر چیز فانی نظر آتی ہے۔ شرح عوارف میں ہے کہ کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ

الاوجہ“ فرمایا ”یھلک“ نہ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آج اشیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود میں فانی ہے مگر اس حال کے مشاہدہ کی سپردگی، کل مجوبوں کے حق میں ہے۔ اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْداً وَّ نَرَاہُ قَرِیْباً۔ وہ اُسے دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں) محققین کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور موجود حقیقی نہیں تو حقیقتہً اس کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ صاحب کشف الاسرار کلمات شیخ الاسلام سے نقل کرتے ہیں کہ نہ کوئی تیرے علاوہ ہے نہ تو کسی سے علاوہ۔ یہ جو کچھ ہے پس تو ہی تو ہے باقی تمام علاقے منقطع اور تعلقات مرتفع ہیں۔ نشانات باطل ہیں اور اسباب مضمحل۔ حدود لاشی ہیں اور مخلوقات فانی۔ حق یکتا ہے اور خود سے باقی۔

یاد رکھیں کہ اسی مقام کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً۔ محققین کا قول ہے کہ کوئی راستہ متعین نہیں ہوتا جب تک اس کی ابتدا و انتہا نہ ہو۔ مگر عارف جانتا ہے کہ تمام ابتدا کس سے ہے اور تمام انتہا کس سے۔ حضرت شیخ صدرالدین قنوجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمام اشیاء کو محیط ہونا ثابت ہے اور وہی احاطہ ہر صراط کا منتہا اور ہر سالک کی انتہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات وما فی الارض الا الی اللہ تصیر الامور ط (اُس اللہ کا راستہ جس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ سن لو کہ اللہ ہی کی جانب تمام امور پلٹتے ہیں۔

ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود	ہر گوشہ کہ رفتیم بیا ہوئے تو بود
گفتیم مگر سوئے دگر راہے نیست	ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ہم جہاں قدم رکھتے ہیں تیرے کوچہ میں پڑتا ہے اور جس گوشہ میں جلتے ہیں تیری ہی آواز سے گونجتا ہے۔ ہم نے سوچا کہ شاید دوسرے کی جانب بھی کوئی راستہ ہو۔ مگر جب ہم نے دیکھا تو ہر راستہ تیری ہی جانب پایا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک (عالم حیرت میں ڈوب کر) بہتر فرقوں کو اُن کی روش میں معذور جانتا اور یہ کہتا ہے۔

ہمہ عالم چو مظہر عشق اند ہمہ را بر کمال می بینم

جب تمام عالم عشق کا مظہر ہے تو ہم ہر چیز میں کمال دیکھتے ہیں۔

قاضی عین القضاۃ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ارادت کی ابتدا یہ ہے کہ تو ایمان اور کفر سے نہ لڑے اور ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ دے اور بہتر حلقوں میں کچھ فرق نہ کرے۔ کہ اگر تو نہ عالم ہے نہ ارادتمند، تو تو نہ فرق کر سکے گا نہ راہِ طلب میں پڑ سکے گا۔ اور یہ فرق نہ کرنا نور کے احاطہ میں ہے نہ کہ حدِ ظہور میں (کہ تجھ پر عیاں ہو جائے) شیخ حسین معز رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وَ مَن یَقتَرِف حَسَنَۃً نَّزِدلَہٗ فِیھَا حُسنًا۔ جب تجھے زیادتی حسن کا کشف ہو جائے گا تو مسلمان اور کافر میں جمالِ محبوب کا مطالعہ کر سکے گا۔ اور آتش پرست کا زنار خود اپنی گردن میں پڑا پائے گا اور یہ کہتا پھرے گا کہ

اے کفر چہ چیزی کہ مغاں از تو بلافند اسم تو پرستند و زعین تو معافند

اے کفر تو کیا چیز ہے کہ آتش پرست، تجھ پہ اتراتے ہیں۔ تیرے نام کو پوجتے ہیں اور تیری ذات سے معافی خواہ ہیں۔

جب عشاق کا رنگ صبغۃ اللہ کا رنگ ہو جاتا ہے تو وہ جس رنگ میں ہو وَ مَن اَحسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبغَۃ کا جلوہ دکھاتا ہے۔

شرف در عشق او گشت آں قلندر کہ ہفتاد و دو ملت یار دارد

وہ قلندر عشق حق میں شرافت پا گیا جو بہتر حلقوں کو دوست رکھتا ہے۔ عظمت والے رب کی قسم کہ میں ابھی یہیں تک لکھنے پایا تھا کہ ایک بھائی کا نوشتہ پہنچا اور اس نے اس شعر میں محو کر دیا۔

کافرم گر کفر را دارم قبیح مشرکم گر آدرم ایماں صریح

میں کافر ہوں، اگر ہر کفر کو (محض اپنے گمان سے) بُرا جانوں اور مشرک

ہوں اگر صراحتہً ایمان کا دعویٰ کروں"۔

یاد رکھو کہ ہر کفر میں ایک ایمان ہے اور ہر ایمان میں ایک کفر۔

درونِ ہر بتے جانیست پنہاں　　بزیرِ کفر ایمانیست پنہاں

ہر بت میں ایک جان پوشیدہ ہے اور کفر کے پردہ سے ایمان ہویدا۔

وہ ایمان جو کفر میں پنہاں ہے ان میں ایک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

ہمیشہ کفر در تسبیح حق است
وَاِنْ مِنْ شَیٍٔ گفت ایں جا چہ دق ست

کفر ہمیشہ حق کی تسبیح میں مصروف ہے کہ اِن مِن شَیٍٔ الایۃ سے ہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں جائے اعتراض بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ خلقت روحانی، کسی حکمت کے ماتحت ہی برسرِ پیکار ہے۔ ورنہ اس کی پیدائش عبث ٹھہرے۔ تیسرے یہ کہ اس کی اس کی پیدائش حق تعالیٰ کے آثار افعال سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر فعل میں اپنی حمد فرمائی کہ اللہ المحمود فی کل اَفعالِہ۔ اور جو شخص ترقی کر کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو قبحِ کفر کی قباحت (برائی) اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور اُسے (متحیر ہو کر) لاچار کہنا پڑتا ہے کہ

کافرم گر کفر را دارم قبیح"

اور یہ بات جس نے کہی کہ " مشرکم گر آدرم ایمان صریح " وہ اس بنا پر کہی کہ ایمان اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ لہٰذا ایمان کی نسبت اپنے فعل اور اختیار کی جانب کرنا طریقت میں شرک ہے۔ لمعات میں ہے کہ جب محبت کا سورج غیب کے مشرق سے جلوہ دکھاتا ہے تو محبوب ہر صحرا کے شاہی خیمہ کے سایہ سے ظہور فرماتا ہے اور چاہنے والے سے کہتا ہے الم تر الیٰ ربک کیف مدّ الظِل (کیا تو اپنے پروردگار کی طرف نہیں دیکھتا کہ

اس نے سایے کو کس طرح بڑھایا) کیا تو اس سایہ کی زیادتی میں مجھے نہیں دیکھتا۔

کز خانہ بکد خدائی ماند ہمہ چیز

(گھر میں ہر چیز، گھر کے مالک سے رہتی ہے) قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ (ہر شخص اپنی شان کے مطابق کام کرتا ہے) کیا تم اس کا اعتبار نہیں کرتے کہ اگر کسی شخص کی حرکت نہ ہو تو سایہ حرکت نہ کرے۔ ولونشاءُ لجعلناہُ ساکناً کہ اگر ہماری احدیت کا سورج، عزت کے مطلع سے چمکے تو کسی سایہ کا کوئی اثر نہ رہے۔

روئے صحرا چو ہمہ پرتو خورشید گرفت نتواند نفسے سایہ برآں صحرا شد

جب تمام صحرا کے چہرہ نے آفتاب کا عکس قبول کر لیا تو کسی نفس کا اس جنگل میں سایہ نہیں پڑ سکتا۔

محققین فرماتے ہیں کہ نورِ حقیقی حق تعالیٰ کی ہستی ہے کہ تمام موجودات اس سے ظاہر ہیں اور وہ سب سے پوشیدہ۔ رسالہ حق الیقین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی تمام ہستیوں سے زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ وہ کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں اور باقی تمام ہستیاں اس کے دستِ قدرت کی پیدا کی ہوئی ہیں تمام چیزیں اُس کی ہستی کے بغیر محض معدوم ہیں اور ہر ہستی کا مبدا ادراک وہی ہے مُدرک کی جانب سے بھی اور مدرک کی جانب سے بھی۔ تم کسی بھی شے کا ادراک کرو۔ پہلے اسی کی ہستی مدرک ہوگی اگرچہ تم اس ادراک کے ادراک سے غافل رہو اور وہ اپنے کمالِ ظہور کے باعث مخفی رہے۔

ہمہ عالم بنورِ اوست پیدا کجا او گردد از عالم ہویدا
زہے ناداں کہ او خورشیدِ تاباں بنور شمع جوید در بیاباں

تمام عالم اُسی کے نور سے پیدا ہے تو وہ عالم سے کس طرح ہویدا ہو سکتا ہے۔ اس ناداں پر افسوس جو بیابان میں چراغ کی روشنی سے خورشید تاباں کو تلاش کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ کشادہ فرمادے پس وہ اپنے رب سے نور (ہدایت) پر ہو"۔ لطائف قشیریہ میں ہے کہ وہ نور جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے وہ نورِ لوائح ہے نجوم علم سے۔ پھر طوالع کا نور ہے بیانِ فہم کے لیے۔ پھر لوامع کا نور ہے علم یقین سے۔ پھر مکاشفہ کا نور ہے تجلی صفات سے۔ پھر مشاہدہ کا نور ہے ظہورِ ذات سے۔ اور پھر صمدیت کے انوار ہیں۔ اور ہیں کوئی اقرب ہے کوئی ابعد۔ کوئی افضل ہے کوئی راست تر۔ کوئی زیادہ خائف ہے اور کوئی خاموش تر۔ اور ہے سب جگہ وہی واحد قہار (اور اس کی تجلیات)

اسی مقام سے متاثر ہوکر مخدوم ملت شیخ سعد بڈھن قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا مال و متاع، استاد ابوالقاسم قشیری کے غبارِ قدم پر قربان۔ یہ حجاب کس خوبصورتی سے اٹھاکر، کس پیارے انداز سے، عشاق کے لیے جمالِ محبوب، صحرائے عالم میں جلوہ نما کردیا کہ مشتاقانِ بارگاہ کی نگاہوں کے روبرو، عروسِ مقصود اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فرما ہے"۔ نیز ارشاد فرمایا کہ "تمام محققینِ سلوک کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ سالک کے لیے راہِ سلوک میں ایک ایسا بھی مقام آتا ہے کہ اس کی دنیا، آخرت اور آخرت دنیا ہوجاتی ہے۔ اوّل، آخر سے انجام پذیر ہوتا ہے اور آخر، اوّل سے پیوستہ ہوجاتا ہے"۔ اور جب عالم یہ ہے تو کون سا محقق دنیا میں دیدارِ الٰہی کے انکار کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ جب ازل ابد تک رسیدہ، اور ابد ازل سے پیوستہ ہے، تو (ان محققین کے لیے) سب ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بن جاتا ہے"۔ نیز ارشاد فرمایا کہ "محققین (دنیا میں) رویتِ باری کو کمترین حالات میں جانتے اور (اس حالت کے اظہار کو) شرکِ جلی گردانتے ہیں"۔ پھر فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں کن باتوں میں اُلجھ گیا۔

اے فقیہ وجیہہ اگر تو (صوفیا کے لیے اسی عالم میں) دیدارِ الٰہی کا منکر ہے اور تیرے نزدیک یہ حرام ہے تو تجھے حرام ہی رہے۔ مگر طلب کا انکار کون کر سکتا ہے کہ تمام سعادتیں، بھلائیاں اور برکتیں اسی کے دم سے ہیں۔ ہاں ذرا غور کر کہ وہ کون لوگ ہوتے ہیں کہ اس دنیا اور اس جہان کو، صرف خدا کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے دل میں خدائے تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو مادرِ روزگار کم جنتی ہے۔ اگر کوئی ہے تو وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کے اہلبیت ہیں اور وہ ہیں جو ان کے ساتھ ان جیسے ہیں۔

در جنبش آمد قافلہ، مائیم و گردِ کوئے تو
ہر کس رواں شد جانبے، بیچارہ عاشق سوئے تو

قافلہ کوچ کر چکا ہے مگر ہم ہیں اور تیرے کوچہ کی خاک۔ ہر شخص کسی نہ کسی طرف چل دیا اور مسکین عاشق تیری جانب بڑھ رہا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ راہِ فقر میں دو چیزیں اصل الاصول میں ہیں۔ اوّل خدائے تعالیٰ کے علاوہ دل کو ہر چیز کی محبت سے دور رکھنا اور سب سے غیر متعلق رہنا دوسرے اپنے تمام حرکات و سکنات اور کردار و گفتار کو منجانب اللہ سمجھنا۔ اور یقین رکھنا کہ میری حیثیت اس درمیان میں ایک ہدف اور مظہر سے زیادہ نہیں۔ ہاں اِن الفاظ کا زبان سے ادا کرنا زندیق کی نشانی ہے جب کہ صدیق وہ ہے جو اس معنی پر یقین رکھے۔ شریعت مطہرہ کے راستہ پہ چلے اور اپنی زندگی حق کی بندگی میں گذار دے۔ اہلِ معرفت میں سے کسی نے کہا ہے کہ فنا و بقا کا علم، اخلاصِ وحدانیت اور صحبتِ عبودیت پر مبنی ہے۔ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ مغالطہ اور زندیقی ہے۔ پاک ہے وہ برگزیدہ بادشاہ جس سے نہ کوئی متصل ہے نہ منفصل۔ اے موحّدِ حقیقی اب سمجھ کہ ذراتِ کونیہ کا ہر ذرہ اور افرادِ ممکنہ کا ہر فرد، اگرچہ ایک ہی نور سے پیدا ہے لیکن مقامِ ظہور میں ہر ایک کا نام و نشان اور رنگ و صورت جدا جدا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک

دوسرے سے ممتاز ہوجاتا ہے اور یوں ایک عالم نو، وجود میں آتا ہے۔ شرح گلشن راز میں لکھا کہ موجوداتِ خارجیہ میں سے ہر موجودِ خارجی کے دو اعتبار ہیں۔ ایک من حیث الحقیقۃ۔ اور وہ نام ہے نورِ حق کے ظہور کا، مظاہر ممکنات کی صورتوں میں۔ اور اسے تجلیٔ شہودی کہتے ہیں۔ دوسرا بحیثیتِ تشخص و تعیّن۔ اسی حیثیت کے ماتحت اشیاء کو ممکن کہتے اور مخلوق مانتے ہیں۔ اور موجودات کی جانب تمام نقائص اور عیوب کی نسبت اسی حیثیت سے کی جاتی ہے۔

تو ہر چیزے کہ بینی بالضرورت   دو عالم دارد از معنی و صورت
بود صورت جہاں، معنی جہانیاں   تفاوت نیست در ہستی بقین داں

جو چیز تمہیں نظر آتی ہے درحقیقت اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک باعتبار صورت۔ دوسری باعتبارِ معنی۔ باعتبارِ صورت وہ جہان ہے اور باعتبار معنی اس کی حقیقت وروح۔ جب کہ ہست و وجود میں دونوں یکساں ہیں۔

بود ست و نمود ست، دگر چیزے نیست
حق ست ہمہ بود و جہاں جملہ نمود ست
شوق ست نہ وحدت، ہمہ ذوق ست نہ کثرت
کثرت نہ نمود آمد و وحدت ہمہ بود ست

دو ہی چیزیں ہیں، ایک وجودِ حقیقی دوسری اُس کا مظہر۔ وجودِ حقیقی، حق تعالیٰ ہے اور ساری کائنات اُس کا مظہر۔ وحدت سے شوق اور کثرت سے سارا ذوق (چاشنی) ہے تو کثرت، صرف مظاہر کی ہے اور وحدت، باری تعالیٰ کے لیے ثابت۔

مخدوم شیخ سعد بڈھن قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ پیر دستگیر شیخ مینا قدس سرہٗ جو اس راستہ کو دیکھے ہوئے اور نورِ حقیقی تک پہنچے ہوئے تھے فرمایا کرتے تھے کہ مشاہدہ، مکاشفہ اور تجلی کے درمیان بہت خفیف فرق ہے۔ ہر شخص ان میں تمیز نہیں کرسکتا۔ اور وہ جو مرصاد العباد میں کہا گیا ہے کہ مشاہدہ بے

تجلی اور با تجلی، اور تجلی بے مشاہدہ اور با مشاہدہ ہوتی ہے وہ درست صحیح لیکن میرے نزدیک مشاہدہ بے تجلی، مشکل امر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ تجلی نام ہے ذات و صفاتِ الوہیت کے ظہور کا۔ تو ماننا پڑے گا کہ مشاہدہ بے تجلی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میری نظر اس مقام تک نہ پہنچی ہو۔" نیز آپ کا ارشاد ہے کہ پیر دستگیر شیخ مینا قدس سرہٗ اس شعر کو بہت پڑھا کرتے۔

ورائے حسن بر روئے تو چیزیست   کہ آنرا کس نمی داند چہ نام ست

تیرے چہرہ پر حسن کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے جسے کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کیا نام ہے۔

یہاں پر دل اس کے مزید اظہار کا فتوےٰ نہیں دیتا اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَۃٌ۔ (بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے اور اس سے زائد) - اے مُوحِّد! جو نسبت حق تعالیٰ کی اس کے ساتھ ہے وہ بشری عقل و فکر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ تم یہ کیسے جانو گے کہ حق تعالیٰ نہ داخل ہے نہ خارج۔ نہ متصل ہے نہ منفصل۔ نہ قریب ہے نہ بعید۔ اور نہ ساکن ہے نہ متحرک۔

نیست از راہ عقل و فکر و قیاس   بے خدا ہیچ کس خدائے نشناخت

عقل، فکر اور قیاس کا یہاں کوئی دخل نہیں۔ توفیق خداوندی کے بغیر کوئی شخص عرفانِ الٰہی حاصل نہیں کر سکتا۔

شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے خدا کو کیوں کر پہچانا؟ فرمایا اس سے کہ مجمع اضداد ہے۔ اور یہ آیت پڑھی۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ط اور پھر فرمایا کہ اضداد کا جمع ہونا صرف حیثیتِ واحدہ ہی سے منصور ہے کہ اس واحد میں، واحد کا اعتبار کیا جائے۔ بحر الحقائق میں ہے کہ وہ اوّل ہے عین آخریت میں۔ اور آخر ہے عین اولیت میں۔ ظاہر ہے عین باطنیت میں اور باطن ہے عین ظاہریت میں۔

اوّلیؔ وہم در اوّل آخری　　باطنی وہم دراں در ظاہری

تو محیطے بر ہمہ اندر صفات　　ونہ ہمہ پاکی و مستغنی بذات

تو اوّلی بھی ہے اور اولیّت میں آخر بھی۔ اور باطن بھی ہے اور اسی آن ظاہر بھی۔ تو تمام صفات کو محیط ہے مگر سب سے پاک اور باعتبار ذات، سب سے مستغنی و بے نیاز۔

جاننا چاہیئے کہ بنی آدم کی حقیقت، جسے عالم ربّانی کا لطیفۂ مُدرِکہ عالمہ کہتے ہیں اور وہ تمام عالم ملکوت کا خلاصہ ہے۔ عالم روحانی اور عالم جسمانی دونوں سے مرکب ہے اور تمام موجودات سے کامل تر۔ اور اہل بصیرت کے نزدیک اس کے اور حق تعالیٰ کے مابین کوئی اور واسطہ نہیں۔ یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ بنی آدم کے تمام روحانی اور جسمانی فطرات سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ کہ واللہ خلقکم وما تعملون (یعنی اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور اسے جو تم کرتے ہو) تو اس کی ذات اور ذات کے عوارض کو، اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادت بنفس نفیس وجود میں لاتی ہے۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔

بیت تو فعل کا ایک آلہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ جب تو غور سے نظر کرے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ اس درمیان میں تو کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

ابوبکر واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر کام میں عاجز بنایا اور فرمایا ہے کہ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ یعنی تم کچھ نہ چاہو گے مگر اس کی مشیّت سے۔ کچھ نہ کر سکو گے مگر اس کی قوت سے۔ طاعت نہ کر سکو گے مگر اس کے فضل سے۔ اور گناہ نہ کرو گے مگر اس کے ذلیل کرنے سے۔ تو تمہارے پاس ہے کیا؟ اور تم کس چیز پر اتراتے ہو حالانکہ تم کسی چیز کے مالک نہیں۔

ز سر تا پا ہمہ ہیچیم در ہیچ　　چہ سر چہ پا ہمہ ہیچیم در ہیچ

ہم سر سے پیر تک ہیچ در ہیچ ہیں بلکہ سر اور پیر کیا ہم سراپا ہیچ ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روح کی اضافت کسی عضو کی جانب نہیں کی جاسکتی اس

لیے کہ تمام اعضاء تقسیم کو قبول کرتے ہیں جب کہ رُوح تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ تو جو چیز تقسیم کو قبول نہیں کرتی وہ تقسیم قبول کرنے والی چیز میں کیسے سما سکتی ہے ورنہ وہ بھی قسمت پذیر ہو جائے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ کسی عضو کی طرف اضافت کو قبول نہیں کرتی، اوس کے تصرّف سے کوئی عضو خالی نہیں جس طرح تمام عالم خداوند عالم کے تصرّف میں ہے اور وہ منزّہ۔ اس بات کی تکمیل اس بات سے ہوتی ہے جو حدیث شریف میں وارد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ علیٰ صُورَتِہٖ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا۔

اور جب تک تم یہ نہیں جانو گے کہ اپنی مملکت (جسم وغیرہ) میں تم کیسے حکمرانی کرتے ہو؟ یہ کیسے جان سکتے ہو کہ سلطانِ عالم (تمام کائنات میں کیسے بادشاہی کرتا ہے۔ پہلے خود کو پہچانو۔ اپنے حالات کی تفتیش کرو اور اپنے کسی فعل پر نظر ڈالو مثلاً تم بسم اللہ لکھنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے تمہارے دل میں اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے پھر دل میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور تمہارے دل سے ایک لطیف جسم حرکت کرتا اور دماغ میں پہنچتا ہے۔ پھر دماغ کے خیال میں بسم اللہ کی صورت آتی ہے۔ دماغ سے ایک اثر اعصاب تک پہنچتا ہے یہ اعصاب اُنگلیوں کو جنبش میں لاتے ہیں اور انگلیاں قلم کو۔ اور قلم آنکھوں اور دوسرے حواس کی مدد سے بسم اللہ کا نقش اسی خیال کے مطابق، کاغذ پر لاتا ہے پس جیسے کہ پہلے تم میں رغبت پیدا ہوئی۔ خدائے تعالیٰ کی صفتِ ارادت جلوہ فرماتی ہے۔ اور جس طرح اُس رغبت کا اثر پہلے تمہارے دل تک پہنچا، یوں سمجھ لو کہ ارادۂ خداوندی کا اثر عرش سے کرسی تک پہنچتا ہے۔ اور جیسے کہ بسم اللہ کا نقش تمہارے خیالِ دماغ میں اُبھرا، ہر ارادۂ الٰہی کا نقش پہلے لوحِ محفوظ پر نمودار ہوتا ہے اور جس طرح وہ لطیف قوّت جو دماغ میں ہے، اعصاب کو حرکت دیتی ہے تاکہ اعصاب اُنگلیوں کو جنبش میں لائیں اور انگلیاں قلم کو۔ اسی طرح جواہر لطیفہ جو عرش اور کرسی پر مُتوکّل ہیں وہ آسمان اور ستاروں کو حرکت دیتے ہیں۔

اور ستاروں کے واسطے اور ان کی شعاعوں کے رابطے سے اصولِ فطرت جنبش میں آتے ہیں۔ اور جس طرح قلم روشنائی سے بھر جاتا ہے تاکہ بسم اللہ کی صورت لکھی جا سکے، اصولِ فطرت، ارکانِ اربعہ میں منتشر ہو جاتے ہیں تاکہ موالیدِ سہ گانہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات کی صورت ظاہر ہو تو جس طرح تم دل پہ غالب آتے ہو کر، مملکتِ جسم کا بند و بست کرتے ہو۔ بلا تشبیہ یوں ہی حق سبحانہ و تعالیٰ استوار علی العرش فرما کر، تمام مملکت کی تدابیر فرماتا ہے کہ اِستَویٰ عَلَی العَرشِ یُدَبِّرُ الاَمرَ (وہ عرش پر مستوی ہے اور ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے)

یاد رکھیں کہ یہ وہ حقیقت ہے جو اہلِ بصیرت کو مکاشفہ سے معلوم ہوئی ہے اور اسی کی بدولت ان حضرات نے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلیٰ صُورَتِہٖ کی حقیقت کو جانا ہے۔ اسی مقام پہ یہ نکتہ حل ہو جاتا ہے جو محققین نے فرمایا کہ کائنات کے تمام امور کی، تمام اوقات میں بازگشت حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ وسائل کے حجابات اٹھ جائیں۔ تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔

صورتِ کثرت، حجبِ وحدت ست غلبتِ ما، مانعِ نورِ حضور

دیدۂ دل باز کُن و ببیں سرِّ الی اللّٰہ تصیر الامور

کثرت کی صورت وحدت کا حجاب ہے اور ہمارا غائب رہنا نورِ حضور سے مانع۔ اپنے دل کی آنکھیں کھول اور دیکھ کہ الی اللّٰہ تصیر الامور کا راز کیا ہے۔"

ذہن نشین رہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات محض وحدت ہے اور عالمِ جبروت میں تمام موجودات بیک دم موجود ہیں لیکن نام اور نشان نہیں رکھتے اور شکل و صورت قبول نہیں کرتے۔ اس طرح عالمِ جبروت میں سب کچھ ہے اور کچھ نہیں۔ اور عالمِ ملکوت عالمِ مراتب ہے کہ عالمِ جبروت کا نام و نشان یہاں وجود پاتا ہے لیکن عالمِ ملک عالمِ اضداد ہے کہ اس میں شکل اور صورت آشکارا ہوتی ہے لیکن عالمِ ملک کی لطافت کو عالمِ ملکوت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں اور عالمِ ملکوت کی لطافت عالمِ جبروت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں رکھتی کہ وہ

عالم حد درجہ لطیف ہے۔ اور عالمِ جبروت کی لطافت، ذات خداوند تعالیٰ کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں رکھتی اس لیے کہ وہ بے انتہا الطف ہے۔ پھر عالمِ ملک کا کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ عالم ملکوت کی ذات اس میں جلوہ گر اور اس کو محیط نہ ہو اور عالمِ ملکوت کے ذرات میں کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ جبروت کی ذات" اس میں کارفرما نہ ہو۔ اور عالم ملک و عالم ملکوت اور عالم جبروت کا کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ خداوند تعالےٰ کی ذات کی تجلی اس میں نہ ہو وہ اس کا احاطہ نہ کیے ہو اور اس سے واقف نہ ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے اَلَا اِنَّھُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّھِمۡ۔ اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ۔ (سنو کہ انہیں ضرور اپنے رب سے ملنے میں شک ہے۔ سنو وہ ہر چیز کو محیط ہے) نیز ارشاد قرآنی ہے۔ وَیَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَجَھۡرَکُمۡ وَیَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ (اُسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے) ان آیات کے حقیقی معنی یوں بیان کیے گئے ہیں کہ آدمی صورۃً جسمانی ہے اور معنیً روحانی۔ وہ صورۃً عالمِ خلق سے ہے اور معنیً عالمِ امر سے۔ اس کا سرّ عالمِ امر سے ہے اور اس کا جہر مرتبۂ خلق ہے۔ بحر الحقائق میں منقول ہے کہ ہر سرّ سے سرِّ خلافت ہے جس کو انسان میں امانۃً رکھا گیا ہے اور جہر حیوانی صفات اور انسانی احوال ہیں۔ لہٰذا حق تعالیٰ اسرار خصائص کو کہ مرتبۂ غیب میں ہیں پہچانتا ہے اور آثارِ نقائص کو کہ عالمِ شہادت میں ہیں، جانتا ہے۔ وہ ہمارے ان اعمال سے واقف ہے جو مراتب انسانیہ میں ترقی کے موجب ہیں۔ یا حیوانی درجوں پر تنزل کے باعث۔ اس لیے کہ وہ لطیف علی الاطلاق ہے اور لطیفِ مطلق، محیطِ مطلق اور خبیرِ مطلق ہوتا ہے۔

ظلِ ارواح اند، اشباح ہمہ   ظلِ اعیان اند، ارواح ہمہ
بازِ اعیان، ظلِ اسمائے حق اند   باز اسماء، ظل ذات مطلق اند

تمام اجسام، ارواح کے ظلّ ہیں۔ تمام ارواح اعیان کے پرتو ہیں۔ پھر اعیانِ اسماءِ الٰہیہ کے عکس ہیں اور اسما ذاتِ مطلق کے ظلّ ہیں۔

اے موحد! تیرا شرف اور تیری بزرگی یہ ہے کہ جب تک محبوب نہ بن جائے مُحب نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب تک خداوند تعالیٰ تم کو اپنا محبوب نہ بنا لے اور اپنی دوستی میں قبول نہ فرمائے تم اس کی دوستی کا دم نہ بھرو تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری محبت کرنا، یہ حق تعالیٰ کی تم سے محبت کا عکس ہے۔ سمنون محبّ سے لوگوں نے پوچھا کہ محبت کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبّت کا سوال کرتے ہو یا بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا؟ میں اس وقت خضر علیہ السلام کے ساتھ تھا اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا وہ نکتہ بیان کر رہا تھا کہ ملائکہ ملکوت میں اس کے سننے کی تاب نہ تھی۔ اور اربابِ حقیقت کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی محبت قدیم ہے اور بندہ کی محبت حادث۔ اور حادث جب قدیم سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔

چوں تجلّی کرد اوصافِ قدیم　　پس بسوزد وصفِ محدث را کلیم

جب اوصافِ قدیم تجلی فرماتے ہیں تو کلیم اللہ بھی اپنے وصفِ حادث کو سوختت کر دیتے ہیں۔

پس جیسے کہ تمہارا اُس سے چاہنا یہ عکس ہے اس کی محبت کا تم سے۔ اسی طرح تمہاری ذات اور صفات اس کی ذات و صفات کا پَرتو ہیں۔

تو بودی عکسِ معبودِ ملائک　　ازاں گشتی تو مسجودِ ملائک

تجھ میں معبودِ ملائک کا پرتو تھا اس لیے تجھے مسجودِ ملائک بنایا گیا۔

اے موحد! آئینہ میں دیدۂ عبرت سے نظر ڈال کہ آئینہ میں نظر آنے والا عکس، بعینہٖ، آئینہ دیکھنے والے شخص کا عکس ہے۔ لیکن یہ ایک صرف نمود ہے جس کا بالاستقلال کوئی وجود نہیں۔ یہیں سے اپنی ماہیت کو پہچان۔ اور ظاہر ہے کہ وہ عکس نہ آئینہ میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔ نہ اس سے متصل ہے نہ منفصل۔ اس سے تم اپنی جان و جسم کا تعلق معلوم کر سکتے ہو۔ ایک بات اور بھی ہے کہ وہ عکس، اُلٹ کر آنے والی شعاع ہے صورت

کا پلٹ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئینے کو دیکھنے والا، اپنا دایاں ہاتھ ہلاتا ہے تو عکس میں بایاں ہاتھ، جو دائیں ہاتھ کے مقابل ہے حرکت کرتا ہے۔ اگر وہ عکس منقلب ہوتا تو اس شخص کے دائیں ہاتھ کی حرکت سے، عکس کا دایاں ہاتھ حرکت کرتا اور بائیں ہاتھ کی حرکت سے بایاں ہاتھ حرکت میں آتا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ دل جو بائیں جانب رکھا ہوا ہے وہ درحقیقت دائیں جانب ہے۔ نیز اگر وہ عکس منقلب ہوتا تو وہ اس شخص کے روبرو نہ پڑتا بلکہ عکس کی پشت اس شخص کے چہرہ کے مقابلہ میں آتی۔ نیز یہ کہ لوہے کو صیقل کیا تو اس میں یہ صفائی حاصل ہوئی کہ عکس کی نمائش، صرف اس کی صفائی سے ہوگئی۔ پھر آئینہ اگر قریب ہوتا ہے تو وہ عکس قریب نظر آتا ہے اور اگر دور ہوتا ہے تو دور۔ اور وہ جتنا دور ہوتا جائے گا دور ہی نظر آتا جائے گا۔

اور اگر آئینہ کو آسمان کے مقابل رکھو تو آسمان، اور آفتاب کا عکس اگرچہ وہ چوتھے آسمان پر ہے اس صفائی میں نمودار ہو جائے گا۔ اور اگر آسمان حائل نہ ہو تو تمام علویات اور سفلیات اس کی صفائی میں ظاہر ہو جائیں۔ اسی طرح تیرے دل کا آئینہ اگر مصقّل اور مصفّا ہو جائے تو تمام عالمِ بالا و عالمِ پست کی اس میں جلوہ نمائی ہو اور بایں طور، تو ہر مکان میں موجود و حاضر رہے۔

حکایت مخدوم شیخ ابو الفتح جونپوری قدس سرہٗ کے پاس ماہ ربیع الاوّل میں بتقریب میلاد مبارک رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس جگہ سے استدعا آئی کہ بعد نماز ظہر تشریف لائیں۔ آپ نے ہر جگہ کا بلاوا قبول کر لیا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اے مخدوم آپ نے دسوں جگہ کا بلاوا قبول کر لیا اور دسوں جگہ ظہر کے بعد چلنا ہے یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا کہ کرشن چندر تو کافر تھا بیکدم (بطور استدراج) سینکڑوں جگہ پہنچتا۔ اگر ابو الفتح دس جگہ موجود ہو جائے تو حیرت کی کیا بات ہے۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد جب ایک جگہ سے ڈولی پہنچی، مخدوم حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ پالکی پر سوار ہو گئے اور تشریف لے گئے۔ یونہی جب دوسری جگہ سے سواری آئی۔

الغرض دسوں جگہ سے سواری آئی" مخدوم ہر مرتبہ حجرہ سے باہر تشریف لاتے" پالکی پر سوار ہوتے اور تشریف لے جاتے۔ اور (لطف یہ کہ) حجرہ میں بھی تشریف فرما رہتے۔ اے عقلمند! تو اسے تمثیل مت سمجھ لینا یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ شیخ کا مثالی وجود اتنے مقامات پر تشریف لے گیا۔ نہیں خدا کی قسم خود شیخ کی ذات ہر جگہ تشریف لے گئی۔ بلکہ یہ تو صرف ایک شہر اور ایک مقام کا واقعہ ہے جب کہ بحرِ توحید میں مستغرق رہنے والے تو تمام عالم میں خواہ علویات ہوں یا سفلیات موجود رہتے ہیں۔

نقل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی سی ستر صورتیں دیکھیں کہ ان میں سے ہر ایک ربّ ارنی کہتی تھی۔ عرض کیا کہ خدایا یہ کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ یہ سب تمہاری ہی نمود ہے۔ جب تم خود کو نہیں دیکھ سکتے تو ہمارا جلوہ کیسے دیکھو گے۔

ہر چہ در طبعِ تو نیاید راست | تو ندانستۂ، مگو کہ خطاست

جو بات تمہاری سمجھ کے مطابق صحیح نہ ہو تو یہ سمجھو کہ تم نہ جان سکے۔ یہ نہ کہہ بیٹھو کہ غلط ہے۔

اب ہم محبت اور لوازمِ محبّت سے متعلق چند نکتے لکھتے ہیں۔ صاحبِ لوامع قدس سرہٗ نے فرمایا کہ محبت؛ جمیلِ حقیقی کا خود اپنے جمال کی جانب، کلّی توجہ اور تفصیل سے؛ میلان کا نام ہے۔ اور وہ چار قسم پر ہے۔ کُل سے کل کی جانب میلان۔ اور وہ جمالِ ذات کا، مشاہدہ ہے آئینہ ذات میں؛ بلا واسطہ کائنات۔

معشوق کہ کس سرِ جمالش نشناخت | در ملکِ ازل لوائے خوبی افراخت
نے طاسِ سپہر بود و نہ چہرۂ مہر | ہم خود بخود ایں نردِ محبت می باخت

وہ معشوق کہ کسی نے اس کے جمال کے راز کو نہ پہچانا اس نے مُلکِ ازل میں جمال کا عَلَم بلند کیا۔ نہ وہاں آسمان کا طشت تھا اور نہ چاند کا چہرہ۔ بلکہ وہ خود بخود محبت کی شطرنج کا کھیل ملاحظہ فرما رہا تھا۔

دوسرے کل سے تفصیل کی جانب توجہ۔ جیسا کہ ذاتِ یکتا کا اپنے بے شمار و لاتعداد لمعاتِ جمال کے مظاہر کا مشاہدہ اور اپنی صفاتِ کمال کا مطالعہ۔

جاناں کہ دمِ عشق زند باہمہ کس — کس را نرسد بدامنش دستِ ہوس
مرآتِ شہودِ اوست ذراتِ وجود — باصورتِ خود عشق ہمی بازد و بس

وہ معشوق جو ہر شخص سے محبت کا دم بھرتا ہے اس کے دامن تک کسی کی ہوس کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ اس کے شہود کے آئینے ہیں۔ وجود کے سارے ذرات اس لیے وہ خود اپنے ہی جمال سے عشق کرتا ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں۔

تیسرے تفصیل سے تفصیل کی جانب التفات جیسا کہ اکثر انسانی افراد جمالِ مطلق کا عکس، آثارِ قدرت کی تفصیلات کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی جمالِ مقید کو کہ رو بہ زوال ہے اپنا مقصودِ کلی بنا لیتے ہیں۔ اسی کے وصل کی لذتوں سے خوش ہوئے اور اس کے فراق میں، محنت و ریاض سے دردمند پھرتے ہیں۔

اے حسنِ تو کردہ جلوہا در پردہ — صد عاشق و معشوق پدید آوردہ
از حسنِ تو لیلیٰ، دلِ مجنوں بردہ — وز شوقِ تو وامق، غمِ عذرا خوردہ

تیرے ہی حسن نے پردے پردے میں، جلوہ نمائی کی۔ اور ہزاروں عاشق و معشوق پیدا فرمادیئے۔ تیرے ہی حسن کی بدولت، لیلےٰ نے مجنوں کا دل لیا اور تیرے ہی شوق سے وامق کو عذرا کا غم کھانا پڑا۔

چوتھے تفصیل سے کل کی جانب رجوع۔ چنانچہ بندگانِ خاص عقل کے سرمایہ کو افعال اور آثار کے کارخانوں سے باہر لے آتے ہیں اور حالات و صفات کے حجابات کو، کہ افعال اور آثار کے مبدا ہیں، پھاڑ کر اپنی مرادات سے لپٹے ہوتے ہیں اور ان کے دل کی توجہ کا قبلہ گاہ، سوائے اس ذاتِ برگزیدہ صفات کے کوئی اور نہیں۔

بیروں ز حدِ کائنات ست دلم — برتر ز احاطۂ جہات ست دلم
فارغ ز صقالۂ صفات ست دلم — مرآتِ تجلیاتِ ذات ست دلم

میرا دل کائنات کی حدوں سے باہر، اور میرا دل جہات کے احاطہ سے برتر ہے۔ بلکہ میرا دل تو صفات کی آب و تاب سے فارغ؛ اور تجلیاتِ ذات کا آئینہ ہے۔

حضرت قطب العارفین ناصر الحق والدین علیہ اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر غور سے نظر کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے مراتب وجود میں کسی مرتبہ کو دوست نہیں بنایا اس لیے کہ کسی صاحبِ جمال کا، آئینہ سے محبت رکھنا، آئینہ کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ اس میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لیے حقیقتہً یہ محبت، اپنی ذات سے محبت ہے۔

یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ چہ اقرار است
بزیرِ پردہ مگر خویش را خریدار ست

یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے دوست رکھتے ہیں) یہ بظاہر دوستی کا اقرار ہے مگر پردے پردہ میں وہ خود اپنا خریدار ہے۔

اب پہلا مرتبہ کہ کُل سے کل کی جانب۔ اس مرتبہ میں یہ حدیث شریف کہ اللہ جَمِیلٌ وَ یُحِبُّ الجمال۔ اللہ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے" داخل ہے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ صاحبِ جمال ہے، جمال اس کی صفت ہے اور وہ جمال کو دوست رکھتا ہے تو محبّت بھی اسی کی صفت ہے۔ اور یہ دونوں صفت اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، قدیم ہیں کہ کائنات کا واسطہ نہیں۔ لیکن اس مقام سے ذات کا میلان صفت کی جانب، یا صفت کا میلان صفت کی جانب تو سمجھ میں آتا ہے ذات کا میلان ذات کی جانب، سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تعالےٰ بہتر جاننے والا ہے۔

عاشقِ حُسنِ خود ست آں بے نظیر　　حُسنِ خود را خود تماشا می کند

وہ بے مثال خود اپنے حسن کا طالب ہے اور اپنے حُسن کا نظارہ خود فرماتا ہے

اور دوسرا مرتبہ جو کل سے تفصیل کی جانب ہے اور چوتھا جو تفصیل سے کل کی جانب ہے یہ دونوں مرتبے یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ سے مفہوم ہوتے ہیں - اگرچہ چاروں ہی مرتبے یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ میں داخل ہیں - لیکن یہ دونوں مرتبے اس آیت سے صراحۃً حاصل ہیں - اور تیسرا مرتبہ جو تفصیل سے تفصیل کی جانب ہے - اس مرتبہ میں بہت بوالعجبیاں اور حیرت سامانیاں واقع ہیں - دو تین واقعات ہم بھی لکھتے ہیں -

حکایت مؤلف کے دوستوں میں سے ایک شخص شیخ نظام نامی تھا جو ایک مغل کی لڑکی کو تعلیم دیتا تھا - وہ لڑکی بے انتہا خوب صورت تھی - ایک جوان کی نظر اس کے جمال پر پڑی اور اس پر عاشق اور گرفتارِ بلا ہو گیا - اپنی نامرادی اور بیقراری کا حال شیخ نظام سے بیان کیا - شیخ نظام نے کہا کہ تم ہر روز میرے ساتھ چلا کرو - میں اُسے پڑھاتا ہوں تم وہاں بیٹھے اُسے دیکھ لیا کرو - چنانچہ اس طرح ایک مدت گزر گئی - ایک روز اس درد کے مارے جوان نے شیخ نظام سے آہستہ سے کہا کہ اس لڑکی سے کہیئے کہ ایک پیالہ پانی کا مجھے دے - شیخ نظام نے اس لڑکی سے کہا کہ ایک پیالہ پانی کا پینے کے لیے لا - وہ پیالہ بھر کر لائی تو کہا کہ اس جوان کو دے دے - وہ لڑکی پانی کا پیالہ اس جوان کے رُوبرو لے گئی - جوان نے پیالہ اس کے ہاتھ سے لیا اور جان پیدا فرمانے والے کو اپنی جان سونپ دی -

جگر از واقعاتِ عشق، خوں شد ندانم حالتِ آں خستہ چوں شد
زِ قربِ نورِ خورشید جمالش زِ قالب نورِ شمع جاں برون شد

عشق کے واقعات سے جگر خوناخون ہے - میں نہیں جانتا کہ اس زخمی کا کیا حال ہوا - (یہ جانتا ہوں کہ) اُس کے جمالِ خورشید کی روشنی کا قرب ملا تو جسم سے، شمع روح کا نور مل گیا -

حکایت ایک ہندو عورت کو اپنے شوہر سے بہت محبت تھی - وہ بھی اپنی بیوی کو بہت زیادہ چاہتا اور محبت کرتا تھا - بقضائے الٰہی، شوہر کا

انتقال ہوگیا۔ عورت اُس کے ماتم اور مصیبت میں خود کو گھلاتی رہی۔ اپنے یار کے دیدار بغیر، اسے جینا دوبھر ہوگیا۔ دن رات اسی غم میں رہتی اور آنکھوں کے چشمے سے آنسو بہاتی۔ ناچار اس عورت کے ماں باپ نے اُسے دوسرے شوہر کے ساتھ بیاہ دیا تاکہ اُسے کچھ سکون ملے۔ دوسرا شوہر اُسے اپنے گھر کی طرف لے کر چل دیا۔ اس کا گھر دوسرے گاؤں میں تھا۔ وہ غم واندوہ کی تصویر بنی اس شوہر کے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ کہ اچانک اُس طرف سے ایک مرد گاتا ہوا آنکلا جو یہ سورٹھ پڑھ رہا تھا۔

ہم پر ہری کنکال سرس میت کر نین گئی
جب تک سدا کال سب بھادیں باچا ئرین

اس کا مضمون فارسی میں یہ ہوا کہ

تو عہد با کس نوخیز د نوجوان بستی
وثوق عہد کہ بامات بود بشکستی
بنقض عہد مگر تا ہمیشہ خواہی زیست
کہ خاطر من دل خستہ زیں بخاستی

تو نے ایک نو عمر اور نوجوان سے عہد و پیمان باندھ لیا اور ہم سے جو پکا عہد تھا اسے توڑ ڈالا۔ تو اس عہد شکنی کے باعث شاید کہ ہمیشہ زندہ رہ سکے مگر میرے زخمی دل کو تو نے اس ظلم سے اور زخمی کر دیا۔

عورت نے یہ سُن کر اس گانے والے سے کہا کہ خدا کے لیے ذرا دیر رُک جا۔ وہ ٹھہر گیا پھر عورت نے چلنے والوں کو جو ادھر اُدھر سے آ جا رہے تھے انہیں بھی کھڑا کر لیا۔ اور اس گانے والے سے کہا کہ ایک مرتبہ اس سورٹھ کو پھر پڑھ۔ اس نے اس سورٹھ کو پھر اسی لہجے میں کہا۔ اس عورت نے ایک چیخ ماری اور زمین پر آرہی اور جانِ آفریں کو اپنی جان دے دی۔

اِنْ لَمْ اَمُتْ یومَ الوَداعِ تَاَسُّفًا
لا تَحْسَبُوْنِیْ فِی الْمَوَدَّۃِ مُنْصِفًا

اگر فراق والے دن میں اپنی جان غم کے مارے نہ دے دوں تو اے لوگو

تم مجھے محبت میں انصاف کرنے والا مت سمجھنا۔

جاں عہدِ وفا بست بداں حسنِ کمالش
پیوست بدیں عہد، بخوبیٔ و جمالش
موت است پُلِ وصلِ حبیبے بہ حبیبے
بگذشت ز پُل خفتہ، بسنجابِ وصالش

اس کے کمال حسن کے ساتھ روح نے محبت کا عہد کیا اور اس عہد کے سبب وہ اس کی خوبی اور جمال سے مل گئی۔ ایک حبیب کا دوسرے حبیب سے وصل کا پُل موت ہے۔ اس پل سے وہی پار ہوتا ہے جو محبوب کے وصال کے سنجاب (ایک جانور) پر سوار ہو کر سوتا گزر جاتا ہے۔

حکایت ایک خوب صورت کو جو بہت زیادہ مناسب حسن رکھتی تھی۔ اپنے عزیزوں سے ملاقات کا شوق ہوا۔ اس کے رشتہ دار اور مقام پر رہتے تھے۔ اس نے برقعہ اوڑھا، گھوڑے پر بیٹھی اور چل دی۔ ہوا گرم تھی۔ وہ ایک درخت کے سایہ کی طرف گئی۔ کچھ دیر کھڑی ہوئی اور اپنے چہرہ سے برقعہ ہٹا دیا۔ اس جگہ ایک مسافر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظر اس عورت پر پڑی اور اس پر عاشق ہو گیا اور اس کی بے قراری بڑھتی گئی۔ عورت نے دیکھا کہ یہاں ایک اجنبی آدمی موجود ہے۔ اس نے فوراً چہرے پر برقعہ ڈالا اور چل دی البتہ اس مسافر کی بے تابی اور بے قراری کو سمجھ چکی تھی۔ جب تیسرے روز واپس آئی تو پھر اس درخت کے نیچے پہنچی دیکھا کہ جہاں وہ مسافر بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک نئی قبر بنی ہوئی ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر بنائی گئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ غریب مسافر جو اس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اس کی نظر تمہارے جمال پر پڑی اور بے قرار ہو گیا اور جب تم رخصت ہوئیں تو اس کی روح بھی تمہارے ساتھ رخصت ہو گئی اور بے جان جسم یہاں پڑا رہ گیا۔ ہم نے اسے یہیں دفن کر دیا۔ جب عورت نے یہ ماجرا سنا تو وہ رشتہ جو حسن و عشق کے مابین ہے اس

میں حرکت ہوئی۔ وہ گھوڑے سے اتر پڑی۔ برقع چہرہ سے پھینک دیا اور اس قبر کو اپنی آغوش میں لیا اور قبر میں غائب ہو گئی۔ مگر قبر میں کوئی سوراخ اور شگاف پیدا نہ ہوا۔ وہ غلام اور لونڈیاں جو اس عورت کے ہمراہ تھیں چلائیں، روئی پیٹیں اور اس قبر کو کھودا مگر اس عورت کو قبر میں نہ پایا اور یہ دیکھا کہ اس عورت کا تمام زیور جو اس کے ہاتھ پیر کان اور گردن میں تھا وہ مرد کے ہاتھ پیر کان اور گردن میں پڑا ہوا ہے۔ سرمہ کی سیاہی جو اس کی آنکھ میں تھی مرد کی آنکھ میں ہے اور پان کی جو سرخی اس کے ہونٹوں میں تھی مرد کے ہونٹوں میں ہے۔ لیکن قبر میں موجود مرد ہے اور عورت غائب۔ اب لوگ تو اور زیادہ شور و غل کرنے لگے اور جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو ناچار اس مرد کے ہاتھ پاؤں، کان اور ناک سے وہ زیور اتار لیا اسے دفن کر دیا اور روانہ ہو گئے۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ ان پہلی دو حکایتوں میں مظہر حسن نے مظہر عشق کو کھینچا اور اس حکایت آخر میں مظہر عشق نے مظہر حسن کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ محرم راز کو چاہیئے کہ اس راز کی تحقیق کرے۔

بوالعجب بابے بروئے ہر دو تن مفتوح شدم
آں دو تن آیا چساں یک قالب و یک روح شد
گاہ عشق آید بحسن و گاہ حسن آید بعشق
جان قدسی پے بر و کہ عاشقے مجروح شد

اے بوالعجب! ان دونوں کے روبرو ایک دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں جسم گویا کہ ایک قالب اور ایک روح ہو گئے۔ کبھی عشق حسن کی طرف جھکتا اور کبھی حسن عشق کی جانب کھینچتا ہے۔ اور پاک جان اس بات پر جان دیتی ہے کہ اس کا ایک عاشق زخمی ہو گیا۔

حضرت سمنون قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ آپ محبت میں کچھ بات کر رہے تھے اور آپ کا طائرِ روح، عالم لاہوت کی فضا میں پرواز کر رہا تھا

ایک پرندہ فضا سے نیچے آیا اور زمین پر اپنی چونچ رگڑنے لگا یہاں تک کہ اس کی چونچ سے خون بہنے لگا اور آتشِ محبت کی تپش سے کہ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (خدا کی وہ آگ جو جلی ہوئی ہے اور چہروں پر لپٹیں مارتی ہے) ہے اس کے بال و پر کو پھونک دیا اور اس نے جان دے دی۔

بسکہ مُرغِ سحری در غمِ گلزار بسوخت　　جگرِ لالہ براں دل شدۂ زار بسوخت

(بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مُرغِ سحری، گلزار کے فراق میں اپنی جان سوخت کر لیتا ہے لیکن ساتھ ہی، جگرِ لالہ بھی، اس اندوہ گین دل کے لیے جل اٹھتا ہے)

فتوحات میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس پرندے کو شیخ سمنون کی بات سمجھنے کی طاقت عطا فرمائی یہاں تک کہ وہ سلطانِ محبت کا محکوم ہو گیا۔ اور حاضرین کو نصیحت اور دعویداروں کی تنبیہ کے لیے یہ حالت وقوع میں آئی۔

روحِ قدسی فدائے عشق بوَد　　عشق او را تو رائیگاں مَطلب

پاکیزہ جان، عشق پر قربان ہو جاتی ہے۔ اے بندۂ خدا تو اس کے عشق کی، بلا عوض، طلب نہ کر)

کشف الاسرار میں ہے کہ جو آگ دل میں لگتی ہے وہ عُجب کی آگ ہوتی ہے، حسین منصور قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ستر سال تک نارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ (اللہ تعالیٰ کی بھڑکتی ہوئی آگ) ہمارے باطن میں جلائی گئی یہاں تک کہ وہ سب سوخت ہو گیا۔ پھر ایک شعلہ سا واردات اَنَا الحق کا بھڑکا اور سوختہ تن میں جا پڑا۔ اب کسی ایسے سوختہ دل کی ضرورت ہے جو ہمیں ہماری سوزش کی خبر دے۔

اے شمع بیا، تا من و تو راز بگوئیم　　کاحوال دلِ سوختہ، ہم سوختہ داند

اے شمع آ کہ ہم اور تو کچھ راز کی بات کہیں۔ اس لیے کہ سوختۂ دل کو سوختہ

دل ہی پہچانتا ہے۔
اہلِ طریقت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ سے یہ ہے کہ وہ اپنی حضرت قرب کا اُسے مقرّب بنا لے۔ اور بندہ کی محبت اللہ سے یہ ہے کہ اس کا دل سوائے خدا کے ہر چیز سے فارغ رہے۔ لوامع میں ہے کہ عشق کے وہ عجائبات جو عالمِ بشریت میں ہیں مملکتِ ملکوتیت (عالمِ فرشتگان) میں نہیں۔ اس لیے کہ فرشتے، لطف و عصمت کے ناز پروردہ ہیں اور ناز و نعمت میں پرورش پانے والوں اور بغیر درد و اندوہ کے چاہنے والوں کی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ عشق انہیں کو سزاوار و لائق ہے جن کا سرمایہ بازار ہے۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا۔ (کیا تو اس میں ایسوں کو پیدا فرمائے گا جو اس میں فساد برپا کرے) اور اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا کا داغ، جن کے اوقات کی زیبائش ہے۔

عاشقے را، درد و بدنامی خوش است — عاشقاں را سوزہ و ناکامی خوش است
عاشقی کے لیے درد اور بدنامی عاشقوں کے لیے سوزش و نامرادی اچھی چیزیں ہیں)

اے موحد! اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو خلافت بخشی تو ان میں پہلے (ان کے لائق) معصیت اور لغزش پیدا فرمائی۔ اگر یہ لغزش ان میں نہ ہوتی تو اسمار اور صفات کا علم ان پر منکشف نہ ہوتا۔ اور اگر وہ لغزش کی وادی سے نہ گزرتے تو یُحِبُّهُمۡ کی تجلی یُحِبُّوۡنَهٗ کی صورت میں اُن پر نہ ڈالی جاتی۔ اور اگر ان میں تخمِ جرم کی اہلیت نہ ہوتی تو امانت کا بوجھ کس طرح اٹھا لیتے۔ حضرت آدم کی لغزش فرشتوں کی معصومیت پر بازی لے گئی کہ انہیں مسجودِ ملائکہ بنایا گیا۔ اور چونکہ فرشتوں کو گناہ سے کوئی سروکار نہ تھا اس لیے وہ اس سوال کی جرأت کر بیٹھے اور بولے کہ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا اور یہ جواب پایا کہ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (جو ہم

جانتے ہیں تم کیا جانو) یعنی جو اسرار ہم انسان کی معصیت کاری میں جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔

بکمالِ صدق محبت بہ بین نہ نقص گناہ   کہ ہر کہ بے ہنر افتد، نظر بعیب کند

تو کمالِ صدق محبت کو دیکھ۔ گناہ کے نقص پہ نظر نہ ڈال، اس لیے کہ جو بے ہنر ہوتا ہے اسی کی نظر دوسروں کے عیبوں پہ پڑتی ہے۔

جب کہ یہی معصیت، رافت رحمت اور مغفرت کے خزانوں کی کنجی' اور حسرت، ندامت اور معذرت کا وسیلہ ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کی ہمیں اجازت نہیں اس لیے کہ القدر سر اللہ فلا تفشوہ (قدر اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس کے قریب نہ جاؤ")

حافظ چو نافۂ سرِ زلفش بدست تست

دم درکش، ارنہ بادِ صبا را خبر شود

اے حافظ جب اس کی زلف کا نافہ تمہارے ہاتھ ہے تو پھر خاموش ہو جاؤ ورنہ بادِ صبا کو خبر ہو جائے گی۔

اب کچھ باتیں امانت خداوندی کے بارے میں لکھتا ہوں کہ امانت کا آفتاب عرصۂ الوہیت کے برج سے چمکا اور ارشاد ہوا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ؕ بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔ بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا، بڑا نادان ہے (یعنی آسمان نے کہا کہ مجھ میں وصفِ رفعت موجود ہے۔ زمین نے فریاد کی کہ مجھ میں کشادگی و وسعت ہے۔ پہاڑ سے آواز آئی کہ میرا قدم راسخ ہے۔ ہم اس بوجھ کے اٹھانے کی قوت نہیں رکھتے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیں کوئی مصیبت پہنچے اور ہماری یہ خوبیاں بھی

چھن جائیں۔ مگر انسانِ خاکی نے سوچا کہ میرے پاس کیا ہے جو واپس لے لیا جائے گا۔ اس لیے کہ المفلس فی امان اللہ۔ (مفلس اللہ کی امان میں ہوتا ہے) وہ جرأت سے بڑھا اور جس بوجھ کو عظمت وشکوہ والے آسمان نہ اٹھا سکے اسے اپنے نیاز مند کاندھے پر اٹھا لیا۔ پھر ھل من مزید (کیا کچھ اور ہے) کا نعرہ لگایا۔ ارشاد ہوا کہ اے جرأت مند خاکی یہ حوصلہ، تو نے کہاں سے پایا؟ عرض کیا کہ ہر بارِ گراں، یارِ مہرباں کی مدد سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ حملِ امانت کی خلعت، انسان کے قامتِ با استقامت کے سوا کسی پر راست نہ آئی اور اس بوجھ کے اٹھانے کی پوشاک، مطیع وفرماں بردار، بشری اجسام کے علاوہ، کسی اور جسم پر چسپت نہ ہوئی۔ جب ایسا باعظمت کام اور ایسی پر شوکت مہم، اس کے نام ہوئی تو حاسد شیاطین کی نظرِ بد کے زخم سے بچانے کی خاطر، کہ یہ انسان کے پرانے دشمن ہیں، ان کی جانب، آتشِ غیرت پر، اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا کا دانۂ سیاہ پھینکا گیا تاکہ وہ اندھے ہو جائیں۔

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

سعدی پھول کی مانند ہے مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا۔

فتوحات میں ہے کہ امانت اسمائے حسنیٰ سے متصف ہونے کا نام ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ (اور اللہ ہی کے لیے ہیں بہت اچھے نام۔ تو اُسے ان سے پکارو) یعنی تم اس کے اوصاف سے متصف اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ۔ حضرت قاسم انوار قدس سرہ نے بعض رسائل میں امانت سے مراد خلافت لی ہے اور حضرت شیخ مخدوم شیخ حسین قُدِّسَ رُوحہ سے فرمایا کرتے کہ امانت کے متعلق بہترین بات یہ ہے کہ ہم تمہیں اختیار اور تصرف سے متہم کریں تو تم اس کا اعتراف کرو۔ اور گناہ اور گمراہی سے تمہیں مخاطب فرمائیں تو تم اس کا اقرار کرو اور یہ نہ کہو کہ اختیار و تصرف تو تیرا ہے اور معصیت و گمراہی تو تیرے ارادہ و قضا سے ہے۔ بلکہ اپنے اوپر الزام لو اور یہاں کہو رَبَّنَا ظَلَمْنَا

اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ط اے رب ہمارے! ہم نے اپنا آپ بُرا کیا۔ تو اگر ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے۔ تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔

گناہ گرچہ نبود اختیارِ ما حافظ　　　تو بہ طریقِ ادب باش، تو گناہِ منست

گناہ گرچہ نہ تھا اختیار میں حافظ۔ مگر ادب سے کہو ہاں گناہ میرا ہے۔

امام تستری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ امانت کا بار اُن پر عرض (پیش کرنا) تھا اور انسان پر فرض فرمایا۔ شیخ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نظر تو عرض پر تھی (ان کی نظر پیش کرنے والے) امانت کے ثقل پر نہیں۔ عرض کی لذت نے ان کے دل سے امانت کے ثقل کو محو کر دیا۔ لہٰذا لطفِ ربّانی نے زبانِ کرم سے فرمایا کہ اچھا امانت تمہارے سپرد اور حفاظت ہمارا ذمہ کرم۔

راہِ او را بدو تواں پیمود　　　بارِ او را بدو تواں بردا شت

اُس کا راستہ اُسی کی مدد سے چلا جا سکتا ہے اور اس کا بار اُسی کے سہارے اٹھایا جا سکتا ہے۔

ساتواں سنبلہ

فوائدِ متفرقہ میں

فائدہ جاننا چاہیئے کہ دل کے اندر ایک سُوراخ ہے جو ملکوت آسمان کی جانب کھلا ہوا ہے جیسے کہ دل کے باہر پانچ دروازے کھلے ہوئے ہیں جن کا رُخ عالم محسوسات کی جانب ہے۔ دل ایک آئینہ کی طرح۔ اور لوحِ محفوظ ایک اور آئینہ کے مثل ہے جس میں تمام موجودات کی صورتیں موجود ہیں۔ اور جس طرح تم ایک آئینہ کو دوسرے آئینے کے مقابل رکھو تو اس کی صورت اس میں نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح لوحِ محفوظ سے تمام صورتیں دل میں صاف نظر آتی

ہیں جب کہ وہ صاف اور محسوسات سے فارغ ہو اور اس سے مناسبت پیدا کر لے ۔ کہ جب تک وہ محسوسات میں گھرا رہتا ہے عالمِ ملکوت سے نسبت پردۂ خفا میں رہتی ہے ۔ اگر کوئی ریاضت کرے اور دل کو غضب، شہوت اور بُری عادتوں کے چنگل سے چھڑا لے ۔ حواس کو بیکار سا کر دے اور دل کو عالمِ ملکوت سے منسوب کر دے، تو دل کا روزن بڑھ جاتا ہے اور دوسرے لوگ جو چیز خواب میں دیکھتے ہیں وہ جاگتے میں دیکھ لیتا ہے ۔ ارواحِ ملائکہ اچھی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں ۔ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کو دیکھتا، ان سے فائدے اور مدد حاصل کرتا ہے اور آسمان اور زمین کی مملکت اُسے دکھا دی جاتی ہے (الغرض) جس کے لیے یہ راستہ کھل جاتا ہے اس کے بہت سے کام بن جاتے ہیں جو بیان میں نہیں آ سکتے ۔ تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے علوم کی یہی راہیں ہیں نہ کہ حواس ۔

گر حواسِ خمسہ کم داری، گشاید راہ دل
پس بہر صورت کہ بینی سِرّ معنی حاصل ست

اگر تو پانچوں حواس کو (ان کے کام سے) بے بہرہ کر دے تو تیرے دل کا راستہ کھل جائے گا ۔ پھر تو جس صورت پر نظر ڈالے گا تجھے معنی کا راز حاصل ہو جائے گا ۔

فائدہ ابراہیم ادہم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ستّر مرتبہ دیکھا اور اُس سے ایک سو بیس مسئلے سیکھے ان میں سے چار مسئلے مخلوق پہ پیش کئے ۔ سب انکار کر بیٹھے ۔ باقی کو میں نے محفوظ رکھا (پھر) فرمایا کہ جو شخص اس مقام تک نہیں پہنچا وہ اس کلام کو نہیں سمجھ سکتا ۔ اس لیے کہ اولیاء اللہ کو دنیا و آخرت میں رویت کا کشف سب سے زیادہ حاصل ہوتا ہے ۔

یاد رکھو کہ دل ایک چمکدار آئینے کی طرح ہے اور بری عادتیں دھوئیں اور تاریکی کی طرح جو دل کو اندھا کر دیتی ہیں اور وہ حضرت الوہیّت تک پہچاننے والے

راستے کو نہیں دیکھ پاتا۔ جب کہ اچھی خصلتیں نور کی مانند ہیں جو گناہوں کی تاریکیاں دل سے مٹا دیتی ہیں۔

یاد رہے کہ ہر حرکت اور سکون جو تم کرتے ہو اس سے دل میں ایک صفت پیدا ہوتی اور باقی رہتی اور تیرے ساتھ وہ اس عالم میں جاتی ہے جہاں صورت، بہ رنگِ معنی ہوگی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِتبِعِ السَّیِئَۃَ الحَسَنَۃَ تَمحُھَا (ہر بدی کے بعد نیکی کر لو کہ وہ اس بدی کو مٹا دے گی)

آدمی جب مرتا ہے تو یا تو ایک نورانی اور چمکدار جوہر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آراستہ اور ملاء اعلیٰ کا رفیق ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا فی مقعدِ صِدقٍ عِندَ ملیکٍ مقتدِرٍ ط (سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) یا تاریک، ظلمت میں ڈوبا ہوا شرم سے سر ڈالے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے دل کا چہرہ، اس دنیا کی طرف ہوتا ہے اور یہ دنیا۔ اس عالمِ بالا کے نیچے ہے۔ لہٰذا اس کا سر نیچا رہتا ہے اور وہ شرمسار۔ (خود قرآن شریف میں ہے) وَلَو تَرٰی اِذِ المُجرِمُونَ نَاکِسُو رُءُوسِھِم (اور کہیں تم دیکھو کہ مجرم اپنے رب کے پاس اپنا سر نیچے ڈالے ہوئے ہیں) اور اس کا راز کہ شریعت نے نیکوکاری کا حکم دیا ہے یہ ہے کہ دل کو بیماری اور ہلاکت سے بچا کر، صحت اور سلامتی میں لے جایا جائے۔ اس لیے کہ ارشاد باری ہے فِی قُلُوبِھِم مَرَض (ان کے دلوں میں روگ ہے) اور جس طرح کہ بیمار بدن کو اس جہان میں ہلاکت کا خطرہ رہتا ہے اسی طرح روگی دل کو اس جہان میں بربادی کا اندیشہ ہے۔

اکنوں طلب دوا کہ مسیح تو بہ زمین ست
کانگہ کہ رفت سوئے فلک، فوت شد دوا

تو اب دوا طلب کر لے کہ تیرا مسیحا زمین پر ہے لیکن جب وہ آسمان پر

چلا جائے گا تو پھر دوا میسّر نہ ہوگی۔

فائدہ۔ عوام الناس کا ایک گروہ علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے اور یہ درست نہیں اور دوسرا گروہ عمل کو علم سے افضل جانتا ہے اور یہ بھی (علی الاطلاق) ٹھیک نہیں ہے۔ وہ جاہل صوفی جو بیہودہ باتیں بکتے اور عمل کو علم پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ علم کو حجاب اللہ کہتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی تن آسانی ہے اس لیے کہ چند رکعت نماز پڑھ لینا بڑا آسان کام ہے۔

فائدہ۔ حلقہ درویشاں میں بعض درویش ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نوافل اور وظائف میں بڑے مصروف، اور ذکر و فکر و مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کوئی فرض، ان کی کوتاہی سے چھوٹ جائے تو اس کا غم بھی نہیں کرتے۔ مخدومی مخدوم شیخ حسین قدس اللہ العزیز سرہٗ فرماتے تھے کہ پیر دستگیر حضرت شیخ عبد الصمد المعروف بہ شیخ صفی قدس اللہ روحہ کی خانقاہ میں ایک درویش آیا کہ دن رات طاعت و عبادت میں مشغول رہتا۔ کبھی ذکر و فکر کرتا، کبھی اوراد و قرآن پڑھتا۔ ایک لحظہ خود کو فرصت نہ دیتا اور ایک دم کے لیے بھی اپنا پہلو زمین پر نہ لگاتا۔ میری نظروں میں وہ بڑا پسندیدہ ٹھہرا۔ اور ایک مرتبہ میں نے اس کے حال کی تعریف پیر دستگیر کے سامنے کر ہی دی۔ فرمایا لَیس بشیئٍ (کچھ نہیں)۔ جب میں نے کافی عرصہ تک اسے اسی حال پر دیکھا تو دل میں خیال گذرا کہ اب وہ کسی مقام پر ضرور پہنچ چکا ہوگا۔ میں نے پھر اس کی تعریف پیر دستگیر کے سامنے کی۔ آپ نے پھر فرمایا "کچھ نہیں"۔ اب مجھے اس کی جستجو کی فکر ہوئی۔ ایک روز وہ رمضان کے مہینے میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد ایک گوشہ میں گیا۔ میں چھپا ہوا اُسے تاڑتا رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اُس نے ازار بند کی گرہ سے افیون لی، منہ میں ڈال کر نکل گیا اور پھر مجلس میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت مجھے یقین آگیا کہ واقعی یہ کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس بدبخت نے تمام مہینہ روزوں کا ضائع کر دیا۔ بلکہ ہر ماہ رمضان

کے روز سے اسی طرح خراب کرتا رہتا ہے۔ کہ افیونی تھا اور افیونی اور خشخاشی اکثر زندیق ہوتے ہیں جنہیں اپنی زندیقیت کی خبر بھی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ۔ القیمیہ میں ہے کہ شراب نشہ لاتی، بھنگ خبیث بناتی اور افیون ہلاک کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے بھنگ، یا شراب، یا افیون کا کوئی لقمہ کھایا پیا، وہ اپنی قبر میں سور اور کتے کی صورت میں داخل ہوگا دنیا سے اپنا ایمان سلامت لے کر نہ جائے گا اور قیامت کے روز جنت میں داخل نہ ہوگا بلکہ وہ دوزخ میں منافقوں اور مشرکوں کے ساتھ جائے گا مگر یہ کہ توبہ کرلے۔ تو تم نہ ایسوں سے مصافحہ کرنا نہ معانقہ۔ وہ مجھ سے بری ہیں اور میں اُن سے بیزار"۔ نصاب صوفیہ میں ہے کہ افیون حرام ہے اس لیے کہ وہ ایک قسم کا زہر ہے ایسے ہی پوست خشخاش۔

فائدہ۔ بعض صوفیاء کے مشاغل میں سماع و رقص بھی داخل ہے۔ اس مسئلہ سماع میں اگرچہ علماء کرام کو سخت اختلاف ہے مگر گروہ صوفیاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اہل سماع کے لیے سماع بالذات اور ان کی صورت بنانے والوں کے لیے ان کے طفیل میں مباح ہے۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ بندہ جو چیز خدا کی حضوری کے لیے کرے وہ اس کے لیے مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (اے محبوب میرے ان بندوں کو بشارت دیجئے جو بات سنتے پھر اچھی سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں)

جاننا چاہیئے کہ اہلِ سماع کے حالت سماع میں مختلف درجات ہیں۔ بعض وہ لوگ جن میں بحالتِ سماع، اندوہ یا خوف یا شوق پیدا ہوتا ہے وہ روتے، چلاتے، نعرے لگاتے اور محویت کے عالم میں اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ جب بعض حضرات میں رجاء فرحت اور دلی مسرت پیدا ہوتی ہے اور وہ عالمِ وجد میں رقص کرتے اور تالیاں بجانے لگتے ہیں چنانچہ

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بحالت رقص تابوت سکینہ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کی زوجہ نے عرض کیا کہ آپ رقص کرتے ہیں حالانکہ آپ نبی ہیں"۔ ارشاد فرمایا گیا تو میرے دل کی محویت اور عالم بے خودی پر یہ حکم لگاتی ہے۔ جا میں نے تجھے طلاق دی"۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح سماع میں منفعتیں اور فائدے بکثرت ہیں اسی طرح لغزشیں اور گمراہیاں بھی بے شمار ہیں۔ چنانچہ جب نصیر آبادی سے یہ کہا گیا کہ آپ سماع کے بہت حریص ہیں" تو فرمایا کہ ہاں وہ اس سے اچھا ہے کہ ہم گوشہ نشین ہو کر لوگوں کی غیبتیں کریں" یہ سن کر ابو عمر بن نجید نے فرمایا" افسوس اے ابوالقاسم (تم یہ نہیں جانتے) کہ سماع کی ایک لغزش برسہا برس لوگوں کی غیبت سے بدتر ہے"۔ اور اگر سماع کا منکر سماع کے فائدوں کا، اس کی آفتوں سے مقابلہ کرے تو ہم جواب دیں گے کہ ان آفتوں کا دفع کرنا واجب ہے مگر ان کے صرف واقع ہونے کے امکان سے سماع کا ترک لازم نہیں آتا اس لیے کہ نماز جو بہترین عمل اور اہم العبادات ہے وہ بعض کے حق میں موجب فلاح ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُومِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔ جب کہ بعض کے حق میں تباہی کی موجب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔ لیکن نماز میں سہو اور غفلت کے احتمال کے باوجود جو باعث تباہی ہے۔ نماز کا ترک جائز نہ ہوگا۔ یہی حال سماع کا ہے۔

اور اگر منکر یہ کہے کہ" قوالوں کا بلانا اور لوگوں کو سماع کی خاطر جمع کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا" تو ہم جواب دیں گے کہ اگرچہ یہ نو پید د بدعت ہے مگر کسی سنت سے مزاحم نہیں لہٰذا سیئہ نہ ہو گی خصوصا جب

کہ وہ فوائد پر مشتمل ہے۔ اور مشائخ متاخرین نے اسے مستحسن جانا ہے۔
سماع کے منجملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ تکان و ملال جو طالبان حق کی راہ میں آزردگیٔ دل کی موجب ہوتی ہے اور وہ ایک قسم کی بندش و ناامیدی جوان لوگوں کے لیے، ان کے اعمال کے فتور، اور احوال کے قصور کی باعث بنتی ہے۔ مشائخ متاخرین نے اس عارضہ کے دفع کے لیے اس روحانی ترکیب کو مقرر کیا ہے جس میں اچھی آوازوں مناسب لحنوں اور شوق انگیز شعروں کا جو خلافِ شرع نہ ہوں ذکر ہے۔ اور طالبوں کو حاجت کے وقت اس میں مصروف ہونے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ تکان و ملال دور ہو اور پھر نئے شوق سے اپنے معاملات کی طرف متوجہ ہوں اور اس میں تو شک نہیں کہ عمدہ آوازیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے یزیدُ فِی الخَلقِ مایشاء (وہ زیادہ فرمائے مخلوق میں جو چاہے) تو وہ زیادتی اچھی آواز بھی ہے۔
حضرت جنید قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ ایک اچھا خاصا، باوقار آدمی جب اچانک کسی عمدہ آواز کو سن لیتا ہے تو اس کے دل میں ایک بے چینی اور بے قراری سی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے معمول کے خلاف، اس سے حرکات ظاہر ہوتی ہیں"؟ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں آدم علیہ السلام کی ذریات سے الستُ بِربِکُم فرمایا تو اس خطاب کی حلاوت ان کے روحانی کانوں میں باقی ہے۔ لامحالہ جب وہ کوئی اچھی آواز سنتے ہیں تو انہیں اس خطاب کی لذت یاد آجاتی ہے اور اسی کے ذوق میں وہ ایسی حرکت کرنے لگتے ہیں"۔ ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اچھی آوازیں اللہ تعالیٰ کے خطابات و اشارات ہیں جن کو ہر مرد و عورت کی پاکیزہ جان میں ودیعتہً رکھا گیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اپنے رسالہ غوثیہ میں لکھا کہ میں نے تمام ارواح کو دیکھا کہ وہ اپنے اپنے قالبوں میں

الستُ بِربِّکُمْ سن کر وجد کر رہی ہیں۔

منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یزدانی حکایات کا زمزمہ اور ربانی کلمات کا نغمہ سنا تو انہیں اس کے بعد کوئی بات اور آواز بھلی معلوم نہ ہوتی اور نہ وہ اسے پوری توجہ سے سنتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شیرینی اور حلاوت سے بے تاب ہو جاتے۔ جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ میں ایسی عمدہ اور دلکش آواز سنتے جو کلامِ الٰہی پر دلالت کرتی۔

حالتِ جبریل یاد آور ببال   بہ کلامِ حق ہمیں صوتست دال

دل میں جبریل علیہ السلام کی حالت کو یاد کرو۔ وہی آواز کلام حق پر دلالت کرتی ہے۔

اے برادر! اہلِ دل کو جو کلام، کیفیتِ وطرب میں ڈال دیتا ہے لامحالہ اس کے معنی ضرور ہوتے ہیں جو ان کے احوال اور مقامات کے موافق ہیں۔ اور ان کے احوال و مقامات، یقیناً قرآن احادیث اور اجماع سلف کے آزمودہ ہیں۔ لہٰذا ہر وہ کلام جو اہلِ تحقیق کو ہیجان میں لاتا ہے، کسی تفاوت کے بغیر وہ قرآن و حدیث کے ہم معنی ہے۔ اگرچہ کسی زبان میں ہو۔

حدیثِ عشق می باید چہ یونانی چہ سریانی

بات عشق کی ہونی چاہیئے خواہ یونانی میں ہو یا سریانی میں۔

اور جب نظم قرآن کو اچھی آواز اور خوش الحانی سے اسے زینت دینا اور اُسے شائستہ لہجہ میں پڑھنا مستحب ہے تو معانی قرآن کا اچھی آواز سے مزین کرنا بدرجہ اولیٰ مستحب و مستحسن ہے۔ پھر اس اَحسنُ الحدیث (سب سے اچھی بات) کا سننا، جو رقت قلبی اور گدازیٔ دل کی موجب ہے۔ احسن الحسنات (بہترین نیکی) ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحدیثِ کتابًا مُتشَابِھًا مَثانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُودُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُودُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اللہ

نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے۔ دہرے بیان والی۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ پھر اُن کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی رغبت میں"۔

اے بھائی قرآن کے معانی جو عزت وجلالت کے نقاب میں پوشیدہ ہیں، اس جہاں میں انہیں حروف اور اصوات کے پردہ میں بھیجا اگر حضرتِ قرآن کے معانی کا جمال، ان کلمات کے حجاب کے بغیر تجلی فرمائے تو قسم ہے کہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا۔ پاش پاش) بلکہ تمام عالم، اس کے انوار کی تابش سے جل جائے کہ لو کشفها لاحرقت سبحات وجهه ما انتهٰی الیه البصره۔ (اگر وہ ایک پردہ ہٹا دے تو اس کے رُخ کی تجلیاں وہاں تک جلا دیں جہاں تک نظر اُٹھے) لہٰذا اگر ان معانی کا پرتو یا اس کا کوئی شمّہ، محبّانِ حق آگاہ اور مشتاقانِ بارگاہ کے دلوں پر نزول فرماتے تو انہیں یا تو محو و بے خود بنا دے یا قلق و اضطراب میں ڈال دے۔ تو کہ فہمِ قرآن سے معذور رہے۔ تجھے ان کے احوال پر اعتراض کی زبان نہ کھولنا چاہیے۔

برادرِ عزیز! علم و دانش وہی نہیں جسے تم نے پڑھا اور جانا۔ بلکہ ایک علم اور بھی ہے کہ اسے جتنا پڑھو اور جانو، نادان تر ہوتے جاؤ اور جتنا اس پر عمل کرو اتنا ہی کوتاہ عمل قرار پاؤ اور استغفار میں ڈوبے رہو۔ یہ علم موجیں مارتا ہوا ایک دریا ہے جس کی کوئی اتھاہ نہیں بلکہ تم جس قدر اُس سے آشنا ہو گے، اُسی قدر اس کی گہرائی بڑھتی رہے گی اور جتنا تم اس کی گہرائی میں جاؤ گے اتنے ہی ڈوبتے جاؤ گے۔ پھر جتنے ہی ڈوبتے جاؤ پانی سے تر نہ ہو گے۔

آشنایانِ غمِ عشق دریں بحرِ عمیق   غرق گردند و نگردند بآب آلودہ

(غمِ عشق کے آشنا اس گہرے سمندر میں ڈوبتے چلے گئے مگر پانی سے

آلودہ نہ ہوئے) ادراک کے درک سے عاجز رہ جانا ہی ادراک ہے۔ لہٰذا اس بحرِ عمیق میں ڈوب جانے والا، خرقۂ ناموس کو سر سے اتار دے اور اپنے ہاتھ پیر مارے تو اس کو عیب نہ لگاؤ اس لیے کہ اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ (ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے)

نقل ہے کہ امام شمس الائمہ کرگانی نے شیخ المشائخ شیخ مودود چشتی قدس سرہٗ سے فرمایا کہ اگلے شیخ ہم فقہ کی روایت نہیں کرتے اور نہ مسئلہ شرعی سے بحث کرتے ہیں ہم آپ سے آپ ہی کے اصول کے مطابق سوال کرتے ہیں کہ آپ کی کیا رائے ہے سماع بہتر ہے یا نفل نماز؟ شیخ نے فرمایا "کیا اصطلاحِ سلوک کے موافق سوال کرتے ہیں"؟ عرض کیا "ہاں" شیخ نے فرمایا کہ "آپ علماءِ دین سے ہیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوگانہ نماز، خلوصِ قلب سے۔ اُن شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے جو وارد ہیں" تو صرف قبولیت کی امید ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو قبول فرمائے اور چاہے تو رد فرمادے۔ شیخ الائمہ نے فرمایا کہ "بیشک" شیخ نے فرمایا کہ اس میں مقبولیت کا احتمال ہے جب کہ السماعُ جذبۃ۔ مِنْ جذبَاتِ الحقِّ سماع، حق کی کششوں میں سے ایک کشش ہے اور وہ یقیناً مقبول"۔ تم خود عقلمند اور بات کی تہ تک پہنچنے والے ہو خود انصاف کرلو۔ نظر میں تو یہ بات صحیح اور درست ہے اس لیے کہ نماز دوسرے اعمالِ جوارح کی مانند ہے (اور ردّ و قبول کے مابین) جب سماع و وجد، عطیہ خداوندی ہے اور بخشش۔ اگرچہ بعض بخشیش عمل کا نتیجہ ہیں اور بعض احسان محض۔ لیکن سماع عینِ عنایتِ ربّانی اور مقبولیت صمدانی ہے تو اس میں عدمِ قبول کا شائبہ بھی نہیں۔

آداب المریدین میں یہ بھی مذکور ہے کہ کبھی سماع میں مشغولیت کا باعث فرحت و سرور، نشاطِ قلب کی تحصیل، اور بحالتِ سماع، تفریحِ خاطر بھی ہوتا ہے۔ مگر ممنوع یہ بھی نہیں۔ البتہ محققین صوفیاء کے معمولات میں داخل نہیں۔

اسی آداب المریدین میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب مجلس سماع کا انعقاد ہو تو قرآت قرآن کریم سے آغاز اور اسی پہ اختتام ہونا چاہیئے۔ خواجہ ممشاد دینوری سے حکایت ہے کہ انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو سماع کے لیے اجتماع سے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ "البتہ قرآن سے شروع اور قرآن پہ ختم کرو"۔ حضرت پیر دستگیر مخدوم شیخ صفی قدس اللہ روحہ ایسی مجلس سماع میں خود کو سماع و وجد سے دور ہی رکھتے جس میں کوئی شخص، محض اہل سماع کے سماع و وجد کا تماشا دیکھنے آتا۔ حتےٰ کہ اس میں مطلقاً حرکت نہ کرتے۔ نیز آپ محض سماع کی خاطر، قوالوں کو طلب نہ فرماتے بلکہ اپنے مشائخ کرام کے اعراس میں بھی۔ اگرچہ صوفیا و اہل وجد خانقاہ میں حاضر اور قوال بھی موجود ہوتے، آپ محض سماع کی خاطر کوئی محفل نہ جماتے۔ ہاں جب قوال کسی جگہ سے حاضر ہوتے بیعت کی نیت سے، خواہ قدمبوسی کے ارادے سے اور وہ سماع شروع کرتے اور اس وقت اگر کسی صوفی کو سماع میں کیفیت ہو جاتی یا خود حضرت ہی پہ رقت و نشاط طاری ہو جاتی، اس وقت سماع کی باقاعدہ مجلس ہوتی۔ بایں ہمہ آپ تخصیص سے انکار بھی نہ فرماتے اس لیے کہ علم معرفت کا نشیب و فراز اور صحیح وقت اہل بصیرت ہی خوب پہچانتے ہیں اور جو علم و عمل انہیں میسّر ہے اُسے بھی وہی خوب جانتے ہیں۔

کساں بہ وجد مستولی ابوالوقت   کہ رقص شاں بود بر صدق و اخلاص
نہ خود بینند و نے خود را نمایند   مقام معرفت را بندۂ خاص

وہ لوگ جو بے خودی میں مستغرق رہتے ہیں ابوالوقت ہیں۔ اُن کی بے خودی صدق اور اخلاص پہ مبنی ہوتی ہے وہ نہ خود کو دیکھتے ہیں نہ دکھلاتے ہیں وہی لوگ مقام معرفت کے خاص بندے ہیں۔

فائدہ۔ سماع کے حلال اور مباح ہونے کی جو روایت حضرت امام اعظم، ابوحنیفہ کوفی، امام ابو یوسف اور امام محمد سے ہے یہ ہے کہ شیخ امام علامہ کمال الدین

ابوالفضل جعفر بن ثعلب الادفوی نے اپنی کتاب امتناع السماع میں فرمایا کہ "امام ابوحنیفہ کوفی کے متعلق صاحب التذکرۃ الحمدونیہ روایت کرتے ہیں کہ آپ سے اور حضرت سفیان ثوری سے سماع کے متعلق پوچھا گیا۔ تو دونوں نے فرمایا کہ نہ وہ گناہِ کبیرہ ہے اور نہ بدترین گناہِ صغیرہ"۔ اور حافظ نے اپنے رسالہ میں فرمایا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ہمارے اصحاب بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں، اور بعض امام محمد سے اور وہ امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر رد سماع کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ میرا کوئی قرض خواہ ہوتا اور وہ میرا پیچھا کرتا، مجھ پہ قسم کھا لیتا (کہ وصول کر کے مانوں گا) اور مجھے ایسی جگہ پہنچا دیتا جب سماع ہو تو میں سماع میں مشغول ہو جاتا اور قرض خواہ کو بھول جاتا)

ابن قتیبہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام ابو یوسف کے سامنے سماع کا ذکر چھیڑ دیا تو آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پڑوسی کا قصہ بیان کیا اور وہ وہ ہے جسے ابن قتیبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر رات یہ شعر گاتا رہتا۔

اضاعونی و ایَّ فتیً اَضاعُوا

لیوم کریھۃٍ و سِدادِ ثغرٍ

لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور نہ سوچا کہ کیسے جوان کو ضائع کر دیا۔ جو سختی اور رخنہ ڈالنے والی مصیبت کے روز ان کے کام آتا) - امام اعظم اسے غور سے سنتے۔ ایک روز آپ نے اس کی آواز نہ سنی تو اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ آج رات پکڑا گیا۔ اور عیسیٰ امیر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ آپ نے عمامہ باندھا اور امیر کی طرف چل دیئے۔ اس سے اس سلسلہ میں بات چیت کی۔ امیر نے کہا کہ میں اس کا نام نہیں جانتا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس جس کا نام عمرو ہو اسے چھوڑ دو۔ امیر

نے حکم دیا کہ چھوڑ دیا جائے۔ جب وہی شخص زنداں سے نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوان کیا ہم نے تجھے ضائع کر دیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ آپ نے حفاظت کی"۔ اختتام اس قصہ کا یہ ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ اپنے گانے میں مست رہو اور ہمیں خوش رکھو۔ اس حکایت سے ضمناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کا گانا غور سے سنتے اور اُسے گانے سے نہ روکتے تھے۔ اور آپ کا غناء سے نہ روکنا، غناء کی اباحت پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ زہد اور کمالِ تقویٰ کے باوجود آپ کا روزانہ گانا سننا، کسی اور امر پر محمول نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ وہ آپ کے نزدیک مباح تھا۔ ہاں وہ روایت جو اس کے خلاف آپ سے ہے وہ اس گانے پر محمول کی جائیگی جو لایعنی اور لہو وغیرہ امور پر مشتمل ہوتا کہ قول اور فعل میں مطابقت رہے۔ علاوہ بریں، غناء کی حرمت آپ کے اقتضاءِ قول سے لیا گیا ہے اس پر کوئی نص صریح نہیں جیسا کہ تم ان کی کتابوں میں جان چکے اور پڑھ چکے۔ اور ان کے قول سے جو چیز اخذ کی گئی ہے اس میں (حرام ہونے پر) کوئی دلالت نہیں کہ اس میں اور وجوہ کا بھی احتمال ہے۔ حافظ نے اپنے رسالہ میں امام ابو یوسف سے حکایت کی ہے کہ آپ کبھی کبھی ہارون الرشید کے یہاں تشریف لے جاتے۔ وہاں سماع ہوتا تو کبھی کبھی آپ پر رقت طاری ہو جاتی۔

فائدہ یاد رکھو کہ جو علم، امورِ آخرت کا معاون نہ ہو اس سے جہل بہتر ہے۔ مشہور ہے کہ

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت ست

وہ علم جو حق کا راستہ نہ دکھائے جہالت ہے۔ بعض مشائخ کبار نے فرمایا ہے کہ شیطان جب اس جاہل سے ملتا ہے جو علمِ دین نہیں رکھتا اور اس پر غیب کی کوئی چیز منکشف ہو گئی ہے تو وہ اس پر ہنستا اور اُسے خوب خوب ذلیل کرتا ہے۔ اسے عجیب عجیب حرکتیں دکھاتا ہے۔ کبھی گلاب کا بھرا ہوا

پیمانہ دکھاتا ہے جو حقیقتہً شیطان کا پیشاب ہوتا ہے جو اس پہ قطرہ قطرہ گرتا اور اس غریب کو بکثرت مخلوق کے بھٹکنے کا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ پھر اس شیطان کا اس جاہل کے ساتھ سب سے بڑا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اسے گمراہ کرتا ہے یعنی اسے اچھی اچھی صورتیں دکھاتا اور اس کے دل میں یہ بات پیدا کرتا ہے کہ یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کی تجلیاں ہیں۔ اور وہ اس پہ یقین کر لیتا ہے کہ واقعی وہ صورتیں حق کی تجلیاں ہی ہیں اور یوں وہ گمرہ مجسّمہ اور مُشبّہ میں داخل ہو کر گمراہی کی وادی میں برباد ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے علمائے محقق اور مشائخ مدقق کی ہم نشینی سے باز رکھتا ہے جو اُسے کھرا کھوٹا بتاتے۔ اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ جیسا دنیا میں کون ہے جس کی طرف تو رجوع کرے اور اس کی اقتدار کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بغیر تیری خواہش کے تجھ پہ تجلی ڈالتا ہے حالانکہ موسےٰ علیہ السلام نے خواہشیں کیں مگر اللہ تعالےٰ نے انہیں جلوہ نہ دکھایا اور تجلی نہ کی تو تو کیوں کسی عالم اور ربہ رگ کی جانب رجوع کرتا ہے۔ کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تیرے معاملات کو تجھ سے زیادہ دیکھتا اور جانتا اور تجھ سے زیادہ قدرت رکھتا ہے کہ تجھے شیطان کے مکر سے بچا سکے"۔

اور جب یہ جاہل عبادت گزار، ان شیطانی وسوسوں کو قبول کر لیتا ہے تو شیطان اس کا پیر بن جاتا ہے۔ اور اگر کوئی کامل درویش بنظر خیر خواہی اسے اس گمراہی سے آگاہ کرتا ہے تو یہ اس پہ شاق گزرتا اور مخالفت کی ٹھان لیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ (اس کے بڑے بلنے نے اُسے گناہ پہ آمادہ کیا پس کافی ہے اسے دوزخ) اور اگر کوئی اس کے مریدوں اور معتقدوں کو اس کی طرف رجوع ہونے سے روکے اور اس کی بیعت و ارادت سے منع کرے تو وہ دشمنی پہ اُتر آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کی عزت اور مقبولیت نے اس کی دکان کی رونق ختم کر دی ہے۔ اسی وجہ سے حسد اور عناد میں ایسی باتیں کہتا ہے۔ الغرض

اس کے ذریعے سے کثیر مخلوق کو گمراہ کرتا ہے

کبھی لوگوں کی نیتوں اور ارادوں سے آگاہی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے تاکہ یہ عبادت گزار جاہل ان لوگوں سے اپنی واقفیت کے مطابق معاملہ کرے۔ وہ لوگ اسے روشن ضمیر کہیں۔ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ رہیں اور اسے سچا جانیں۔ بعض مرتبہ غیب کی باتیں اس پر القا کر دیتا ہے تاکہ یہ پیران امور کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اور اتفاق سے وہ واقع ہو بھی جائے تو لوگ اسے صاحبِ کشف کہیں۔ اس کی طرف تقرب اور توجہ زیادہ کریں اور وہ بھی خود کو صاحب کشف جانے۔ اور کرشمہ شیطانی اور کشفِ رحمانی میں فرق نہ کر سکے۔ کبھی کبھی تو اپنے کشف کی تعریف میں شعر بھی کہہ دے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ

ہر کہ اولا کشف خود گوید سخن　　　کشف او را کفش کن بر سر بزن

جو شخص اپنے کشف کی باتیں بتانے لگے تو اس کے کشف کو کفش (جوتا) بنا کر اس کے سر پر مار دو۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان اپنا تخت آسمان اور زمین کے درمیان معلق کرتا اس پر بیٹھتا اور اس جاہل کو دکھاتا ہے کہ خدا تعالےٰ عرش پر جلوہ فرما ہے اور تجھ پر تجلی ڈال رہا ہے۔

نقل ہے کہ یہ واقعہ ایک ایسے ہی امیدوار پر گذرا کہ وہ مصر جا رہا تھا۔ شیطان کو دیکھا کہ عرش پر بیٹھا ہے۔ خیال کیا کہ خدا ہے اور اسے سجدہ کر لیا اس کے بعد اس واقعہ کو بغداد میں بزرگانِ دین کی ایک جماعت کے روبرو عرض کیا۔ ان سب نے فرمایا کہ وہ شیطان ہے اور اس پر دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اِنَّ لِلشَّیطَانِ عَرشًا بَینَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ وَھُوَ یَجلِسُ عَلَیہِ۔ (شیطان کا ایک تخت آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے اور وہ اس پر بیٹھتا ہے الحدیث)۔ وہ شخص اٹھا۔ نماز پڑھی پھر ایمان کی تجدید کی اور اسی جگہ جہاں شیطان کا تخت دیکھا گیا تھا گیا اور

اس پر لعنتیں بھیجیں اور انکار کیا۔ پھر یہ تو وہ چیز ہے جس کا مشائخ کرام نے بارہا تجربہ کیا۔

یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ شیطان اکثر جاہلوں کو اباحت، تجسیم اور حلول (کے جکڑ) میں ڈال دیتا ہے۔ اباحت کی آرائش میں تو یوں پھانستا ہے کہ مقصود اصلی اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور وہ تجھے حاصل ہو چکا اور تجھ سے تکلیف شرعی ایسے ہی اُٹھ گئی جیسے موت سے۔ اور کبھی ان کے دلوں میں یہ القا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بندگی اور عبادت سے بے نیاز ہے اور تجھ پر تکلیف شرعی اور عبادت گزاری تیرے نفس کی پاکی اور باطن کی صفائی کے لیے فرض کی گئی سو وہ تجھے حاصل ہو چکی۔ اس لیے کہ تو اپنے نور باطن سے روحانیات اور بزم بالا کا مشاہدہ کرتا ہے اور کبھی انہیں گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور ان گناہوں کو چھوٹی روشنیوں کے لباس اور آراستہ صورتوں میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ۔ (جب اللہ تعالیٰ کسی کو محبوب بنا لیتا ہے تو پھر اسے گناہ ضرر نہیں دیتا)

اور تجسیم اور تشبیہ کا بیان اوپر گذر چکا یعنی وہی نمائشیں جن کی بنا پر وہ گروہ مجسمہ اور مشبہہ میں ہو جاتا ہے۔ رہا حلول تو وہ اسلام میں جاہل صوفیوں کے واقعات سے پیدا ہوا ہے کہ شیطان نے اس کے دلوں میں غلط باتیں ڈال دی ہیں۔ مثلاً روحانیات اور علویات کی جو چیزیں نظر آتی ہیں، وہ انہیں اپنی باطنی نگاہوں کا تماشا جانتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ باطن میں ہے اور حق کی تجلی ہے اس لیے کہ خارج میں کچھ نہیں اور باطن میں اس کا نفس ہے لہٰذا نفس کو رب جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر و بالا ہے۔ اور کبھی ان سے عادت کے خلاف امور ظاہر کراتا ہے اور القا کرتا ہے کہ یہ رب کا تصرف ہے جو تیرے باطن میں ہے۔

اور ان غلطیوں کے بھنور سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ یاد رکھے

کہ صوفیوں کا گروہ، انبیاء و رسل علیہم السلام کا فرمانبردار ہے۔ اور انبیائے کرام، حقائق کے مشاہدہ میں سب سے زیادہ اقوی اور قریب تر تھے مگر اس کے باوجود عبادت اور بندگی کا ایک ذرہ بھی ان سے نہ چھوٹا۔ اور انہوں نے گناہوں اور معصیتوں پر ذرہ برابر جرأت نہ کی۔ پھر قرآن شریف اور احادیث میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جو (علاوہ حالت اضطرار) کسی کے لیے کسی حالت میں ممنوعات کو مباح قرار دے بلکہ قرآن اور احادیث اور علماء، ان تینوں باتوں سے روکتے ہیں۔ عقائد اور صحیح مذاہب بھی باعث تجسیم اور حلول سے بالکلیتہ منع کرتے ہیں۔

فائدہ۔ دین کا کمال دیانت داری میں ہے اور ایمان کا کمال امانت گذاری ہے۔

متدین شود دیانت ورز — ثوب تقویٰ لباس ایمان ست
ہر کرا بر کمال دین باشد — راست باز و درست پیماں ست

دیانت دار بن اور دیانت داری اختیار کر (اور یاد رکھ کہ) دیانت کرنے والا دیندار ہوتا ہے اور تقویٰ کا لباس، ایمان کی پوشاک ہے اور جسے دین کا کمال میسّر ہوتا ہے وہ راست باز اور دیانت دار ہوتا ہے۔

فائدہ معرفت کا ثمرہ کم آزاری ہے اور محبت کا نتیجہ بہت زیادہ گریہ وزاری۔ مگر یہ بھی نہیں کہ جو شخص زار زار روتا ہو اس کا رونا راستی پر مبنی ہو، چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے فرزند روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر آئے اور صریح جھوٹ بولا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے کھا لیا۔

مردم بے گناہ مسلمان را — تا چہ جور و جفا کند حاسد
مرد را دیں چو یوسف ست عزیز — نی فروشد بدرہم کاسد

بے گناہ مرد مسلمان پر حسد کرنے والا کب تک ظلم و ستم توڑے گا۔ کتنا ہی ظلم و ستم توڑ لے۔ اُسے اپنا دین یوسف علیہ السلام کی طرح عزیز ہوتا ہے جب کہ یہ حاسد، اسے کھوٹے سکوں کے عوض فروخت کر رہا ہے۔

حکایت۔ ایک روز سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔

آپ نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی آتا ہوگا۔ اتنے میں ایک انصاری جوان آیا۔ دوسرے روز بھی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا کہ ابھی کچھ دیر میں ایک جنتی آنے والا ہے"۔ اور پھر وہی انصاری جوان حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی جستجو ہوئی۔ دیکھا کہ وہ شخص پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے اور حلال روزی کماتا ہے۔ نہ رات میں قیام کرتا ہے اور نہ دن میں روزہ رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دو روز متواتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے برابر یہ ارشاد فرمایا کہ ایک جنتی آتا ہوگا اور دونوں ہی روز تو آیا۔ (آخر اس کا راز کیا ہے) انصاری نے کہا کہ میں عبادت تو زیادہ نہیں کرتا مگر میرے دل میں حسد بالکل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ رو پڑے اور فرمایا کہ یہ تیرے سوا اور کسے میسّر ہے۔

حسد نارِ جحیم آمد بہ تحقیق — دلا از آتشِ دوزخ بہ پرہیز
زوالِ نعمتِ مردم چہ خواہی — جہنم بر تنِ مسکیں مکن تیز

حسد درحقیقت دوزخ کی آگ ہے تو اے دل اس سے پرہیز کر۔ تو لوگوں کی نعمتوں کا ختم ہونا کیا چاہتا ہے۔ اپنے بیچارے جسم پر جہنم کی آگ کو تیز مت کر۔

کسے کاندر دلش بر کس حسد نیست — ز جنت بر رخش ابواب سد نیست
دلا می رو براہِ خیر خواہی — کہ دل چیدن تو حبل من مسد نیست

وہ شخص جس کے دل میں کسی کی جانب سے حسد نہیں اس پر جنت کے دروازوں میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں۔ اے دل تو خیر خواہی کے راستہ پر چلتا رہ۔ اس لیے کہ تیری گردن میں مونجھ کی رسّی نہیں ہے۔

فائدہ۔ میں نے اپنے مخدوم کو فرماتے سنا کہ ایک شخص حج سے واپس ہو رہا تھا اس کے ساتھ ایک دانا غلام بھی تھا۔ ایک منزل پر پہنچا۔ کھانے پینے کی بہت تدبیر کی مگر روکھی روٹی ہی میسّر ہو سکی۔ غلام سے کہا کہ جا اور کسی دکاندار سے تھوڑا سا نمک لے آ۔ غلام نے کہا کہ نمک کے لیے ایک کوڑی بھی نہیں۔

خواجہ نے کہا کہ نمک بہت معمولی چیز ہے۔ تھوڑا سا بغیر قیمت کے بھی دے دیں گے۔ یہ کہہ دینا کہ ہم حاجی ہیں۔ حج سے واپس آ رہے ہیں۔ ہمارے پاس روکھی روٹی ہے۔ تھوڑا سا نمک دے دو۔" غلام نے ایسا ہی کیا اور تھوڑا سا نمک بقال سے مانگ لایا۔ دوسرے روز جب دوسری منزل پر پہنچے تو پھر کچھ روٹیاں مل گئیں۔ خواجہ نے غلام کو پھر بقال کے پاس بھیج دیا اور وہ نمک لے آیا۔ تیسرے روز جب اگلی منزل پر پہنچے تو پھر بھی روکھی روٹیاں ملیں۔ اس نے پھر غلام سے کہا کہ بقال کے پاس جا اور کچھ نمک لے آ۔ غلام نے کہا کہ حضور میں نے پہلے روز تو اپنے حج کو بیچا اور یہ کہا کہ میں حاجی ہوں میرے پاس روکھی روٹی ہے تھوڑا سا نمک دے دو۔ دوسرے روز آپ کا حج بیچ دیا اور کہا کہ میرا آقا حاجی ہے اس کے پاس روکھی روٹی ہے تھوڑا سا نمک دے دو۔ آج کیا ہے جو فروخت کروں اور بغیر قیمت کے نمک لے آؤں۔

حاجی حج فروش راز طمع   تا چہ اصنام زیر دلق بُوَد
گرچہ خود در طواف کعبہ رسد   قبلۂ اُو طوافِ خلق بُود

حج بیچنے والے حاجی کی گدڑی کے نیچے لالچ کے بہت سے بت ہوتے ہیں اور وہ خود اگرچہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے مگر اس کا قبلہ مخلوق کا طواف ہوتا ہے۔

فائدہ۔ مخدوم شیخ مبارک حسین سندیلوی ایک کامل درویش تھے۔ فاقہ کشی اور مفلسی سے ہمیشہ سابقہ رہا اور فقر و فاقہ کی فراوانی میں گزر بسر کرتے۔ ایک مرتبہ تین روز گذر گئے اور کچھ بھی کھانا پینا میسّر نہ ہوا۔ اہل و عیال سمیت درگاہ رب العزت میں صبر و شکر سے گزار دیئے۔ ایک دوسرے درویش جن کا نام شیخ مرجان تھا وہ ملاقات کو آ گئے۔ اُن کی فاقہ مستی اور پریشان حالی کو دیکھا۔ فوراً واپس ہوئے اور گھر میں جو کچھ موجود تھا لے کر شیخ مبارک کی خدمت میں حاضر آئے کہ اس کھانے کو قبول کر لیجئے۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ تم ہمارے فقر و فاقہ کو

دیکھ کر گئے اور پھر یہ کھانا لائے۔ ہم فقر اور فاقہ کی دولت کو کھانے کے بدلے میں فروخت نہیں کریں گے"۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ

ما یوسفِ خود نمی فروشیم تو سیم سیاہ خود نگہدار

ہم اپنے یوسف کو نہیں بیچتے ہیں تم اپنے کھوٹے سونے کو اپنے پاس رکھو۔

فائدہ۔ میں نے اپنے مخدوم کو زبانِ مبارک سے فرماتے سنا کہ ایک عارف کامل کسی شہر میں مقیم تھے۔ بادشاہ کو ان سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور اپنے وزیر سے کہا کہ کوئی تدبیر ایسی کرو کہ وہ درویش یہاں تشریف لے آئیں۔ اتفاق سے اس درویش کے دو پیرزادے اس بادشاہ کے ہاں ملازم تھے۔ وزیر نے فرمان لکھا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (فرمانبرداری کرو اللہ کی۔ اور اطاعت گزاری کرو رسول اللہ کی اور اپنے فرماں رواؤں کی) اور اس درویش کے پیرزادوں کی معرفت روانہ کر دیا۔ جب وہ فقیر کے آستانہ پر پہنچے تو درویش نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور شرائط آداب بجا لائے۔ اس وقت ان دونوں نے فرمانِ شاہی کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ کو بادشاہ سے ملاقات کے لیے چلنا چاہیئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُولی الْاَمْر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ درویش نے کہا کہ اولی الامر کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شاہانِ دنیا۔ درویش نے کہا نہیں بلکہ علمائے دین ہیں کہ وہ نبیوں کی مانند ہیں اسی لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماءُ امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل۔ (میری امت کے علماء کردار و گفتار میں انبیائے بنی اسرائیل کی مانند ہیں)۔ پیرزادوں نے کہا کہ علماء نے دونوں معانی بیان کیے ہیں۔ درویش نے کہا کہ ایک معنی پر اللہ تعالےٰ نے تمہیں توفیق دی ہے تم اس پر کاربند ہو۔ دوسرے معنی میرے لیے چھوڑ دو کہ میں اس پر عمل کروں"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ درویش بادشاہ کی ملاقات کو نہ گئے اور دونوں پیرزادوں کو رخصت کر دیا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو درویش نے اپنے خادم سے کہا کہ "جس جگہ وہ دونوں بیٹھے

نجسے وہاں کی مٹی میری نظر میں کھٹکتی ہے سب کھود کر باہر پھینک دے۔ اور وہاں دوسری مٹی ڈال دے۔

صحبتِ اغنیاء، فقیراں را   تبر از زہرِ قاتلش دانی
آں مضرّت ہلاکِ جان و تن ست   دیں مضرّت ہلاکِ ایمانی

اہلِ فقر کے حق میں، اہلِ ثروت کی صحبت و ہم نشینی، زہرِ قاتل سے بدتر جانو اس لیے کہ زہر میں تو صرف جان و تن کی ہلاکت و نقصان کا خطرہ ہے مگر اس میں ہلاکتِ ایمان کا صحیح اندیشہ پوشیدہ ہے۔

فائدہ میں نے اپنے مخدوم کی زبان سے سنا ہے کہ ولایت نیمروز (سیستان) میں ایک بادشاہ تھا بڑی شان و شوکت کا مالک۔ جس کا نام سنجر تھا اس کا چتر سیاہ تھا۔ اسی شہر میں جو بادشاہ کا دار السلطنت تھا ایک کامل، صاحبِ ثروت درویش بھی رہتا تھا۔ بادشاہ کے لشکری عموماً اس کی طرف رجوع ہوتے بلکہ تمام امراء اور درباری رؤسا اس درویش کے آستانہ پہ موجود رہتے۔ حتیٰ کہ ان میں سے جب بادشاہ کسی کو بلاتا تو وہ انہیں، اسی درویش کی حویلی میں پاتے اور لوگ وہیں سے بلا کر لاتے۔ ایک روز بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ تمام امراء اور درباری رؤسا اور لشکری، وظیفہ و گزران یہاں سے پاتے ہیں اور رہتے درویش کے یہاں ہیں۔ اور ان کی عقیدت اس درویش کے ساتھ اتنی ہے کہ اگر ہم سے بادشاہت بھی لے لی جائے تو یہ اس پہ راضی رہیں چنانچہ اس خیال کے ماتحت اس درویش کو اپنی مملکت سے نکال دیا۔ درویش اٹھا۔ اپنی جوتیاں پیر میں پہنیں۔ عصا ہاتھ میں لیا۔ مصلیٰ کاندھے پہ ڈالا اور چل دیا۔ ادھر بادشاہ کے پیٹ میں درد شروع ہوا کہ اس کی شدت کے باعث وہ بے تاب اور بے قرار ہو گیا۔ حکیموں نے اپنا سا بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ بعض عہدیداروں نے کہا کہ بادشاہ سلامت آپ نے بلا قصور اس درویش کو یہاں سے نکال دیا ہے حالانکہ ایسا بلند حوصلہ فقیر ہے کہ اس کی نگاہوں میں شاہی شان و شوکت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اسے واپس بلا لیجئے تاکہ اس کی دعا کی برکت سے آپ کو فائدہ ہو۔
غرض لوگ اس درویش کو واپس لے آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ دعا کیجئے کہ میرے پیٹ کا درد جاتا رہے۔ درویش نے کہا کہ اگر آپ اپنی بادشاہت مجھے دے دیں تو میں اس وقت دعا کروں۔ بادشاہ نے دل میں سوچا کہ میں تو اس درد سے مر ہی جاؤں گا۔ بادشاہت دوسروں کے ہاتھ چلی جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ بادشاہی درویش کو دے دوں۔ تاکہ اس درد سے بھی چھٹکارا پاؤں اور زندہ بھی رہوں چنانچہ فوراً کہا کہ میں نے بادشاہی آپ کو سونپی۔ درویش نے کہا کہ لکھ کر دیجئے۔ فوراً ہبہ نامہ لکھا گیا۔ تمام سرداروں نے اس پر مہر لگائی اور درویش کو سونپ دیا۔ درویش نے پانی پر کوئی دعا پڑھ کر دم کی اور کہا کہ اس پانی کو پی لیجئے۔ بادشاہ نے جیسے ہی اس پانی کو پیا پیٹ میں ایک ریح گھومی اور خارج ہو گئی۔ بادشاہ کو آرام ہو گیا۔ درویش نے پوچھا کہ آپ کو بالکل آرام ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ہاں آپ کی دعا کی برکت سے کامل شفا حاصل ہو گئی۔ فرمایا کہ تم نے اپنی بادشاہت کی قدر و قیمت دیکھی کہ ایک گوز میں اسے فروخت کر ڈالا۔ اسی بادشاہی کے متعلق تمہیں یہ اندیشہ تھا کہ فقیر کہیں لے نہ لے۔ پھر اس تحریر کو پھاڑ دیا اور یہ قطعہ پڑھا۔

چوں چتر سنجری رُخِ بختم سیاہ بود | بافقر گر دلبودہ ہوسِ ملکِ سنجرم
تا یافت جانِ من خبر از ملکِ نیم شب | صد ملکِ نیمروز بیک جو نمی خرم

سنجری چتر کی طرح میرا نصیبے کا چہرہ کالا ہو جائے اگر فقیری کے ساتھ مجھے ملکِ سنجر کی ہوس ہو۔ مجھے جب تک، ملکِ نیم شب کی خبر ملتی رہے گی نیمروز جیسے سو ملک بھی ایک جَو میں نہ خریدوں گا۔" یہ کہا اور بادشاہ کے سامنے سے اُٹھ کر اپنے مقام پر واپس آ کر بیٹھا اور زبانِ حال سے یہ شعر بار بار پڑھتا رہا۔

مملکتِ عشق ملک شد از کرم الہیّم | پشتِ من و پلاسِ فقر، اینت لباسِ شاہیم

کرمِ الٰہی سے عشق کا ملک میری مملکت میں آگیا۔ اب میری پیٹھ ہے اور فقر کا کمبل۔ اور یہی میری بادشاہت کا لباس ہے۔

فائدہ۔ سلطان محمود غزنوی جب خواجہ ابوالحسن خرقانی سے ملاقات کے لیے چلا تو ایک شخص کو آگے روانہ کیا کہ خواجہ سے جا کر کہو کہ اگر میرے استقبال کی نیت سے، آپ دو تین قدم اپنے گوشہ سے باہر تشریف لائیں تو اولی الامر کی بھی اطاعت ہو جائے۔ خواجہ نے فرمایا کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق و متحیر ہوں کہ کبھی کبھی تعمیل اطیعوا الرسول سے بھی شرمندہ ہو جاتا ہوں تو پھر اولی الامر کی اطاعت تک کیسے پہنچ سکتا ہوں"۔ سبحان اللہ ایک یہ بھی استغراق تھا۔

فائدہ۔ جب خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے دعا کی کہ الٰہی عزرائیل کو میری روح قبض کرنے کے لیے مت بھیجنا کہ میں انہیں اپنی روح نہ دوں گا۔ تو نے جیسے پہلے مجھ میں روح ڈالی تھی یونہی قبض بھی فرمانا"۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے۔

"در کوئے تو، عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(تیرے کوچے میں عُشاق اس طرح جان دے دیتے ہیں کہ وہاں ملک الموت کا بھی گذر نہیں ہوتا)

کہتے ہیں کہ ان حضرات کے جو معاملات خدائے تعالیٰ سے براہ راست ہوتے ہیں ان میں سے بعض معاملات کی خبر کراماً کاتبین کو بھی نہیں ہوتی۔

عجب سرّ یست با معشوق مارا　　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

(معشوق کے ساتھ ہمارا وہ عجیب راز بھی ہے جس کی خبر کراماً کاتبین کو نہیں)

ایک بزرگ کو سکراتِ موت میں ہنستے ہوئے دیکھا تو لوگوں نے کہا کہ تعجب ہے مرنا اور ہنسنا بیک دم۔ فرمایا کہ

خوبرویاں چو پردہ بر گیرند   عاشقاں پیشِ شاں چنیں میرند

جب معشوق نقاب اٹھا دیتے ہیں تو ان کے سامنے عاشق یوں ہی مرتے ہیں۔

فائدہ یاد رکھو کہ روحِ انسانی کا تعلق، خواہ صالح کی روح ہو یا فاسق کی، موت کے بعد اس کے جسم سے ختم نہیں ہوتا اور اس کا علاقہ اپنے جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اگرچہ جسم خاک ہو گیا ہو اور اس کے اجزا مٹی میں مل گئے ہوں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پان کے پتہ کو اس کی شاخ سے جدا کر لیتے ہیں، تب بھی ایک معنوی تعلق۔ اس پان اور شاخ کے مابین باقی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے پان شاخ سے کٹنے کے مدتوں بعد تک تر و تازہ رہتا ہے اور اگر اتفاق سے سخت سردی پڑے اور وہ پان کے درخت کو جلا دے اور خشک کر دے تو یہ پان بھی جو گھر میں حفاظت سے رکھا جاتا ہے خشک ہو جاتا ہے۔ یہ بات مجربات میں ہے۔

حکایت۔ فقیر کے دوستوں میں سے ایک صاحب جن کا نام وجیہہ الدین تھا اپنے ایک دوست کا واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں نے اس کے بائیں کاندھے پر جلنے کا داغ دیکھا۔ میں نے کہا کہ اے دوست یہ تمہارا کاندھا کہاں سے جل گیا؟ کہا کہ دوزخ کی آگ سے"۔ میں نے کہا کہ "کہاں تمہارا شانہ اور کہاں دوزخ کی آگ۔ یہ کیا بات کہہ رہے ہو"۔ انہوں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ مجھے ایک صدمہ پہنچا جس کی وجہ سے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا گویا جان بدن سے نکل گئی۔ تمام لوگوں نے مجھے نہلایا کفن پہنایا قبر کھودی اور میرا جنازہ قبر تک لے گئے۔ مگر چونکہ میری ایک چھنگلی مسلسل حرکت میں تھی اس لیے مجھے قبر میں نہ اتارا اور نہ دفن کیا۔ کارکنانِ قضا و قدر میری روح لے کر اس مقام پر پہنچے جہاں سے حکم ملا کہ اس شخص کو دوزخ میں ڈال دو۔ وہ حضرات بڑی سختی سے پیش آئے اور مجھے پکڑ کر لے چلے۔ میں نے پوچھا کہ آخر مجھے کہاں لیے جاتے ہو۔

جواب دیا کہ دوزخ میں۔

خیر جب ہم وہاں پہنچے تو ایک ہیبت ناک آگ بھڑک رہی تھی اور اس کے جلنے سے بلند آوازیں پیدا ہوتی تھیں۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دوزخ ہے اور مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف پھینکا۔ کہ میں بائیں جانب سے دوزخ میں جا پڑا۔ اتفاق سے میرے پڑوس میں ایک بیوہ عورت تھی۔ اس کی ایک لڑکی تھی۔ میں نے اس کے نکاح میں امانت کی نیت سے ایک ٹکڑا کپڑے کا اور ایک گائے دی تھی۔ بعینہٖ وہی کپڑے کا ٹکڑا آیا اور میرے اور آگ کے درمیان حائل ہو گیا اور میری پوری حفاظت کی۔ پھر بعینہٖ وہی گائے آئی۔ میں نے اس کی دُم پکڑ لی تاکہ مجھے دوزخ کی آگ سے باہر لے چلے۔ مگر جیسے ہی وہاں میری روح کا بایاں شانہ جلا یہاں میرے بدن کا بایاں شانہ کفن کے ساتھ جل گیا۔ پھر کچھ لوگوں نے مجھے زور سے پکڑ لیا اور کہا کہ ہماری خوراک دو۔ ادھر توشہ کی وہ روٹیاں جو مُردے کے دائیں بائیں رکھتے اور فقیروں پر تقسیم کر دیتے ہیں وہاں پر موجود لوگوں نے ایک مسکین کو دے دیں۔ ان کا ثواب اِدھر مجرا ہو گیا کہ وہ ان کی خوراک بنا اور میں زندہ ہو کر بیٹھ گیا اور میں نے کہا کہ میرے گھر لے چلو۔

اس حکایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ دیکھو اس کی روح عالم آخرت میں تھی اور بدن دنیا میں۔ تو وہ تعلق جو روح اور بدن میں پیوستہ ہے اگر وہ ختم ہو گیا ہوتا تو روح کے شانہ جلنے سے قالب کا شانہ نہ جلتا۔ مگر ان اسرار تک رسائی عقل کا کام نہیں اور جنہیں اُن تک رسائی ہوئی انہیں دنیا ہی میں نہ چھوڑا گیا کہ وہ ان اسرار کو فاش کر سکیں۔

حکایت۔ کچھ طالب علم بیٹھے ہوئے آپس میں یہ ذکر کر رہے تھے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ لوگ آخر مرنے کے بعد جاتے کہاں ہیں اور کیا دیکھتے ہیں اتنی مخلوق گذر گئی مگر کسی نے وہاں کی خبر نہ دی۔ ان میں سے ایک طالب علم نے کہا کہ اگر میں مر گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس عالم کی خبر دوں گا۔ قضاءً کچھ مدت بعد

اس کا انتقال ہو گیا۔ تیسرے روز اس کے احباب جمع ہوئے کہ آؤ اس دوست کی قبر تک چلیں اور اس سے اس عالم کی خبر پوچھیں جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ غرض وہ سب گئے۔ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ اے دوست تو نے وعدہ کیا تھا۔ ہو سکے تو اس عالم کی کوئی خبر دے۔ وہ سامنے آگیا اور بولا کہ ایک طپانچہ میرے دائیں جانب اٹھا ہوا ہے اور ایک بائیں جانب۔ اگر میں اس عالم کی کوئی خبر دیتا ہوں تو یہ دونوں طپانچے میرے اس زور سے پڑیں گے کہ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔ ہمیں کہنے نہیں دیا جاتا۔ تم لوگ بھی مجھے معذور جانو۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا۔ برادرم! بعض وہ چیزیں جو اس دنیا میں محسوس و مشاہد ہو جاتی ہیں۔ عقل اور فکر میں نہیں آتیں تو عالم آخرت کے اسرار کیسے سمجھ میں آئیں گے۔

حکایت۔ ایک نیک کردار آدمی قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھا کہ ایک صورت آئی اور قرآن شریف کے صفحوں پر ایسے بیٹھ گئی کہ قرآن شریف کے الفاظ اور کلمے چھپ گئے۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ اس صورت کو پکڑ لے مگر وہ صورت پکڑنے میں نہ آئی۔ مجبوراً تلاوت سے باز رہا۔ دوسرے روز جب تلاوت شروع کی تو پھر وہ صورت آئی اور قرآن شریف کے صفحوں پہ بیٹھ گئی۔ وہ شخص پھر تلاوت نہ کر سکا۔ تیسرے روز یہ شخص ایک صاحب معرفت کے پاس گیا اور اسے تمام حال سنایا۔ اس مردِ عارف نے جواب دیا کہ اب وہ صورت آئے تو تمہیں چاہیئے کہ اس کے کان پکڑ لو۔ اس نے کہا کہ میں کان کیسے پکڑ دوں گا کہ میرے ہاتھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ فرمایا کہ کان تمہارے ہاتھ میں آجائے گا جب تلاوت شروع کی تو وہ صورت پھر نمودار ہوئی اور جیسے ہی اس نے اس صورت کا کان پکڑا وہ غائب ہو گئی۔ ادھر اس نے دیکھا تو اپنا ہاتھ اپنے کان پہ پایا، یعنی اُس کے ہاتھ میں اسی کا کان تھا۔ عقل بے مایہ کی رسائی اس بات تک کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ صورت کیا تھی جو ہاتھ نہ آتی تھی۔ اس کا کان کیسے ہاتھ میں آگیا۔ کان کے پکڑتے ہی وہ صورت کہاں غائب ہو گئی اور اس کا ہاتھ اس کے

کان تک کیسے پہنچا۔ اس فقیر کو اس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ واقعی اس مردِ عارف کی فراست قابلِ تحسین و ستائش ہے۔

حکایت شیخ عبد العزیز کہتے تھے کہ میں ایک مقام پر سو رہا تھا جب کہ میرا دوست دوسرے مقام پر رہتا تھا۔ دونوں مقاموں کے درمیان پانی کا دریا تھا۔ میں خواب میں دیکھتا کہ محبوب کی ملاقات کو جا رہا ہوں۔ جب اس دریا کے کنارے پہنچتا اور پار اترنا چاہتا تو میری دونوں ٹانگیں زانو تک اور کچھ کپڑا بھیگ جاتا۔ جب سونے سے اٹھتا تو اپنی ٹانگوں اور کپڑے کو تر پاتا۔

حکایت حاجی عماد فقیر کے روبرو کہتے تھے کہ مجھے ایک شخص سے رشتۂ عقیدت تھا جو سلسلہ مداریہ سے منسلک تھا مجھ پر بڑی شفقت کرتا۔ لوگوں نے مجھ پہ ایک تہمت لگا دی۔ میرے پیر نے ایک نوعمر غلام کو میرے پاس بھیجا کہ مصلحت یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے یہاں قیام سے گریز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا ہے۔ اگر میں جاتا ہوں تو یہ الزام ضرور مجھ پر تھوپ دیا جائے گا۔ اگرچہ نوجوان نے بہت کوشش کی میں نہ گیا بلکہ اس نوجوان کے منہ پہ ایک تھپڑ جڑ دیا کہ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ وہ نوجوان اسی خون سے لتھڑے ہوئے منہ کو لے کر پیر کے پاس حاضر ہوا۔ پیر کو غصہ آیا اور چند لوگوں کو میرے باندھنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے میرے دونوں ہاتھ میری پیٹھ پہ باندھ دیئے اور چار چوب زن چوکیداروں نے مجھے لکڑیوں سے اتنا مارا کہ میں زخمی ہو گیا۔ آخر کار مجھے ایک خشک کنوئیں میں ڈال دیا اور اسے مٹی کوڑے سے بھر دیا۔ اپنی دانست میں ہر شخص نے یہ سمجھ لیا تھا کہ عماد اس کنوئیں میں مر جائے گا مگر میں نے اس کنوئیں کے نیچے کچھ آرام کی جگہ پالی اور وہیں بیٹھا رہا۔ آدھی رات گزری تھی کہ میں نے اپنے آپ کو کنوئیں کے اوپر پایا مگر اس حال میں کہ میرے کپڑے کنوئیں میں رہ گئے تھے اور میں بالکل مادرزاد برہنہ کنوئیں کے اوپر تھا۔

میرے پیر کی ایک درویش سے دوستی تھی جن کا قیام' اس مقام سے تین کوس کے فاصلہ پہ تھا۔ میں اس درویش کے پاس اسی طرف چل پڑا۔ راستہ میں ایک نہر تھی جو بھری چل رہی تھی۔ میں نہر سے گذر رہا تھا کہ ایک کپڑا میرے پیر کے نیچے آگیا۔ میں نے اُسے اپنے پاؤں کے نیچے سے گھسیٹا۔ دیکھا کہ لنگوٹہ ہے۔ میں نے اسے کمر پہ باندھا اور چل پڑا۔ صبح کے وقت میں وہاں پہنچا۔ اس درویش سے ملاقات کی اور اپنا ماجرا سنایا۔ جب کچھ دن گذر گئے تو میرے پیر نے میری روح کے (ایصالِ ثواب کے) لیے کچھ کھانا پکوایا اور اُسی غلام کو سوار کر کے اس درویش کے پاس بھیجا کہ آپ یہ۔ عماد کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے کچھ کھانا پکوایا ہے۔ آپ کے روبرو کھلا پلا دیں اور فاتحہ پڑھ لیں۔ جب غلام وہاں پہنچا اور مجھے بیٹھا ہوا پایا تو ہکا بکا رہ گیا اور اس درویش سے کہا کہ اس شخص کی فاتحہ کے لیے تو کھانا تیار کیا گیا ہے۔ آپ کو بلایا گیا ہے اور خود بھی تشریف فرما ہیں۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ درویش نے کہا کہ حاجی عماد اور دوسرے احباب کے ساتھ تیرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ تو جلد اپنے گھوڑے کو دوڑا' اور حاجی عماد کی زندگی کی خبر انہیں سنا۔ وہ جلد گیا اور حاجی عماد کی زندگی کی خبر انہیں سُنائی۔ ہر شخص متعجب اور حیران رہ گیا۔ پھر جب وہ درویش حاجی عماد کو لے کہ پہنچے تو مخلوق کو حیرت پر حیرت اور تعجب پہ تعجب ہوا۔ جب کھانے پہ بیٹھے تو مخلوق میں ایک چیخ پکار مچ گئی"۔ اس فقیر مؤلف نے حاجی عماد سے کہا کہ میں اس قسم کے بہت سے تجربات سے گذرا ہوں۔ اور ایسے حیرت ناک واقعات اس دنیا میں بہت دیکھنے سننے میں آتے ہیں۔ لیکن اگر تم دوسروں سے کہو گے کہ میں خود ہی کنوئیں سے باہر آگیا تو کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔

حکایت۔ ان دو شیخ زادوں کی اس ماجرے کے عین مناسب ہے جنہیں لوگوں نے اتہام میں پکڑ لیا اور ایک خشک کنوئیں میں قید کر دیا اور نگہبانوں کو مقرر کر دیا۔ شیخ زادوں نے نگہبانوں سے کہا کہ ہمیں کنوئیں کے ہر طرف راستہ

نظر آرہا ہے۔ ہم جس طرف چاہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن تمہیں خبر کیے دیتے ہیں تاکہ ہماری وجہ سے تمہاری گرفت نہ ہو۔ نگہبانوں نے شیخ زادوں کی اس بات کا یقین نہ کیا کہ ان کی عقل کے نزدیک یہ چیز ممکن ہی نہ تھی۔ مگر وہ دونوں صاحب اس کنوئیں کی تہ میں ایک جانب چل دیئے اور چند فرسنگ طے کر کے زمین کے نیچے سے زمین کے اوپر آ گئے۔

الغرض روح انسانی کے تصرّفات کہ اس کی انتہائی لطافت کے آثار ہیں اس دنیا میں اس کثرت سے واقع ہیں کہ شمار میں نہیں آتے اور جو واقعات کہ لکھے گئے ہیں۔ یہ عوام الناس کی روحوں کے آثار ہیں۔ تو پھر خواص اور اخص الخواص جو اپنی ارواح کو ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ سے جلا دیتے رہتے ہیں ان کا کیا حال ہو گا۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ موت کے بعد بھی، روح کا قالب سے ایک تعلق و رشتہ باقی رہتا ہے۔ اگرچہ قالب خاک ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہو۔ اگرچہ یہ بات کسی کی عقل و فہم میں نہ آئے جیسے کہ آثارِ روح کے اتنے ظہور جو لکھے گئے عقل اور فکر میں نہیں آتے۔

فائدہ خواجہ ابوعلی دقّاق قدس اللہ روحہ نے اپنے مریدوں کو تین چیزوں کی وصیت کی جب کہ آپ دنیا سے تشریف لے جانے لگے۔ اول دوپہر کو نہانا۔ دوم ہر رات طہارت پر سونا۔ سوم ہر اچھی اور بُری حالت میں خدائے تعالیٰ کو یاد رکھنا۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز میں نے شہر کے اندر جانے کا ارادہ کیا۔ راستے میں ایک بڑی نہر پانی سے بھری دیکھی اور اس کے کنارے ایک بلند مکان۔ میں وہیں قدرے آرام کی خاطر رک گیا اور غسل وغیرہ کیا۔ جب فارغ ہوا تو میری نظر اس کے بالاخانہ پر پڑی دیکھا کہ ایک لونڈی کنگرے پر کھڑی ہے اور نہایت خوب صورت ہے۔ میں نے کہا کہ اے کنیز تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے ذوالنون جب تم دور سے نظر

آئے تو میں نے سمجھا کہ تم کوئی دیوانے ہو۔ جب تم نے طہارت کی تو میں سمجھی کہ تم عالم ہو۔ اور جب طہارت سے فارغ ہو کر تم میرے سامنے آئے تو میں نے جانا کہ تم عارف ہو۔ اب جو میں نے حقیقت پہ نظر ڈالی تو تم نہ مجنوں ہو نہ عالم ہو اور نہ عارف۔ کہ اگر تم دیوانے ہوتے تو طہارت نہ کرتے۔ اگر عالم ہوتے تو نامحرم پہ نظر نہ ڈالتے۔ اور اگر عارف ہوتے تو ذاتِ حق کے سوا کسی کی طرف رغبت نہ کرتے۔ یہ کہا اور غائب ہوگئی۔

فائدہ۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ الکریم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے بدن میں سخت لرزہ پیدا ہو جاتا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جسے آسمان اور زمین نہ اُٹھا سکے۔

حکایت ایک روز ایاز سلطان محمود نور اللہ مضجعہٗ (اللہ تعالے اُس کے مقبرے کو منور فرمائے) کے سامنے کھڑا تھا کہ اپنے پاپوش کا اگلا حصّہ قدرے اٹھا کر پاؤں کو حرکت میں لایا۔ حالانکہ اُس سے ایسی حرکت کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بادشاہ کو تعجب ہوا اور حکم دیا کہ گودام میں جا اور فلاں چیز لے کر آ۔ جب ایاز چلا گیا تو بادشاہ نے ایک اور غلام کو اس کے پیچھے روانہ کیا کہ چھپ کر دیکھ یہ کیا کرتا ہے۔ ایاز نے اپنے پیر سے جوتہ اتارا تو ایک کالا بچھو اس سے باہر نکلا۔ ایاز نے اس بچھو کو اُسی جوتے سے مارنا شروع کیا اور کہا کہ آج تو نے بادشاہ کے سامنے میری وقعت کم کر دی کہ مجھے جوتے کا اگلا حصہ زمین سے اٹھانا پڑا اور آداب غلامانہ بجا نہ لا سکا۔ اس غلام نے یہ بات بادشاہ سے جا کر بیان کی۔ جب ایاز واپس آیا تو بادشاہ نے کہا کہ ایک ایاز آج تم نے پاپوش کا اگلا حصّہ ہمارے سامنے اٹھا لیا۔ اُس نے عذر کیا کہ غلام قصور کرتے اور آقا معاف فرمایا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ بچھو والی بات ہمیں معلوم ہوگئی ہے عرض کیا کہ اس نے مجھے سات بار کاٹا۔ جب آٹھویں مرتبہ طاقتِ ضبط نہ رہی

تو میں نے جوتے کو حرکت دی۔

فائدہ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے رب العزت سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد سنا کہ فرماتا ہے جسے حدث ہوا اور اس نے وضو نہ کیا۔ اس نے مجھ پر جفا کی (میرا حق ادا نہ کیا) اور جسے حدث ہوا اور اس نے وضو کر لیا مگر دو رکعت نماز نہ پڑھی، اس نے مجھ پر جفا کی۔ اور جسے حدث ہوا اس نے وضو کیا۔ دوگانہ ادا کیا اور پھر اپنے دین اور نماز کے لیے جو چاہا طلب کیا (اس پر بھی) میں نے اُسے نہ چاہا تو میں نے اس پر زیادتی کی مگر میں جفا کار پروردگار نہیں ہوں"۔

فائدہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سفر و اقامت میں ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) کے روزے ترک نہ فرماتے۔ اور فرماتے کہ یہ روزے میرے ہیں جو کوئی یہ روزے رکھے دس ہزار سال کی عبادت اور بندگی کا ثواب پائے۔ یہ روزے دلوں کو منور اور چہروں کو نورانی کرتے ہیں۔ ایسا روزہ دار کل بروز حشر بہشتی اونٹوں پر سوار ہوگا اور اس کا چہرہ چودہویں کے چاند سے زیادہ تابدار ہوگا۔

روایت ہے کہ کسی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ میں نفلی روزے کس طرح رکھوں؟ فرمایا کہ اگر داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھنا چاہو، تو ایک روز روزہ رکھو، دوسرے روز ترک کرو۔ اور اگر ان کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کا روزہ رکھنا چاہو تو ہر مہینے کے پہلے تین روزے رکھو اور اگر خاتونِ جنت حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا روزہ رکھنا چاہو تو دو روز روزہ رکھو اور ایک روز چھوڑ دو۔ اور اگر ان کے صاحبزادے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا چاہو تو ہمیشہ روزہ دار رہو۔ اور اگر ہمارے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا چاہو تو ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ کا روزہ رکھو۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص ایام بیض کا پہلا روزہ رکھتا ہے

اس کے تہائی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اور جو دو روزے رکھتا ہے اس کے دو تہائی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ تیسرے روز کا روزہ رکھتا ہے تو وہ تمام گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسا اس روز کہ شکمِ مادر سے پیدا ہوا تھا۔

شیطان ملعون کا قول ہے کہ لوگوں کے اعمال میں سب سے زیادہ مبغوض میرے لیے دو چیزیں ہیں۔ ایک ایامِ بیض کے روزے دوسری نمازِ چاشت۔ ہاں اگر ایامِ تشریق کی وجہ سے کوئی شخص ایامِ بیض کے روزے نہ رکھ سکے تو تو چاہیئے کہ سولہویں روز سے روزہ رکھنا شروع کرے۔ اور امامِ شافعی رضی اللہ عنہ نے روزے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ کو پیوستہ رکھے ہیں۔

فائدہ فتاویٰ صوفیہ میں قوت القلوب کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ابراہیم تیمی کو مُسَبّعاتِ عشر ہدیہ کیے اور وصیت کی کہ انہیں صبح و شام کہیں۔ اور خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ کیے ہیں۔ جیسا کہ سعید عن ابی طیبہ عن کُرز بن وبرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کُرز بن وبرہ ابدال سے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرا ایک بھائی شام سے آیا۔ میرے لیے ایک تحفہ لایا۔ اور کہا کہ اے کُرز! میری جانب سے یہ تحفہ قبول کر لو کہ یہ بہترین تحفہ ہے۔ میں نے کہا کہ اے بھائی! تمہیں یہ تحفہ کس نے دیا۔ اس نے کہا کہ یہ مجھے ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا تم نے ابراہیم سے یہ نہ پوچھا کہ انہیں کس نے دیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے اُن سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں صحنِ کعبہ میں بیٹھا ہوا تسبیح و تہلیل اور تمجید میں مصروف تھا کہ میرے پاس ایک شخص آیا۔ مجھے سلام کیا اور میری دائیں جانب بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے صورت وجاہت اور لباس میں اچھا اور اس سے زیادہ گورا اور اچھی خوشبو والا کوئی نہ دیکھا تھا۔ میں نے کہا کہ اے بندۂ خدا آپ کون ہیں۔ کِدھر سے آئے ہیں؟۔

انہوں نے کہا کہ میں خضر ہوں۔ میں نے کہا کہ کیسے تشریف ارزانی فرمائی۔ فرمایا کہ تمہیں سلام کرنے اور محض لوجہ اللہ آیا ہوں۔ البتہ ہمارے پاس ایک تحفہ ہے جو تمہیں ہدیہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا تحفہ ہے؟ فرمایا کہ تم طلوع و غروب آفتاب سے پہلے مسبعات عشر پڑھا کرو اور پھر انہیں بیان فرمایا اور تاکید کی کہ انہیں ترک نہ کرنا۔" میں نے کہا کہ مجھے اس کا ثواب بتلائیے فرمایا کہ حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو تو دریافت کر لینا وہ خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔

ابراہیم تیمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ گویا کہ فرشتے آئے انہیں اٹھا کر لے گئے اور جنت میں داخل کر دیا۔ آپ نے جنت کا معائنہ کیا اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا، یعنی جنت کی نعمتیں، انہیں تفصیل سے بیان کیا۔ پھر کہا کہ میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کس لیے ہے؟ فرشتوں نے کہا جو بھی تم جیسا عمل کرے"۔ آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ ان فرشتوں نے آپ کو جنت کے پھل کھلائے اور وہاں کی شراب پلائی کہ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (اور اس شان سے کہ) آپ کے ہمراہ ستر انبیائے کرام اور ستر صفیں فرشتوں کی تھیں۔ اور ہر صف مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی۔ آپ نے بکمالِ مرحمت مجھے سلام فرمایا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خضر (علیہ السلام) نے بیان کیا کہ انہوں نے آپ سے ایک حدیث سُنی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خضر نے سچ کہا اور خضر جو بات بھی کہیں وہ سچّی ہے۔ وہ تمام روئے زمین کے بڑے عالم، تمام ابدال کے رئیس، اور اللہ کے لشکروں میں سے زمین پر ایک لشکر ہیں۔" میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کہ جو شخص یہ عمل کرے اُسے کیا کچھ عطا فرمایا جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کبیرہ گناہ خواہ اس نے کئے معاف فرما دے گا۔ اس سے اپنا غضب اور عذاب اُٹھا لے گا۔ اور بائیں جانب والے

فرشتے کو حکم دے گا کہ ایک سال تک اس کا کوئی گناہ نہ لکھے۔ اور اسے وہی کریگا جسے اللہ تعالیٰ نے نیک بخت پیدا فرمایا ہے۔ اور اُسے ترک نہ کرے گا، مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ نے بدبخت پیدا فرمایا ہے۔ پھر اس کے باقی فضائل بیان کئے

فائدہ۔ روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے یہ وصیت فرمائی کہ ان کے جنازہ کے سرہانے یہ دو شعر لکھ دیئے جائیں۔

وَفَدتُّ عَلَی الکَرِیمِ بِغَیرِ زَادٍ
مِنَ الحسناتِ والقَلبِ السَلِیمُ
فَحَملُ الزّادِ اَقبَحُ کُلِّ شَیٍٔ
اِذَا کَانَ الوُفُودُ عَلَی الکَرِیم

یعنی میں بغیر توشہ کے ربِ کریم کا مہمان بن کر جارہا ہوں۔ اعمالِ صالحہ سے تہی دامن اور قلبِ سلیم کے بغیر۔ صرف اس اعتماد پر کہ جب کرم والے کی طرف جانا ہو تو زادِ راہ کے ساتھ جانا، بدترین عیب ہے۔

فائدہ۔ مثنوی شمس تبریز

ادب نبود دریں رہ اے برادر — زباں در ذکر و خاطر جائے دیگر
چو نام دوست آید بر زبانم — ز حیرت مست گردد عقل و جانم
شنیدستم کہ موسیٰ در مناجات — مگر روزی ز حق می خواست حاجات
کہ یارب یارب از فضلِ خدائی — ہمی خواہم کہ خاصانت نمائی
ندا آمد کہ اے موسیٰ سفر کن — برو اندر فلاں کو ہم نظر کن
کہ از خاصان ما آنجا یکے ہست — کہ سوز عشق در وے اندکے ہست
چو موسیٰ فہم کرد آں حکمِ مطلق — برفت آنجا کہ فرماں بودش از حق
کسے را دید در کوہے برہنہ — کہ در وے عقل ما را ہیچ رہ نہ
بقدرت دوختہ پیراہنش را — بموئی سر بپوشیدہ تنش را

نظر می کرد ہم چو وحشی آہو | ازو آواز می آمد کہ یاھُو
برش رفت و سلامش کرد آغاز | ازو جز ھو نیامد، ہیچ آواز
بدو گفتا کہ اے مستِ الٰہی | بدیں بسیار گفتن ھو، چہ خواہی
اگر مقصود دیدارست برگو | وگر با حق ترا کارست برگو
چوں نامِ حق شنید آں مستِ حیراں | کشیدہ آہ و داد از یادِ حق جاں
ندا آمد کہ اے موسیٰ چہ دیدی | بدیں مستی و حیرانی رسیدی
مرا زیں نیساں فراواں عاشقانند | کہ نامم بشنوند و جاں فشانند
اگر تو عاشقی، عشق ایں چناں باز | ہر آنکس ہست عاشق، ہست جاں باز
چہ اسرارست شمس الدیں چہ اسرار | کہ رمزش می کند در جان و دل کار

اے دوست اس راہ میں یہ کمال بے ادبی ہے کہ زبان پہ ذکرِ حق ہو اور دل کہیں اور۔ میری زبان پر جب دوست کا نام آتا ہے تو میری عقل اور جان حیرت سے متوالی ہو جاتی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اپنی مناجات میں اللہ تعالیٰ سے عرضِ حاجات کر رہے تھے۔ کہ اے میرے رب! میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنی خدائی کے فضل سے، مجھے اپنے خاصوں میں بنا لے۔ ندا آئی کہ اے موسےٰ سفر کرو اور فلاں پہاڑ پر جا کر دیکھو۔ وہاں ہمارا ایک خاص بندہ ہے جس میں سوزِ عشق ابھی نامکمل ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس مختارِ کل کے حکم کو سنا تو اس طرف روانہ ہوئے جہاں کے لیے حق تعالےٰ کا فرمان تھا۔ پہاڑ پر ایک شخص کو اس حالتِ برہنگی میں دیکھا کہ ہماری عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قدرتِ الٰہی سے اپنے پیراہن کو سیے ہوئے (یعنی بے پیراہن) اور سر کے بالوں سے اپنے بدن کو ڈھانپے ہوئے۔ ایسے دیکھتا تھا جیسے وحشی ہرن اور اس کے مُنہ سے آواز یاھُو نکل رہی تھی۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر سلام کیا مگر اس سے سوائے یاھُو کے کوئی آواز نہ آئی۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اے حق کے متوالے! بار بار یاھُو کی تکرار سے

آخر تو چاہتا کیا ہے۔ اگر دیدارِ الٰہی منظور ہے تو بیان کر اور دوسرا کوئی کام ہو تو بتا دے (تاکہ سفارش کی جائے) اس مست حیرت زدہ نے جب نامِ حق سنا تو ایک آہ کھینچی اور نامِ حق پر جان دے دی۔ ندا آئی کہ اے موسیٰ! تم نے کیا دیکھا اور کیا تم اس کی مستی و حیرت زدگی تک پہنچے؟۔ ہمارے چاہنے والے اسی کے مانند، بہت زیادہ ہیں کہ وہ ہمارا نام سنتے اور جان دیتے ہیں۔ اگر تم بھی عاشق ہو تو ایسی ہی عشق بازی کرو (اور یاد رکھو کہ) جو شخص عاشقِ صادق ہوتا ہے وہ جاں باز بھی ہوتا ہے۔ اے شمس الدین کیسے کیسے اسرار، اس راہ میں آتے ہیں کہ ان کا دل میں پوشیدہ رکھنا، جان و دل کا کام تمام کر دیتا ہے۔

مثنوی فریدالدین عطار

چوں از اول تا آخر سافلی ست — حاصلِ ما، لاجرم بے حاصلی ست

اے ز غفلت غرقۂ دریائے آز — می ندانی کز کہ می مانی تو باز

ہر دو عالم در لباسِ تعزیت — اشک می بارند و تو در معصیت

حُبّ دنیا، ذوقِ ایمانت بُرد — آرزوی این و آں جانت بُرد

ہست دنیا، آشیانِ حرص و آز — ماندہ از فرعون و از نمرود باز

حق تعالیٰ گفت لاشیئ نامِ اُو — تو چنیں آویختہ در دامِ او

ہر کہ در یک ذرّہ لاشی گم بُود — کے بُوَد ممکن کہ او مردم بود

کارِ دُنیا چیست بے کاری ہمہ — چیست بیکاری، گرفتاری ہمہ

ہست دنیا آتشے افروختہ — ہر زماں خلقے دگر را سوختہ

ہم چو شیراں، چشم ازیں آتش بدوز — ورنہ چوں پروانہ زیں آتش بسوز

ہر کہ چوں پروانہ شد آتش پرست — سوختن را شاید آں مغرور مست

ہر کہ او را راہ زد، گمرہ بماند — پائی بستہ در درون چہ بماند

گر ترا دیں باید، از دنیا مناز — ہر دو باہم راست ناید، کُن مباز

اے سرا و باغ تو، زندانِ تو — خان و مانِ تو، بلائے جانِ تو
در گذر زیں خاکدانِ پُر غرور — تا نمانی در عذاب و در نفور
چشمِ ہمت بہ کُشا و رہ بہ بیں — پس قدم در رہ نہ و در گہ بہ بیں
چوں رسانیدی بآں درگاہ جاں — خود نہ گنجی تو زعزت در جہاں
تا نہ گردانی ز ملک و مال روئے — یک نفس ننمایدت ایں حال او

جب اول سے آخر تک پستی ہی پستی ہے تو بلاشبہ ہمارا حاصل بھی لاحاصل ہے۔ اے غفلت سے ہوس کے دریا میں ڈوبنے والے! تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تجھ سے کیا، چھوٹا، اور کس سے محروم ہو گیا۔ دونوں عالم تعزیت کا لباس پہنے ہوئے آنسو بہا رہے ہیں اور تو گناہوں میں غرق ہے۔ دنیا کی محبت دین کی رونق، اور ایں وآں کی آرزو تیری جان لے جاتی ہے۔ دنیا طمع اور لالچ کا آشیانہ ہے جو فرعون اور نمرود کے بعد بھی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام لاشئ یعنی ناچیز رکھا ہے اور تو اس کے دام میں اس طرح اُلجھا ہوا ہے۔ جو شخص کہ اس ناچیز ذرہ میں گم ہو جائے اُسے مردِ حق آگاہ کہنا ممکن ہی نہیں۔ دُنیا کا سارا کاروبار، ایک بیگار ہے اور بیگاری قید و بند کا دوسرا نام ہے۔ دنیا ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ جو ہر دور کی مخلوق کو جلاتی رہتی ہے۔ شیروں کی طرح اپنی آنکھیں اس آگ سے بند کر لے ورنہ پروانہ کی مانند اس آگ میں جل جا (مگر یاد رکھو کہ) جو شخص پروانہ کی طرح آگ کا پرستار ہو جاتا ہے تو ایسا مغرور و متوالا، اسی قابل ہے کہ وہ آگ میں سوختت کر دیا جائے۔ یہ دنیا جس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور بندھے پاؤں کنوئیں میں پڑا رہتا ہے۔ اگر تجھے دین کی ضرورت ہے تو دنیا پر مت اترا کہ دونوں چیزیں تجھے راست نہ آئیں گی۔ ٹیڑھا ٹیڑھا مت چل۔ ارے یہ سرائے اور یہ تیرا باغ، تیرا قیدخانہ ہے اور یہ تیرا مال و متاع، تیرے لیے وبالِ جان ہے۔ اس خاکدانِ فریب یعنی دنیا کا پیچھا چھوڑ تاکہ تو عذابِ آخرت اور مخلوق کی نفرت

میں گرفتار نہ ہو۔ اپنی آنکھیں کھول۔ پوری توجہ سے راستہ پر نظر ڈال۔ پھر آگے قدم بڑھا وہ بارگاہِ خداوندی روبرو ہے۔ جب تو اس بارگاہِ روح میں پہنچ جائے گا تو عزت افزائی کے باعث خود دنیا میں نہ سما سکے گا۔ مگر جب تک تو مال و ملک سے اپنا چہرہ نہ پھیرے گا۔ یہ حال تجھے ایک گھڑی کے لیے بھی اپنا منہ نہ دکھائے گا۔

فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کلام کو جوامع الکلم فرمایا ہے یعنی بلا واسطہ آپ کے دل میں اولین و آخرین کے تمام علوم منقش فرمائے۔ اور ان علوم ظاہر و باطن کے علاوہ ہزارہا علوم، جو بظاہر آپ کی جانب منسوب و مضاف نہ تھے، جب آپ سے ان کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ ان علوم کے دقیق مسائل کو نہایت مختصر الفاظ میں یوں بیان فرما دیتے کہ ان علوم کے ماہرین بھی آپ کے سامنے ماتھا ٹیک دیتے۔ اور آپ کی نبوّت و رسالت کی تصدیق کر کے آپ پر ایمان لے آتے۔ مثلاً علوم انواعِ خواب اور علومِ تعبیرِ خواب کہ چند حدیثوں میں بیان فرمائے ہیں۔ یوں ہی علمِ طب کے دقائق کہ آپ نے بہت مختصر الفاظ میں بیان فرما دیئے ہیں اور باوجود اس بات کے کہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اُمّی (بے پڑھے) تھے لکھنا اور پڑھنا (بظاہر) نہ جانتے تھے مگر اپنے ان علومِ کثیرہ کے باعث جو آپ کے باطن میں جگمگاتے رہتے تھے۔ آپ نے ایک کاتب سے فرمایا کہ دوات میں عمدہ روشنائی ڈال قلم کو قدرے ترچھا رکھو۔ بسم اللہ کی ب کو نمایاں لکھ۔ سین کے شوشے ظاہر کر۔ اسم اللہ کو زیبائی سے لکھ۔ میم کو جوف دار رکھ اور اسے اندھا مت لکھ حالانکہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ ایران دیکھا نہ حبشہ۔ مگر ایرانی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ آپ سے منقول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ فارسی کے سات الفاظ مروی ہیں۔ پہلا ایک مرتبہ انگور کا طباق لایا گیا۔ اتفاقاً صحابہ کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اَلْعِنَبُ دُوْ دُوْ (یعنی ۲-۲ دو دو تقسیم کیے جائیں) دوسرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی قوم کو کس چیز سے رجم کیا تھا؟ فرمایا بسنگ و کلوخ (یعنی پتھروں اور ڈھیلوں سے) تیسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جُبّہ پر جوں دیکھی تو فرمایا یا معاویہ ھذا اُسپُش (اے معاویہ یہ جوں ہے) چوتھے جنگ اُحد میں آپ لوگوں میں خلط ملط ہو گئے۔ یہاں تک کہ صحابہ حاضر آئے اور چند اونٹ ساتھ لائے تاکہ آپ ایک پر سوار ہو جائیں۔ فرمایا ھذا اشُتر (یہ اونٹ ہے) پانچویں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں ایک تازہ سیب تھا مذاق میں کہنے لگیں "کہ میں یہ سیب کسے دوں"۔ آپ نے فرمایا مَرا بدہ (یعنی مجھے دو) چھٹے ایک روز علی الصبح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی کہ مَنْ علی اَلْباب (دروازہ پر کون ہے) فرمایا منم محمدؐ (میں ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ساتویں مشرکین نے دریافت کیا کہ "اللہ ایک ہے یا دو"۔ ارشاد فرمایا کہ "اویکی ست" (وہ ایک ہے)

فائدہ۔ صلصائیل ایک فرشتہ ہے جس کے تین بازو ہیں۔ ایک مشرق میں۔ ایک مغرب میں اور ایک روضۂ انور پہ۔ وہ اس لیے کہ کوئی بندہ درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے آپ پہ درود شریف بھیجا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اس درود کو نور کی روشنائی سے، نور کے کاغذ پہ لکھوا کر ہمیں پیش کرو۔ قیامت میں ہم اس کاغذ کو میزان میں رکھیں گے تاکہ وہ بہشتی ہو جائے۔ (اللھم صلی وسلم بارک علیہ وعلیٰ کل من ھو محبوب و مرضی لدیہ)

فائدہ حضرت خواجہ جُنید قدس سرہٗ ایک رات مسجد تشریف لے جا

رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا تو دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ فرمایا کہ کیا تیرا قابو درویشانِ حق پر بھی چل جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ میں جب چاہتا ہوں کہ انہیں دنیا میں پھنسا دوں تو وہ آخرت کی جانب دوڑتے ہیں اور جب چاہتا ہوں کہ آخرت (کی طمع) میں لگا دوں تو وہ درگاہِ حق کی جانب پناہ لیتے ہیں اور وہاں میرا کوئی دخل نہیں"۔ فرمایا کہ تجھے ان کے اسرار کی خبر ہو جاتی ہے؟ اُس نے کہا کہ نہیں۔ مگر ہاں جب انہیں سماع میں رقّت اور کیفیت ہوتی ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ اب ان کا کیا حال ہوگا۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا۔ خواجہ جُنید اسی فکر میں غلطاں مسجد میں داخل ہوئے، تو مسجد کے ایک گوشہ سے آواز آئی کہ اے جُنید! اس دُشمن کے کہنے پر دھوکا مت کھانا۔ سچّے درویش تو ہمیں اس سے بھی زیادہ عزیز ہیں کہ انہیں جبرئیل اور میکائیل کو دکھایا جائے پھر اس دشمن کو کب دکھا سکتے ہیں۔ خواجہ کو وہ وقت بہت سہانا معلوم ہوا کہ اَولِیَائِی تَحْتَ قِبَائِی لَا یَعْرِفُہُمْ غَیْرِی، (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

فائدہ اے بھائی اہلِ معرفت کے اعمال اصولِ شرع اور روایاتِ فقہ کے موافق تو ہوتے ہی ہیں لیکن انہوں نے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے لیے ہیں اور دربارِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے ان کی تحقیق کی ہے بلکہ ان میں سے اکثر تو اس عمل سے فراغت کے بعد ہی قبولیت کا مژدہ پا لیتے ہیں۔ لہٰذا ابتدائی ارادتمندوں کو چاہیئے کہ ہر عمل کی اجازت خواہ وہ فرض ہو یا نفل حق کے انہیں مقبول بندوں سے لیں تاکہ ان کے اعمال بھی مقبول ہوں۔ اور اگر تمہیں ان کا کوئی عمل، اصولِ شرع اور روایاتِ فقہ کے موافق نظر نہ آئے تو اُسے بدعت مذمومہ کہنے میں جلدی نہ کرو۔

نقل ہے کہ مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہٗ مخدوم شیخ نور قطب عالم پنڈوا کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے پنڈوہ میں تشریف لائے جب آپ

کو مرقدِ پاک میں اتار دیا گیا اور تمام لوگوں کو واپسی کی اجازت مل گئی اور بادشاہِ وقت کہ وہاں حاضر تھا وہ بھی رخصت ہونے لگا تو حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ سے اس نے عرض کیا کہ غلام کی آرزو یہ ہے کہ غریب خانہ بھی آپ کے مبارک قدموں کے شرف سے مشرّف ہو جائے۔ حضرت مخدوم نے قبول کر لیا پھر ایک روز اس کے محل میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے اپنے تمام امراء و رؤسا سمیت آپ کا بہت اعزاز اور اکرام کیا۔ بادشاہ کی مجلس میں ایک دانش ور بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے ایک بدعتی کی اتنی تعظیم و تکریم کی؟ بادشاہ کو بہت بُرا معلوم ہوا اور پوچھا کہ انہوں نے کون سی بدعت کی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ شرع کا ایک قول کرتے ہیں کہ التَّعرِیفُ لَیسَ بِشَیٍٔ (تعریف کوئی چیز نہیں"۔ تشریح آئندہ فائدہ میں آتی ہے) آپ اُس وقت نمازِ مغرب میں مشغول تھے اس لیے بادشاہ چُپ ہو رہا۔ جب آپ نے فراغت پائی تو اُس دانشور نے حضرت مخدوم سے کہا کہ آپ خاموش کیوں ہیں جواب دینا چاہیئے۔ حضرت مخدوم نے بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی جانب توجہ کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التفات فرمایا۔ آپ نے وہاں سے جواب حاصل کیا اور فرمایا کہ دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تشریف فرما ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ میری سنت ہے"۔ اس عالم نے جواب دیا کہ اے لوگو دیکھو یہ شخص پہلے تو صرف بدعتی تھا اب کافر ہو گیا۔ کہ جو شخص یوں کہے کہ فلاں کی روح میرے پاس ہے وہ غیب کی خبر دیتا اور کافر ہو جاتا ہے"۔ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ تیری زبان "تالو میں برقرار ہے (فوراً ہی) اس کی زبان ایک ہاتھ باہر نکل آئی۔ وہ خاک پر گر پڑا۔ جان آفرین کو جان سونپ دی۔ بادشاہ نے حاضرین سے کہا کہ اس گستاخ بدبیاک کو اٹھاؤ اور اس کے گھر پہنچا دو۔

فائدہ۔ معدن الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ تعریف یہ ہے کہ

لوگ عرفہ کے روز، عرفات کے علاوہ کسی اور مقام میں حُجّاج کی مانند جمع ہوں۔ وہاں وقوف کریں، دعا مانگیں، اور گریہ وزاری میں رہیں۔ تاکہ حاجیوں سے تشبّہ ہوجائے۔ نہایہ بشرح ہدایہ میں ہے کہ التّعریفُ لیس بشیئٍ۔ یعنی تعریف واجب یا سنت مؤکّدہ نہیں۔ بلکہ مستحب ہے"۔ ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایات اصول کے علاوہ اور روایت میں ہے کہ وہ مکروہ نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بصرہ میں یہ فعل کیا۔

فائدہ اے دوست نمازِ محبانہ اور عاشقانہ، کچھ اور چیز ہے۔ اے مردِ میدان! اپنے دل کی رضا کو اعتقاد کی جھاڑی میں رکھ۔ اس کے بعد ندامت کے سانس سے سعی وکوشش کر۔ پھر اس کا سکّہ اپنے ٹوٹے ہوئے دل پر مار۔ تاکہ یہ نقش اس پر اچھی طرح اُبھر آئے۔ اُولٰئِکَ کَتَبَ فِی قُلُوبِہِمُ الْاِیْمَانَ (یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے۔

در اثنائے نماز اے جان، نظر بہ قامتت دارم
مگر چوں قامتِ خوبت، قبول افتد نمازِ من

اے جانِ جاناں! نماز کی حالت میں تیرے قامتِ زیبا پر نظر رکھتا ہوں مگر (بات تو جب ہے کہ) تیرے قامتِ زیبا کی طرح میری نماز قبول ہو جائے۔

فائدہ۔ کہتے ہیں کہ سلیمانی دارائی نے جو بزرگانِ دین سے تھے ایک حور کو خواب میں دیکھا۔ اُس نے کہا کہ حضرت والا! آپ چین سے سو رہے ہیں اور یہ مجھے برسوں سے آپ کے لیے سنوارا جا رہا ہے۔ اگر دل چاہے تو سونا چھوڑ دیجئے اور اپنی آدھی عمر نیند میں برباد نہ کیجئے۔ اگر سونے والے یہ جان لیں کہ ان سے کیا نعمت جا رہی ہے، تو مرگِ مُفاجات (اچانک موت) میں مر جائیں۔ شب بیداری وعبادت سے بڑے کام بنتے ہیں۔

بخشی روز کن شب خود را　　شام اقبال دلفروز بود
وقت او خوش کہ اندریں عالم　　شب او نغز تر ز روز بود

شب بیداری سے، اپنی رات کو روزِ روشن کی طرح بنالے تو تیری خوش نصیب شام، بڑی دل فروز ہوگی۔ اس دنیا میں سب سے اچھا وہ ہے جس کی راتیں، دن سے زیادہ خوش اسلوب گذریں۔

فائدہ۔ مخدومی مخدوم شیخ حسین قدس اللہ روحہ فرماتے تھے کہ دل میں چھپ جانے والی بات، جیسی کہ بعض اوقات نامراد فقیروں اور بلا زادِ راہ نوردوں کے قول و فعل میں مل جاتی ہے، عالی جاہ درویشوں اور خانقاہ کے بزرگوں میں نہیں ملتی چنانچہ ایک روز کچھ صوفی بیٹھے ہوئے تھے۔ مخدوم شیخ حسین اور یہ فقیر بھی موجود تھے۔ ذکر یہ چھڑا کہ دوزخ کو اپنی وعیدوں کے مطابق کافروں سے بھر دیا جائے گا۔ مگر وہ پھر بھی ھَلْ مِنْ مَّزِیْد (کیا کچھ اور ہے) کا نعرہ لگائے گی اور بموجب حدیث حَتّٰی یَضَعَ الْجَبَّارُ قَدَمَہٗ " اس وقت خدائے تعالیٰ اپنے قدمِ قدرت دوزخ میں رکھے گا۔" اتنا سنتے ہی ایک نارسا فقیر (قلندر) آپے سے باہر ہوگیا اور ایک نعرہ لگایا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا بات تھی؟ اس نے کہا کہ دوزخ بھی قدوم مولیٰ تعالیٰ کی مشتاق ہے۔ نزولِ قدم کے بغیر اسے سکون نہیں ملتا۔

فائدہ۔ میں سکندرہ آباد کی جامع مسجد میں تھا۔ ایک قلندر وہاں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے پاس دو بغیر سلے تہ بند تھے۔ جس میں سے ایک کو نیچے باندھ کر، ستر پوشی کر رکھا تھا اور دوسرے کو چار تہ کر کے قبلہ کی طرف ڈال رکھا تھا اور اس پر نماز ادا کر رہا تھا۔ سر پر ٹوپی اور دستار تھی مگر باقی بدن برہنہ تھا۔ ایک طالبعلم اس سے سختی سے الجھ پڑا کہ اس ملحد، گمراہ، بے خبر، بے علم اور جاہل و سخت دل کو دیکھو کہ اپنا بدن تو برہنہ کئے ہوئے ہے مگر کپڑا پیروں کے نیچے ڈالے نماز پڑھ رہا ہے۔ کتنی بے ادبی کی بات ہے۔" یہ اور اسی قسم کی بدزبانی اور تہمت تراشی کی۔

اس قلندر نے وہ تہ بند اپنے پیروں کے نیچے سے نکالا۔ اپنے گلے میں ڈال کر گرہ لگالی اور اپنے بدن کو چھپا کر پھر نماز میں مصروف ہو گیا۔ مگر اس میں کوئی تبدیلی اور فرق ظاہر نہ ہوا۔ طالب علم کو اپنے کیے ہوئے پر بڑی شرمندگی ہوئی اور جب وہ قلندر نماز سے فارغ ہوا تو اس نے عذر خواہی کی اور کہا کہ میں نے بہت برا کیا کہ آپ سے غیر مناسب باتیں کہہ دیں۔ مجھے معاف فرما دیجئے اور دل برا نہ کیجئے قلندر نے کہا کہ اسے ولیِ نعمت ان باتوں سے وہ دل بگاڑے جو کسی پیر و مرشد کا پرورش کیا ہوا نہ ہو۔ تم نے مجھے نصیحت کی اور شرعی مسئلہ بتایا۔ اللہ تمہیں بہتر جزا دے۔

زمرد تربیت اریافت جوہر قابل　　سفاہت سفہا را بحلم در گزرد
بدیدۂ شفقت بیند اہلِ غفلت را　　کرام وش ز سرِ لہو و لغو بر گزرد

اگر کوئی جوہر قابل کسی مردِ خدا کی تربیت پا جاتا ہے تو کم ظرفوں کی، کم ظرفی کو بردباری سے معاف کر دیتا ہے۔ وہ محبت کی نظر سے غافلوں کو دیکھتا اور بزرگوں کی طرح لہو اور لغو باتوں سے درگذر کرتا ہے۔

فائدہ۔ مخدومی مخدوم شیخ حسین قدس اللہ روحہ کو جب ہدایت الٰہی کا جذب اور عنایتِ خداوندی کی کشش بے انتہا ہوئی اور آپ کا دل اس نکمی دنیا کی لذتوں اور آرزوؤں سے سرد ہو گیا۔ تو دنیاوی شوکت و جمعیت کو ٹھوکر لگائی اور حضرت ابراہیم ادہم کی طرح فقر و فاقہ سے موافقت کر لی۔ اور اس فقیری پر جو اس امیری کے بعد حاصل ہوئی ایسے راضی و شکر گزار تھے جیسے دوسرے فقیری کے بعد امیری پر رضامند و شکر گزار رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو تونگری کی حالت میں دیکھا تھا جب وہ آپ کی اس حالتِ فقر و بے نوائی پر، شادمانی کو دیکھتے، تو تعجب کرتے اور کہتے کہ اس تونگری و دولت، شان و شوکت، دلاوری و شیر مردی، صنعتِ تیر اندازی و مہارت گوئی بازی اور اپنی انعام و اکرام کی عادت سب کو پھینک کر، اس شخص کی بے نوائی پہ شادمانی بھی خوب ہے۔ آپ کسی کو یہ جواب دیتے کہ اگر اللہ تعالیٰ غریب نواز نہ ہوتا تو اس فقیر کو اس مردار سے کب

نجات دینا اور صبر و قناعت کے مرتبہ کو کب پہنچاتا اور بعض سے یہ فرما دیتے کہ اے دوستو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا لانا مجھ پر اس حالت میں اور زیادہ ہے کہ اس نے میرا نام تونگروں کے دفتر سے کاٹ کر فقیروں اور مسکینوں کے رجسٹر میں لکھا اور پیرانِ طریقت کے سلسلہ میں مجھے پیوست کیا۔ کہ الدنیا ملعونتہ و مافیھا الا ذکر اللہ۔ (دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے) الحاصل مرد کو چاہیئے کہ فقر کی راہ میں مستحکم قدم رکھے اور فاقہ مستی و بے نوائی کی سختی سے گریزاں نہ ہو۔

چیست دنیا؟ خاکدانے کہنہ و یرانہ — غصہ جائی، محنت آبادی، ملامت خانہ
ہر لئیمے ماسزائے ترک دنیا کے کند — سرفرازی را رسد دریا دلے مردانہ

دنیا کیا ہے؟ ایک کوڑے کا ملبہ پرانا اور ویرانہ۔ غم و اندوہ کی جگہ، مشقت کا مقام اور ملامت کا ٹھکانہ۔ ہر بدبخت اور بدنصیب دنیا کب چھوڑ سکتا ہے کہ سرفرازی تک دریا دل مردانگی سے پہنچ سکتا ہے۔

حضرت مخدوم کی عمر جب ختم ہونے پر آئی تو آخر ایام میں آپ کبھی کبھی فرماتے کہ میری آرزو یہ ہے کہ موت کے وقت کوئی خوش الحان اس آیت کو "پردہ گوری جیت" (راگ کی ایک قسم) میں پڑھے۔ آیت یہ ہے۔ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ اے میرے رب! بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمینوں کے بنانے والے! تو میرا کام بنانے والا ہے۔ دنیا و آخرت میں، مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قربِ خاص کے لائق ہیں۔

فائدہ۔ حضرت پیر دستگیر مخدوم شیخ صفی قدس اللہ روحہ فرمایا کرتے کہ درویشی کا راستہ موت کا راستہ ہے یعنی موتوا قبل ان تموتوا۔ اور

مخلوقِ خدا زندگانی کی فکروں میں غرق، اس راہ میں قدم رکھتی ہے (تو منزل تک رسائی کیوں کر ہوگی) جب کہ اکثر لوگ خود درویشی کے سکے کو حصولِ رزق کا وسیلہ جانتے اور اپنی جانب مخلوق کے رجوع اور قبول پہ فدا ہو جاتے ہیں۔

حکایت ایک راجہ تھا کہ اپنے اوقات اپنے دھرم کے موافق طاعت و بندگی میں گزارتا۔ بازی گروں کے ایک گروہ کا اُدھر گذر ہوا۔ لوگوں نے اس راجہ کو یہ خبر پہنچائی کہ بڑے نامی بازی گر آئے ہیں ان کی بازی گری کا تماشا دیکھنا چاہیئے۔ راجہ نے کہا کہ قیمتی وقت شعبدہ بازوں کے تماشا دیکھنے میں گنوانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ انہیں کچھ دے دلا کر رخصت کرو"۔ لوگوں نے پھر کہا کہ وہ جو نقل کرتے ہیں بالکل مطابق باصل کرتے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ راجہ نے ہنستے ہوئے کہا کہ اچھا ان سے کہو کہ وہ جوگیوں کی نقل کریں چنانچہ ان میں سے ایک جوگی بن کر آیا۔ ایک گدڑی زمین پہ ڈالی۔ اس پر جوگیوں کی طرح بیٹھ گیا اور ایسے شغل و فکر میں مصروف ہوا کہ اس دنیا سے بالکل فارغ و غافل ہو گیا اور اس دنیا کی جانب ذرہ برابر التفات نہ رہا۔ تمام حاضرین نے بہت تحسین و آفریں کی اور راجہ نے بھی بہت پسند کیا اور اس وقت راجہ کی بغل میں جو جواہرات اور مروارید سے منقش جو چادر تھی وہ کسی کو دی اور اس جوگی کے پاس بھیجی۔ جوگی نے اس چادر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اپنے پاس سے دور پھینک دیا۔ راجہ کو اس کی یہ حرکت بہت بُری معلوم ہوئی اور کہا کہ اس جوگی کو دیکھو اس نے نہ ہماری چادر کا خیال کیا اور نہ ہماری عزت کا لحاظ رکھا۔ جب وہ جوگی نقل سے فارغ ہوا تو راجہ نے پوچھا کہ " تو نے ہماری چادر کی عزت و حرمت کا خیال کیوں نہ رکھا"۔ جوگی نے کہا کہ اے راجہ اگر میں جوگی کی نقل کے دوران ، دنیا کے مال کو قبول کر لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی۔ راجہ کو یہ بات بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اس سے راجہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ تو ٹھیک کہتا ہے۔

اے طالب صادق انصاف کر کہ بے دینوں کی نقل ، دنیاوی سامان سے

لالچ کے ساتھ صحیح نہیں ہوتی، تو پھر دنیاداروں سے تشبّہ اختیار کرنا، اور دنیا کی حرص میں مبتلا رہنا، کس طرح درست قرار پا سکتا ہے۔

خرقہ زہد پروراں کفن ست — نہ باخذِ متاع و مال فن ست
خرقہ پوشی کہ درپئے مزدست — نہ کفن پوش بل کفن دُزد ست

زہد ترکِ دنیا اختیار کرنے والوں کا خرقہ کفن ہے۔ ان کے نزدیک مال و متاع کا سمیٹنا کوئی فن نہیں۔ وہ خرقہ پوش جو اس کی اجرت کے درپے ہے وہ کفن پوش نہیں بلکہ کفن چور ہے۔)

فائدہ۔ مخدوم شیخ حسین قدّس اللہ روحہٗ نے جب فقیر کو خرقۂ خلافت پہنایا تو میں عرصۂ دراز تک اس حیرت و فکر میں رہا کہ اکابرین کا لباس، اس ناکارہ و ناسپاس کو کس مصلحت کے ماتحت عطا فرمایا ہے۔ مجھ میں یہ سکت تھی ہی نہیں کہ اسے نہ پہنوں اور درویشوں کے حکم کی خلاف ورزی میں کوشاں رہوں کہ میں تو اُن کے حکم کا فرمانبردار تھا۔ الغرض میں مدتوں اسی فکر میں غلطاں رہا۔ آخرکار میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ شاید خرقہ اہلِ معرفت کے آثار مجھ میں پیدا ہوں۔ تمام عمر گذر گئی مگر کوئی اثر پیدا نہ ہوا۔

سبزہ بہ سنگ نہ روید، چہ گنہ باراں را

سبزہ پتھر پر نہ اُگے تو بارش کا اس میں کیا قصور۔

پھر اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ ایک روز مخدوم نے مجھ سے دریافت کیا کہ کسی نے تمہاری بیعت کی؟ میں نے عرض کیا "نہیں"۔ فرمایا کہ کسی نے خود تمہاری طرف توجہ نہ دی یا تم نے قبول نہ کیا؟۔ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگوں نے رجوع کیا تھا مگر میں نے اپنی کم لیاقتی کے باعث انہیں قبول نہ کیا۔ مخدوم نے مجھے ڈانٹ پلائی کہ میں نے مشائخ کے معمول کے مطابق تمہیں ایک کام سپرد کیا تھا۔ تم اپنی لیاقت اور عدمِ لیاقت کو دیکھتے رہے۔ تمہیں اس دخل اندازی اور یاوہ گوئی کی کیا ضرورت ہے۔ اور مرشدوں کے حکم و تصرف میں تمہیں کیا اختیار؟

آئندہ ہرگز ہرگز، اگر کوئی ارادت مند رجوع کرے تو (اسے رد نہ کرنا بلکہ) برخلاف گذشتہ اسے بیعت کرنا۔" اس کے بعد نرمی سے فرمایا کہ اے نیک بخت طلب صادق رکھنے والوں کو، پیروں کا اپنی بیعت میں لینا اس لیے نہیں کہ انکی نجات اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں بلکہ اکثر دیندار اس نیت سے بیعت لیتے ہیں کہ اس گروہ میں بہت سے وہ بھی تو ہیں جو اہل نجات سے ہیں ان کے طفیل میں ہم بھی نجات کے اہل ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس کارِ خیر میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

حکایت ایک طالب صادق ایک رات ایک بزرگ پیر کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ کل تمہیں کُلاہ دوں گا اور بیعت کروں گا۔ قضارا موت آگئی اور وہ شخص اسی رات میں مر گیا۔ اُن بزرگ نے بہت افسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیعت کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اہلِ معرفت تاخیر گوارا نہیں کرتے۔

برادرم نماز جو افضل العبادات ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات برس کے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو انہیں مار کر نماز پڑھواؤ تاکہ کوئی نماز نہ چھوڑیں"۔ لیکن مرید کرنا دودھ پیتے بچوں کا بھی، مستحسن ہے۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو کسی پیر اور بزرگ کی بیعت میں دے دیں۔

حکایت۔ سیّد فتنؒ زیدپور کے رہنے والے، ایک مرد صالح و پارسا تھے۔ ان کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ آپ حضرت پیر دستگیر مخدوم شیخ صفی قدس اللہ روحہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بچہ عنایت فرمایا ہے اُسے کلاہ و شجرہ بیعت عنایت کیجئے۔ حضرت مخدوم نے جب اپنے نورِ باطن سے جانا کہ سیّد فتنؒ کے گھر میں پانچ لڑکے پیدا ہوں گے اور آپ کو اپنی زندگی کے متعلق بھی یقین تھا کہ اس وقت تک حیات نہ رہوں گا۔ لہٰذا آپ نے پانچ ٹوپیاں اور پانچ شجرے عنایت فرمائے

اور فرمایا کہ ہم نے تمہارے پانچوں بیٹوں کو بیعت میں لے لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت مخدوم کا وصال ہو گیا اور سید فتن کے گھر میں پانچ لڑکے یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے پیدا ہونے اور ان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی بیعت کرنا اور مرید بنانا جائز ہے۔ اسی طرح جب آدمی مر جائے تو اس سے پہلے کہ دفن نہ کیا گیا ہو اسے مرید کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ دوسرے سنبلہ میں اُس مُردے کی حکایت جس کا سر ملتا تھا لکھی گئی۔ کہ مخدوم شیخ مینا نے اُسے کلاہ اور شجرہ عنایت فرمایا یہاں تک کہ اس کا سر ملنے سے رُک گیا۔ رسالہ سیر مشائخ میں لکھا ہے کہ خواجہ قدوۃ الدین ابوا حمد، خواجہ ناصر الدین محمدؒ کی والدہ کے پاس آتے اور کہتے السلام علیک یا ولی اللہ انت خلیفتی (اے اللہ کے ولی تم پر سلام۔ تم میرے خلیفہ ہو) شیخ محمد کی والدہ دریافت کرتیں کہ اے شیخ آپ نے کسے سلام کیا اور کسے خلافت دی؟۔ شیخ ابوا حمد چشتی کہتے کہ تمہارے پیٹ میں ایک بچہ ہے میں نے اسے سلام کیا اور اُسے اپنا خلیفہ بنایا۔ شیخ محمدؒ کی والدہ فرماتیں کہ حضرت وہ ابھی پیٹ میں ہے اور معلوم نہیں لڑکا ہے یا لڑکی؟ وہ ابھی آپ کا مرید بھی نہیں ہوا ہے آپ نے اسے خلافت کیسے دے دی؟ شیخ ابوا حمد کہتے کہ اے پاک دامن میں نے تمہارے بیٹے کو ایک بزرگ وار اور پیرِ نامدار، لوحِ محفوظ میں لکھا دیکھا ہے۔ اس کا نام محمدؐ ہے۔ وہ میرا مرید اور خلیفہ ہے۔ میں تمہیں بشارت دینے آتا ہوں"۔

فصل۔ حضرت مخدوم شیخ بہا ابن محمودؒ، نبیرہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری قدس اللہ روحہا نے، خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحھم کے حالات میں ایک رسالہ لکھا ہے جنہیں اپنے پیر بزرگوار شیخ عماد الدین سے نقل کیا ہے اور اس کا نام سیر مشائخ رکھا ہے۔ فقیر نے ہر پیر کے واقعات میں سے تھوڑا تھوڑا

بطورِ تبرک اخذ کیا ہے۔

سیرِ اوّل۔ حضرت علیؓ مرتضٰے کرم اللہ وجہہٗ کے احوال میں طالبانِ صادق کو معلوم ہو کہ علی مرتضٰے اور محمّد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان بچپن ہی سے قلبی رابطہ تھا۔ (اسی کا اثر تھا کہ) علیؓ مرتضٰے نے بچپن میں بھی بت پرستی سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ جب آپ کے رشتہ دار آپ کو سنوارتے، بت خانہ میں لے جاتے اور خود بت پرستی میں مصروف رہتے تو علی مرتضٰے سے کہتے کہ تم اپنے باپ دادا کے ان خداؤں کو کیوں سجدہ نہیں کرتے، کیوں ان پر اعتماد جازم نہیں رکھتے؟ تو آپ جواب دیتے کہ میں جب کسی بت کو سجدہ کرنا چاہتا ہوں تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے اور میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ یہ بے جان جمادات ہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور ایسے بے جان اجسام کو سجدہ کرنا باطل محض ہے۔ آپ کے والد نے جب یہ بات سنی تو بہت خفا ہوئے کہ تم ابھی نادان بچے ہو۔ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو باطل بتلاتے ہو۔ اور جب سیّد الشہداء امیر حمزہ نے یہ باتیں سنیں تو آپ بہت خوش ہوئے اور مولیٰ علی کو اپنی آغوش میں لے کر فرمایا کہ اُے علی! اپنی بات پر مستحکم رہنا، بت پرستی ہمارے آباؤ و اجداد کا دین نہیں تھا بلکہ ہمارے جدِّ اعلیٰ ابراہیم خلیل اللہ نے بتوں کو توڑ کر دینِ ابراہیمی کی بنیاد ڈالی تھی"۔ علی نے عرض کیا "چچا جان مجھے محمّد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت و قلبی یگانگت ہے اور وہ ہمیشہ خدا پرستی کرتے ہیں"۔ امیر المومنین حضرت حمزہ نے فرمایا کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پیغمبروں کے خصائل و اخلاق موجود ہیں مجھے امید ہے کہ یہ پیغمبر ہوں گے اور ہم ان پر ایمان لائیں گے"۔

ایک روز علی مرتضٰے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے تو آپ کو بہت مسرور و شادماں پایا۔ عرض کیا کہ اے محمّدِ محترم! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جب بھی آپ کی خدمت میں آتا تو آپ کا چہرہ زرد اور آنکھیں پُرنم و سرخ پاتا۔

آج میں آپ کو بہت خوش و خرم پاتا ہوں اس میں کیا راز ہے؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے علی تم دنیا و آخرت میں میرے برادر دینی و یقینی ہو میں یہ راز تم پر کھولتا ہوں کہ آج مجھ پر وحی کا نزول ہوا ہے اور جبریل سورۃ اِقرا باسمِ ربک الذی خلق لے کر نازل ہوئے ہیں اور میں خاتم النبیین پیغمبر آخر الزماں ہوں۔ مولیٰ علی بہت خوش ہوئے اور عرض کیا کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر وحی نازل ہوگی تو ہم اُن پر ایمان لائیں گے اور اُن کی رسالت و نبوت کی تصدیق کریں گے۔ میں ابوبکر کو بھی اس کی اطلاع دے دوں۔ چنانچہ مولیٰ علی گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی اس حقیقت حال سے مطلع کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے علی تم ان پر ایمان لائے یا نہیں۔ جواب دیا کہ میں نے اس معاملہ کی تحقیق کی خاطر ذرا توقف کیا ہے۔ ابوبکر صدیق نے کہا کہ جلدی چلو تاکہ ہم تم ان پر ایمان لائیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امین ہیں اپنی تمام عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اب بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اے علی تم نے یہ کیا کیا کہ آپ پر فوراً ایمان نہ لائے۔ اگر موت آجائے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔

غرض حضرت ابوبکر صدیق اور مولیٰ علی دونوں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے اور فوراً کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور ایمان لائے۔ چنانچہ سب سے پہلے پختہ عمروں میں جو شخص ایمان لایا۔ وہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور نوعمروں میں سب سے پہلے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ۔ مولیٰ علی کو مجاہدہ و ریاضت کا اس قدر شوق تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ کے گھر میں تین تین چار چار بلکہ نو نو روز کا فاقہ ہو جاتا مگر کسی پر اپنی فاقہ کشی کو بیان نہ کرتے۔ حتے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی ظاہر نہ کرتے اور صابر و صادق رہتے۔

دوسری اسیر خواجہ حسن بصری قدس سرہ کے بیان میں۔ آپ کو علی مرتضےٰ

کرم اللہ وجہہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ تقوٰے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔
ستر سال تک آپ کا وضو سوائے حاجتِ انسانیہ کے باطل نہ ہوا۔ خواجہ حسن بصری
نے جب مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا خرقہ پہنا اور یہ خرقہ، وہی کمبل تھا جو حضرت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضٰے کو پہنایا اور نصیحت فرمائی تھی کہ اسے علی یہ
فقر و درویشی کا خرقہ ہے اسے پہنو اور فقر و فاقہ کو اختیار کرو"۔ جب مولیٰ علی کرم اللہ
وجہہ نے خواجہ حسن بصری کو یہ خرقہ پہنایا اور آپ کو فقر و فاقہ اور صبر و شکر کی نصیحت
کی تو خواجہ حسن بصری نے اس پند و نصیحت کو قبول کیا اور مولیٰ علی سے خرقہ خلافت
پہن کر مکان میں تشریف لائے اور جو کچھ تھا وہ فقیروں کو دے دیا یہاں تک کہ
گھر میں ایک وقت کی خوراک بھی باقی نہ رکھی۔ آپ تین روز مسلسل روزہ رکھتے۔
اور کبھی کبھی پانچ پانچ، چھ چھ روز بھی گذر جاتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے خواجہ
اتنا کم کھانے سے آدمی بیمار و ناتواں ہو جاتا ہے۔ خدا کی عبادت بھی نہیں کر سکتا
آپ پہ پانچ پانچ چھ چھ روز گذر جاتے ہیں اور روزہ نہیں چھوڑتے۔ اگر ناتوانی
و بیماری زور پکڑ جائے تو کیا کریں گے؟ فرمایا کہ میں مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم
اور علی مرتضٰے کی پیروی کرتا ہوں۔ کہ آپ تین تین، چار چار اور کبھی پانچ بلکہ چھ
دن فاقہ کشی میں گذر جاتے۔ میں نے ان کا خرقہ پہنا ہے اگر ان کی پیروی نہ کرونگا
تو مجھے ان میں شمار نہ کیا جائے گا اور درویش، درویشی میں قبول نہ کریں گے اور
کہیں گے کہ یہ خود نمائی ہے۔ دوسرے خرقہ پوش درویش تو کم کھاتے ہیں اور یہ
پر شکم رہتا ہے۔ انہوں نے فاقے کیسے ہیں اور یہ ہر روز کھاتا پیتا ہے"۔ ہم نے
خود کو ان کے گھوڑے کے شکار بند میں باندھ لیا ہے۔ وہ جس راہ چلے ہیں ہم بھی
اسی راہ چلیں گے خواہ کمزور پڑیں یا بیمار رہیں۔

خواجہ حسن بصری پر خوفِ الٰہی غالب تھا۔ اتنے روتے کہ آنکھوں میں گڑھے
پڑ گئے اور کثرت گریہ وزاری کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی۔ آپ دعا کرتے کہ الٰہی
حسن گناہ گار ہے اس پہ رحمت فرما اور جب اسے درویشوں کا خرقہ دیا ہے تو

اسے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرو"۔

تیسری سیر خواجہ عبدالواحد زید قدس اللہ رُوحہ کے بیان میں۔ آپ خواجہ حسن بصری کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے بیعت سے پہلے بھی چالیس سال مجاہدہ و ریاضت میں گذارے۔ آپ کو علم میں کمال حاصل تھا۔ اور حسن بصری کی طرح زبردست مجتہد تھے۔ آپ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں بڑے اور بعید منکسر المزاج تھے۔ بہت کم کسی نے آپ کو پہلے سلام کیا ہو گا۔ آپ جس سے ملتے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اُسے خود سلام کرتے۔ لوگوں کے سامنے ادب سے رہتے اور فرماتے کہ تم لوگ اس بادشاہ کے غلام ہو جس کی تعظیم ہم پر لازم ہے اور جسے بادشاہ سے محبت ہوتی ہے وہ اُس کے خدمت گذاروں کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور تم سب اسکے بندے ہو۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ تمہاری تعظیم کریں کہ تمہاری تعظیم (گویا) خدا کی تعظیم ہے۔

ایک روز آپ ایک راستہ پر گذر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک کمزور بوڑھا، لاغر، بیمار اور پُر نقص راستہ میں پڑا ہے۔ دھوپ تیز ہے وہ تھک گیا ہے اور سایہ ڈھونڈتا ہے۔ حضرت عبدالواحد زید نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور فرمایا کہ اے بادل اس پر سایہ کر۔ فوراً بادل نمودار ہوا اور اس نے بیمار پر سایہ کر لیا۔ اُس بوڑھے نے کہا کہ اے شفیق بزرگ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشے شیخ نے دعا کی اس نے صحت پائی اور فوراً کھڑے ہو کر اپنے پیروں سے چل دیا۔

ایک روز آپ ایک راہ سے گذر رہے تھے۔ فقیروں کی ایک بھوکی جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ ان سب نے بہت رو پیٹ کر کہا کہ اے شیخ آپ خدا والے ہیں۔ آپ کی دعا مقبول ہے۔ ہم سب فقیر بھوکے پیاسے ہیں۔ ہمارے بال بچے بھوک سے مرے جاتے ہیں۔ خدا سے دعا کیجئے کہ ہمیں وقت پر کھانا نصیب ہو جایا کرے۔ ہم دنیا کی کوئی اور چیز نہیں چاہتے"۔ آپ نے فرمایا جاؤ آج سے بے غم ہو جاؤ گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ شریعت کے راستہ پر چلتے رہنا۔

فقیر اپنے اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ اُن کی بیویوں نے عمدہ اور لذیذ کھانے تیار کیے ہیں اور ہر شخص کے ہاتھ میں سونے کے دینار ہیں۔ پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا اور یہ مال کس نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک شخص آیا۔ دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ ہم گئے اس نے سونے کے دیناروں کا ایک طباق بھرا ہوا ہمیں دیا اور کہا کہ تم سب آپس میں بانٹ لو۔ اور جب تمہارے شوہر تم سے پوچھیں تو کہہ دینا کہ شیخ عبدالواحد کا ایک دوست آیا تھا وہی ہمیں یہ دینار دے گیا ہے۔ شوہروں نے کہا کہ ہاں شیخ عبدالواحد زید سے ہماری ملاقات ہوئی تھی اور ہم نے اپنی بیکسی کا حال اُن سے عرض کیا تھا اور اہل و عیال کی تنگی کا حال انہیں سنایا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ آج سے تم بے غم ہو جاؤ گے"۔ عورتوں نے اپنے شوہروں سے کہا کہ جب تمہاری شیخ عبدالواحد سے ملاقات ہو گئی تھی تو تم نے صرف دنیا کیوں مانگی۔ اگر دین بھی مانگتے تو اللہ تعالیٰ شیخ عبدالواحد کی برکت سے تمہیں دین کامل بھی عطا فرماتا۔

نقل ہے کہ شیخ عبدالواحد زید ہمیشہ خدائے تعالےٰ سے ڈرتے رہتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ دو تین فاقے کرتے اور افطار کے وقت دو تین نوالے کھا لیتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اتنا کم کیوں کھاتے ہیں۔ فرمایا کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مولیٰ علی اور اپنے مرشد کی پیروی کرتا ہوں کہ ان حضرات کو فاقہ کشی محبوب تھی اور درویش وہی ہے جو قول و فعل میں، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، علی مرتضےٰ اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔ ورنہ اسے درویش نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ اسے ذلیل جانتے ہیں۔ اور اس کی ذلت، اس کے مرشد کی ذلت، مرشد کی تذلیل مولیٰ علی کی تحقیر، اور آپ کی تحقیر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ اور آپ کی توہین خدائے تعالیٰ کی تنقیص ہے۔ لہٰذا درویش کو چاہیئے کہ اپنے مرشد برحق کی پیروی نہ چھوڑے کہ پیر کی پیروی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

نقل ہے کہ شیخ عبدالواحد زید جب خواجہ حسن بصری سے بیعت ہوئے تو آپ کے پاس سات غلام تھے۔ سب کو آپ نے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ حسن طرح

آج میں گناہوں سے آزاد ہوا ہوں، اپنے ان غلاموں کو بھی اپنی غلامی سے آزاد کرتا ہوں۔ اور اس کے علاوہ گھر میں جو کچھ مال و متاع تھا وہ سب درویشوں کو دے دیا اور ایک پرانی گدڑی لے کر خواجہ حسن بصری کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

چوتھی سیر حضرت فضیل عیاض قدس اللہ روحہ کے بیان میں۔ آپ خواجہ عبد الواحد زید کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ رہزنی کیا کرتے تھے اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے سردار تھے۔ اپنے ساتھیوں سمیت جنگل میں رہتے۔ آپ کے ساتھی رہزنی کرتے اور آپ بیابان میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے رہتے۔ قرآن شریف کی تلاوت آپ کو بہت محبوب تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ ایک رات ایک قافلہ گزر رہا تھا جس نے ایک حافظ کو نذرانہ دے کر بلا لیا تھا تاکہ وہ تمام رات قرآن پڑھتا رہے۔ اس خیال سے کہ فضیل عیاض قرآن خوانی کو بہت پسند رکھتے ہیں۔ فضیل جب قافلہ کے پاس پہنچے تو حافظ یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ (کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لیے جھک جائیں) یہ آیت آپ کے دل پر تیر کی طرح لگی۔ بیخود و بیقرار ہو گئے اور ویرانے کی طرف چل دیئے۔ (قافلہ والوں کو کیا پتہ) ۔ انہوں نے کوچ کرنا چاہا تو ایک شخص نے کہا کہ کہاں جاتے ہو؟ فضیل اپنے کثیر ساتھیوں سمیت راستے میں آ رہا ہے گا۔ آپ نے یہ بات سنی تو فرمایا اے قافلے والو! تمہیں بشارت ہو کہ فضیل نے توبہ کر لی۔ اب وہ تم سے بھاگ رہا ہے جیسا تم اس سے بھاگتے تھے۔

حضرت فُضیل راہ چلتے روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ الٰہی فُضیل گنہگار و گناہ شعار توبہ کر کے تیری بارگاہ کی جانب منہ کئے آتا ہے اُسے قبول فرما فُضیل کو بخش دے اور اس کے مخالفوں کو راضی کر دے"۔ جہاں جہاں آپ کے مخالف تھے آپ وہاں جاتے اور اُسے راضی کرتے۔ مگر ایک یہودی رضامند نہ ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک میرا سونا نہ دو گے میں راضی نہ ہوں گا۔ اُس

کا سونا سو دینار تھا۔ آپ نے بہت گریہ وزاری کی تو اس یہودی نے سو ٹھیکریاں، دینار کے نمونہ کی تراشیں، اور تھیلی میں اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر، حضرت فضیل سے کہا کہ جاؤ وہ سو دینار کی تھیلی جو میرے تکیے کے نیچے ہے، میں نے تمہیں بخشی۔ وہ مجھے گن کر دے دو (کہ میری قسم پوری ہو جائے) آپ ٹھیکریوں کی وہ تھیلی اٹھا کر لائے۔ تو آپ کے دست مبارک کے مَس کی برکت سے، وہ ٹھیکریاں سونے کے دینار ہو گئیں۔ اور آپ نے وہ دینار گن کر یہودی کو دے دیئے یہودی نے کہا کہ میں اپنے کفر و گناہ سے باز آیا۔ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں۔ مجھے کلمہ طیبہ پڑھائیے۔ حضرت فضیل نے فرمایا کہ تو نے مجھ میں کون سی بات دیکھی؟ اس نے کہا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ "محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ سچے دل سے توبہ کر لیں گے اور مٹی پر ہاتھ ڈالیں گے تو وہ سونا ہو جائے گی"۔ یہ بھی مٹی کی ٹھیکریاں تھیں جو آپ کے ہاتھ میں سونا ہو گئیں۔ اب مجھے یقین ہے کہ آپ کی توبہ مقبول ہے۔ اسی وجہ سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ جو شخص کسی مقبولِ خدا کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے خود بھی مقبول ہو جاتا ہے۔

جب حضرت فضیل نے تمام مخالفوں کو راضی کر لیا تو حضرت حسن بصری کی ملاقات کے لیے بصرہ میں آئے اور لوگوں سے پوچھا کہ خواجہ حسن کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ خواجہ حسن واصل بحق ہوئے اور دوست دوست سے مل گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت فضیل رونے لگے اور فرمایا کہ آہ اب کس کے پاس جاؤں اور کس کی خدمت میں رہوں کہ درویشی کی راہ میں (درویشوں کی صحبت اصل ہے"۔ عرض کیا گیا کہ خواجہ عبدالواحد زید آپ کے مرید خلیفہ اور جانشین ہیں اور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مولیٰ علی کا خرقہ پہنے ہوئے ہیں۔ حبیب عجمی ان کے دوست ہیں جو ہر ہفتہ ان سے ملاقات کے حاضر آتے ہیں۔ آج درویشی میں ان کی مثال نہیں۔ وہ لوگوں کو بیعت کرتے، انہیں دین کا راستہ

بتاتے، اور بیماروں کو تندرست کرتے ہیں۔ ان کی خدمت کی وجہ سے ہزاروں مطلوب تک پہنچ چکے اور تجلیات محبوب حقیقی کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

خواجہ فضیل خواجہ عبدالواحد زید کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ اور قدمبوسی کی خواجہ عبدالواحد نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) تمہیں بشارت ہو کہ جب تم نے سچی توبہ کی ہے تو تم خدا کے محبوب ہو گئے۔ آؤ کہ تمہیں اپنی آغوش میں لوں اور خدائے تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے تمہیں دوست رکھوں۔ اور درویشی کا راستہ دکھاؤں۔ حضرت فضیل عیاض نے بیعت کی اور شیخ عبدالواحد زید کے مرید ہو گئے۔

اسی بنا پر بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ طالب صادق، صدق ارادت کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھے تو اُسے چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنے مخالفوں کو راضی کرے۔ لوگوں کے حقوق جو اس پر ہیں، انہیں ادا کرے پھر کسی پیر و مرشد کی تلاش میں رہے۔ حضرت عبدالواحد زید نے حضرت فضیل کو سب سے پہلے یہی شغل بتایا کہ گوشہ نشینی اختیار کرو اور لا الٰہ الا اللہ کا ذکر بے حد و لا محدود کرتے رہو پھر تو حضرت فضیل کی وہ شان ہوئی کہ اس زمانہ کے تمام درویشوں نے آپ کی جانب رجوع کیا اور فضیل نے اسی وقت کہ شیخ عبدالواحد زید کے مرید ہوئے تھے ان سے خلافت پائی۔ آپ نے دنیا داروں کا نہ منہ دیکھا اور نہ دنیا کی کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لی۔ سوائے اُس کے جس سے آپ افطار کرتے۔

نقل ہے کہ ایک روز ہارون الرشید نے ایک شخص سے کہا کہ مجھے کسی درویش کے پاس لے چلو۔ وہ شخص ہارون رشید کو سُفیان بن عُیَینہ کے پاس لے گیا اور آواز دی کہ تمہارے پاس ہارون رشید آیا ہے۔ آپ نے اندر سے فرمایا کہ مجھے کیوں خبر نہ کی کہ میں خود اس کے پاس آ جاتا۔ ہارون الرشید نے یہ بات سُنی تو کہا کہ یہ وہ شخص نہیں جو میرا مطلوب و مقصود ہے۔ سُفیان نے فرمایا کہ ایسا شخص جس کی تمہیں تلاش ہے فُضیل عیاض ہے۔ وہ شخص ہارون رشید کو

حضرت فضیل کے دروازہ پر لایا۔ آپ تلاوتِ قرآن میں منہمک تھے اور یہ آیت زیرِ تلاوت تھی۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (کیا جنہوں نے بُرے کاموں کا ارتکاب کیا، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اُن جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ اُن کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں۔) ہارون رشید نے کہا کہ اگر میں کوئی نصیحت قبول کرنا چاہوں تو یہی آیت کافی ہے۔ پھر فوراً اندر داخل ہوا۔ حضرت فضیل نے چراغ بجھا دیا کہ ہارون کا چہرہ نہ دیکھیں اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ہارون الرشید روتا رہا۔ پھر کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ حضرت فضیل نے فرمایا کہ خدا سے ڈر اور اسے جواب دہی کے لیے تیار رہ۔ کہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ ایک ایک کے متعلق تجھ سے دریافت فرمائے گا اور ہر ایک سے انصاف کا معاملہ کرے گا۔" ہارون رشید نے کہا کہ ایک ہزار دینار آپ کو نذر کیے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو نصیحتیں میں نے کیں ان سے تجھے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ اور تو نے یہیں سے ظلم شروع کر دیا۔ میں تو تیرے لیے یہ کوشش کرتا ہوں کہ تو خدا تک پہنچ جائے اور تو میرے لیے اس بات کے درپے ہے کہ میں اس کی محبت، عشق، اور قرب سے دور جا پڑوں"۔

پانچویں سیر خواجہ ابراہیم ادہم بلخی قدس اللہ روحہٗ کے ذکر میں۔ آپ خواجہ فضیل عیاض قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم عادل، فیاض اور فقراء نواز سلطان تھے۔ صلاح و فلاح میں کامل۔ علماء و مشائخ کے روبرو، خود کو ایک بندۂ بے دام تصور کرتے۔ اور علماء و مشائخ کے پاپوش، درست رکھتے۔ اگرچہ خود اولی الامر سے تھے۔ آپ کا دل اچانک ہی دنیا کی محبت سے سرد ہو گیا اور اللہ عزوجل کی محبت دل میں بیٹھ گئی۔ مملکتِ بلخ کو لٹا دیا۔ فقر و فاقہ کو اپنایا اور تن تنہا ویرانے کی طرف نکل گئے۔ آپ کے ترکِ دنیا کا واقعہ تیسرے

سنبلہ میں گذر چکا ہے۔ بلخ چھوڑ کر آپ مکے پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کی اور خانہ کعبہ کے مجاور بن کر رہ گئے۔ اپنی کمائی کا کھانا پکواتے اور فقیروں کو کھلا دیتے ایک روز ابراہیم ادہم نے دریافت کیا کہ مکہ میں دیندار اور صاحب مجاہدہ و مشاہدہ کون سا درویش ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ فضیل عیاض کے سوا کوئی نہیں۔ وہ خواجہ عبدالواحد زید کے مرید اور خلیفہ ہیں اور آپ کو علی مرتضےٰ کی خلافت کا خرقہ بھی پہنچا ہے۔ خواجہ عبدالواحد زید کے سجادہ پر بیٹھے لوگوں کو اپنی بیعت میں لیتے ہیں۔ ابراہیم ادہم آپ کی خانقاہ میں پہنچے اور آپ کی قدمبوسی کی۔ حضرت خواجہ نے بہت شفقت فرمائی اور فرمایا کہ اے ابراہیم ادہم تم دنیا کے بادشاہ تھے اب دین کے بادشاہ بن گئے۔ اب ہمارے سجادہ پر بیٹھو گے۔ ہمارے مشائخ کا خرقہ پہنو گے اور نامور درویشوں سے ہو جاؤ گے۔ سلطان ابراہیم جب خواجہ فضیل کی نظر میں پھر گئے تو آپ کی محبت و عشق دس گنا بڑھ گیا۔ آپ نے حضرت خواجہ فضیل سے بیعت کی اور ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جب کچھ زمانہ گذرا خواجہ فضیل نے خلافت درویشی کا خرقہ انہیں پہنا دیا اور اپنا خلیفہ کر دیا۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم! تمہیں چاہیئے کہ فقر کو اختیار کئے رہو کہ تمام درویشوں کے سرتاج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فقر کو اختیار فرمایا۔ آپ کے خلیفہ علی مرتضےٰ ہیں انہوں نے فقر پسند کیا۔ ان کے خلیفہ خواجہ حسن بصری ہیں۔ انہوں نے فقر کو اچھا جانا۔ ان کے خلیفہ خواجہ عبدالواحد زید ہیں انہیں فقر محبوب تھا۔ اور ان کا خلیفہ میں ہوں کہ فقر سے نباہ کر رہا ہوں اور دنیا چھوڑ بیٹھا ہوں۔ تمہیں چاہیئے کہ تم ہماری اور ہمارے مرشدوں کی پیروی اختیار کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم نے حضرت فضیل عیاض کی پند اور نصیحت کو قبول کر لیا اور ہمیشہ اس پر کاربند رہے۔

نقل ہے کہ ایک شخص ہزار دینار حضرت سلطان ابراہیم کی خدمت میں حاضر لایا۔ آپ نے قبول نہ کیے اور فرمایا کہ اے عزیز تم یہ چاہتے ہو کہ میرا نام درویشوں کے دفتر سے کاٹ دو اور اس (ذلیل) مقدار اور مردار سونے کے عوض مجھے کل

قیامت میں مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کے سامنے شرمندہ کرو"۔ آپ کا مقولہ ہے کہ جس شخص کا دل تین جگہ حاضر نہ ہو اس پر نعمت راز و نیاز، اور رحمت کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے ۔ ایک تلاوت قرآن شریف، دوسرے بوقتِ ذکر۔ تیسرے نماز کے اوقات میں۔

چھٹی سیر خواجہ حُذیفہ مرعشی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں ۔ آپ حضرت ابراہیم ادہم کے مرید اور خلیفہ ہیں ۔ آپ کو علم میں کمال حاصل تھا ۔ علمِ سلوک میں آپ کی بکثرت تصانیف ہیں ۔ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ فاقہ کشی اور مفلسی کے رنگا رنگ مناظر دیکھے ۔ آپ مشائخ کبار کے سرتاج تھے ۔ اس زمانہ کے تمام اہلِ معرفت کی توجہ حضرت حذیفہ مرعشی کی جانب تھی ۔ تیس سال تک آپ کا وضو سوائے مواضعِ ضرورتِ شرعیہ کے نہ ٹوٹا ۔ آپ نے فرمایا ہے کہ درویش کو خالی ہاتھ، خالی پیٹ اور (دنیا سے) خالی دل ہونا چاہیئے۔ اور اگر تم کسی درویش کے ہاتھ پر درم دیکھو تو اس کے قریب نہ پھٹکو"۔ خواجہ حذیفہ اہلِ دولت و صاحبِ ثروت سے پرہیز فرماتے اور فرماتے کہ اگر تمہاری صحبت نے مجھ پر اثر کیا تو میں راہِ (فقر) سے ڈگمگا جاؤں گا اور مجھے درویشوں کے روبرو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اور اے اہلِ دنیا! اگر تم میری صحبت میں آنا اور میرے پاس بیٹھنا چاہتے ہو تو دنیا کو چھوڑ دو اور درویشی اختیار کرو ۔ تمہیں اس وقت میں اپنی مجلس میں جگہ دونگا۔

نقل ہے کہ جب کوئی دنیا دار توبہ کرتا اور دنیا سے دامن سمیٹ لیتا، تو شیخ حُذیفہ مرعشی چالیس روز تک اس کا منہ نہ دیکھتے اور فرماتے کہ ابھی (اس سے) مالداری کی بدبو آتی ہے ۔ چالیس روز گزرنے کے بعد، توبہ کرنے والے کو بلاتے، آغوش میں لیتے اور فرماتے کہ اے اللہ کے دوست آ۔

ساتویں سیر خواجہ ہُبیرہ بصری قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں ۔ آپ خواجہ حُذیفہ مرعشی کے خلیفہ اور مرید ہیں ۔ آپ سترہ سال کی عمر میں دانشمند عالم اور کلامِ ربانی کے حافظ ہو چکے تھے ۔ ہر دن میں دو بار اور ہر رات میں دو مرتبہ

قرآن شریف ختم کرتے ۔ سترہ برس کی عمر سے آخر عمر تک آپ کا وضو قضائے انسانی کے سوا نہ ٹوٹتا ۔ آپ کی عمر بھی بہت زیادہ تھی ۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک سو تیس برس کی عمر تھی اور بعض کہتے ہیں ایک سو بیس سال کی ۔ ساری عمر تین تین ، چار چار روز کے بعد افطار کرتے رہے اور جب روزہ افطار کرنے کا ارادہ کرتے تو چند ورق لکھتے اور جو کچھ ملتا اس سے سامانِ افطار کرتے ۔

نقل ہے کہ ایک امیر آدمی خواجہ ہُبیرہ کے پاس ایک ہزار درہم لایا ۔ آپ نے ایک نعرہ لگایا اور بیہوش ہو گئے ۔ یہاں تک کہ آپ کے منہ میں کف آ گیا بکثرت مخلوق جمع ہو گئی ۔ آپ کے منہ پر پانی چھڑکا تو آپ کو ہوش آیا مگر آپ کی نظر پھر ان درہموں پر پڑی ۔ پھر آپ نے نعرہ بلند کیا اور بیہوش ہو گئے ۔ اور عالم یہ تھا کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ روح پرواز کر جائے گی ۔ سب اسی غم میں مبتلا ہو گئے اور پھر آپ کے مُنہ پر پانی چھڑکا کہ آپ ہوش میں آ گئے ۔ لیکن (یوں کہ) بدن میں لرزہ تھا ، آنکھوں میں آنسو تھے اور چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے شیخ کیا بات تھی کہ آپ نے نعرہ لگایا اور بیہوش ہو گئے ۔ اور جب آپ دوبارہ ہوش میں آئے تو رو رہے ہیں ؟ فرمایا کہ آہ قابلِ رحم ہے وہ شخص جو محبوب کا خواہاں ، مطلوب کا جویاں ہو اور جب اس طالب کو مطلوب کے سوا کچھ اور ملے اور محبوب کے علاوہ اُسے کچھ اور دیا جائے تو اس کے لیے زندگی سے موت بہتر ہے ۔ بے مایہ درویش نے جب فقر و فاقہ کو اختیار کر لیا اور گوشہ نشین ہو گیا تو اُسے دُنیا سے کیا کام ؟ وہ دولت مند میرے پاس ہزار دینار لایا میرا دل زخمی اور جگر پانی پانی ہو گیا ۔ وہ درویش جو فقر کے قابل نہیں اسے درہم دیتے ہیں اور دنیا والوں سے اس کی شناسائی کرا دیتے ہیں ۔ میں دنیا ، اہلِ دنیا اور شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں " ۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا سے خطاب فرمایا " اے دنیا میرے دوستوں سے گذر جا کہ کہیں تو انہیں فتنہ میں نہ ڈالے ۔

آٹھویں سیر خواجہ عُلو دینوری قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔ آپ خواجہ ہُبیرہ بصری کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ شیخ نامدار اور محرم اسرار عارف باللہ تھے۔ علم میں کامل اور حافظ قرآن شریف تھے۔ شیخ معروف کرخی آپ کی مجلس میں زیادہ تر آتے رہتے تھے۔ شیخ عُلو دینوری نے بکثرت درویشوں کو دیکھا ہے، مشائخ کی خدمت کی ہے اور بہت سوں سے نعمتیں بکثرت پائی ہیں۔ بیعت سے تیس سال پہلے مجاہدہ کیا۔ سات روز کے بعد ایک چھوہارا کھاتے اور ایک گھونٹ پانی پیتے۔ آپ پہلے صاحب ثروت اور بکثرت مال و متاع کے مالک تھے۔ مگر تمام مال و اسباب فقیروں کو دے دیا اور فقر و فاقہ اختیار کیا۔ جس روز آپ نے دنیا سے مُنہ موڑا، دس ہزار دینار فقیروں پر لٹایا اور باقی تمام سامان لوگوں میں تقسیم کر دیا حتیٰ کہ افطار کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑا۔

جب افطار کا وقت آیا تو خدائے تعالیٰ کی جانب توجہ کی اور عرض کیا کہ خدایا! اپنے اہل و عیال تجھے سونپے۔ تو ہی انہیں رزق دے گا۔" آواز سنی کہ اے عُلو دینوری تم ہمارے حضور میں رہو۔ تمہارے اہل و عیال کو ہم جانیں۔" شیخ قبلہ رُخ بیٹھے تھے کہ آپ کا بیٹا آیا اور آپ کا دوشِ مبارک پکڑ کر کہا کہ اے والد بزرگوار! کوئی شخص کھانے کا طباق سر پہ رکھے دروازے پہ کھڑا ہے۔ شیخ نے فرمایا جاؤ اسے بلا لاؤ۔ لڑکا گیا اور اُسے بلا لایا۔ آنے والے نے وہ طباق آپ کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ فرمان ہوا ہے کہ تمہارے اہل و عیال سب ہمارے غلام اور کنیز ہیں۔ تم ان کا غم مت کرو۔ میں انہیں اپنے خزانے سے بافراغت رزق دوں گا۔ تم ہمارے کام میں مصروف رہو۔ شیخ نے جب یہ بشارت سُنی تو باطمینان قلب خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ روزانہ کئی کئی بار خوفِ الٰہی سے روتے اور بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے عرض کرتے خدایا بیچارہ علو دینوری گنہگار ہے اگر جلا دے گا تو کوئی طاقت (سرتابی کی) نہیں رکھتا۔" خواجہ خضر علیہ السلام کبھی کبھی خواجہ عُلو دینوری کی ملاقات کو آتے۔ ایک روز

آپ نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ اے خواجہ! میں مجاہدہ اور ریاضت کر کے خود کو عشق میں جلاتا ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ انجام کار کیا ہوگا؟۔ خواجہ خضر نے کہا کہ خاطر جمع رکھیے آپ میں سارے نیک بختی کے آثار ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے اپنی محبوبی کے لیے چنتا ہے اس کے دل میں خدا کا خوف بیٹھ جاتا ہے لیکن آپ کسی درویش کی صحبت میں رہیں تاکہ اس کی صحبت کی برکت سے آپ کے دینی کام سنور جائیں، انجام بخیر ہو اور شیطان مردود کے مکر سے محفوظ رہیں"۔ دریافت کیا کہ اس وقت شیخ کامل کون ہے؟ خواجہ نے فرمایا کہ اس وقت ہُبیرہ بصری درویش کامل ہیں کہ اپنے کمالات کا دنیا میں جواب نہیں رکھتے۔

عُلو دینوری اس بشارت کے موافق خواجہ ہُبیرہ بصری کے آستانے پر حاضر ہوئے اور سر زمین پر رکھا۔ شیخ ہُبیرہ بصری نے خواجہ علو دینوری پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ آؤ اے علو دینوری! تمہارا کام ہمیشہ بلند و روشن رہے گا۔ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تم میری جگہ بیٹھو اور مخلوق کو بیعت کرو"، چنانچہ شیخ عُلو دینوری، خواجہ ہُبیرہ بصری کے مرید ہو گئے۔ شیخ نے فرمایا اے علو دینوری خلوت میں بیٹھو اور لا الٰہ الا اللہ کا جس قدر ہو سکے، ذکر کرو۔ آپ گوشہ نشین ہو کر ذکرِ لا الٰہ الا اللہ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کوئی حجاب نہ رہا اور آسمان سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر چیز آپ پر منکشف ہو گئی۔ آپ نے یہ کیفیت خواجہ ہُبیرہ بصری کے سامنے عرض کی۔ خواجہ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا مقام اور بلندی پر ہے یہ تو مبتدیوں کا مقام ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک دیکھ لینا تو آسان کام ہے جب کہ درویش کا مطلوب و مقصود عرش و فرش کا خالق ہے۔ نیز فرمایا کہ جب میری نظر عرش پر پڑتی ہے تو میرا دل چور چور ہو جاتا ہے کہ خدایا! میں تو تجھے چاہتا ہوں اور تو مجھے عرش و کرسی دکھاتا ہے۔ درویشی نبیوں اور ولیوں کا کام ہے۔

اس کے بعد فرمایا اے عُلو دینوری! تازہ وضو کر لو۔ جب آپ نے وضو کر

لیا تو شیخ ہبیرہ بصری نے شیخ علو دینوری کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ خدایا! علو دینوری کو کمال درویشی کے مقام پر پہنچا"۔ شیخ علو دینوری بیہوش ہو گئے۔ کچھ ساعت بعد ہوش آیا۔ پھر بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش آیا اور اسی طرح چالیس مرتبہ بیہوش ہوتے اور ہوش میں آئے۔ خواجہ ہبیرہ نے اپنا لعاب دہن مبارک علو دینوری کے منہ میں ڈالا۔ فوراً ہوش میں آ گئے۔ اس وقت خواجہ نے پوچھا کہ اے علو دینوری اپنے مطلوب و مقصود دل وجان کا ملاحظہ کیا اور مقام درویشی کو دیکھا۔ علو نے سر زمین پر رکھا اور عرض کیا "خدا کی قسم میں نے تیس سال مجاہدہ اور ریاضت میں گذارے مگر اس خزانہ سعادت کی خوشبو کبھی نہ پائی۔ صرف آپ کی صحبت پاک کی برکت سے میں اس خزانہ سعادت تک پہنچا ہوں"۔ حضرت خواجہ نے گلیم درویشی کا خرقہ، علو دینوری کو خلافت میں پہنایا اور فرمایا اے علو دینوری اب درویشی کا سکہ تمہارے نام سے چلے گا۔ تمہارا نام درویشوں کے دفتر میں لکھا جا چکا ہے۔ مخلوق کو بیعت کرو۔ شریعت، طریقت اور معرفت کا راستہ انہیں دکھلاؤ اور طالبوں کو ان کے مطلوب تک پہنچاؤ۔

شیخ علو دینوری اہل سماع تھے۔ اپنے مرشدان برحق کا عرس کرتے اور عرس کے روز سماع سنتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت شیخ عرس کے روز سماع سنتے ہیں اس میں کیا راز ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور علیؓ مرتضےٰ نیز ہمارے مشائخ نے سماع سنا ہے۔ آج عرس کا روز ہے۔ آج ہمارے مشائخ کو وصال حبیب، نصیب ہوا ہے۔ کہ المَوتُ جِسرٌ یُوصِلُ الحَبِیبَ اِلَی الحَبِیب۔ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچاتا ہے۔ ہم اپنے مشائخ کے اس وصال کی خوشی میں سماع سنتے ہیں۔ کہ جس طرح وصال دوست نے ان کی دست گیری کی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے صدقہ میں ہماری بھی دست گیری کرے"۔

نویں سیر خواجہ ابواسحٰق شامی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔ آپ خواجہ

علو دینوری کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ سماع کے اہل تھے۔ سماع بہت سنتے اور کوئی شخص آپ پر اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ اس دور میں مجتہدین بہ کثرت تھے۔ لیکن ان میں سے جو شخص شیخ ابو اسحٰق کا سماع دیکھتا یہی کہتا کہ ایسا سماع مباح ہے۔ آپ کے کیف کا عالم یہ تھا کہ جب مجلس سماع میں تشریف لاتے تو تمام حاضرین مجلس پر وجد طاری ہو جاتا اور تمام در و دیوار میں حرکت و جنبش سی محسوس ہونے لگتی۔ لطف یہ ہے کہ جو شخص آپ کی مجلسِ سماع میں حاضر ہوتا پھر وہ ہرگز کسی گناہ کے قریب نہ پھٹکتا۔ حضرت خواجہ کسی اَمرَد (نوعمر و نوخیز) اور دنیا دار کو مجلس میں نہ آنے دیتے۔ اگر کوئی دولت مند، خواجہ کی اجازت کے بغیر اتفاقاً مجلسِ سماع میں آجاتا تو فوراً توبہ کر لیتا۔ دنیاوی ساز و سامان فقیروں پر لٹا دیتا اور صاحبِ معرفت درویش اور اہلِ نعمت ہو جاتا۔ خواجہ ابو اسحٰق جب سماع سننا چاہتے تو تین روز پہلے قوالوں کو خبر کر دیتے اور احباب سے فرماتے تیار ہو جاؤ ہم سماع سنیں گے۔ آپ کے بعض احباب دو روز متواتر۔ اور بعض تین روز پے در پے روزے رکھتے۔ اور تمام قوال خود کو بری باتوں سے بچائے رہتے۔ اس کے بعد خواجہ سماع سنتے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی۔ خلیفہ نے آپ کی جانب توجہ کی اور عرض کیا کہ خدا سے دعا کیجئے تاکہ بارش ہو۔ خواجہ نے فرمایا کہ قوالوں کو حاضر کرو جب ہم پر سماع کا کیف غالب اور ہماری آنکھوں سے پانی جاری ہو گا اسی وقت بارش بھی ہو گی۔ خلیفہ نے فوراً قوالوں کو بلایا۔ خواجہ نے فرمایا اے خلیفہ! تم واپس جاؤ۔ خلیفہ لوٹ گیا۔ فرمایا کہ سماع شروع ہو۔ جب سماع شروع ہوا تو آپ پر کیفیت طاری ہوئی اور آنسو رواں ہوئے اور وجد میں آگئے، اسی وقت بارش شروع ہو گئی۔

خواجہ ابو اسحٰق ہمیشہ ریاضت میں مشغول رہتے۔ سات روز کے بعد روزہ افطار کرتے اور تین چھوہارے کھاتے نادر طور پر کبھی تین لقمے کھانا کھا لیتے تو فرماتے کہ ہمیں جو لذت بھوک میں آتی ہے کسی چیز میں نہیں آتی۔ بھوک پیاس کو برداشت

کرنا اور (بے ضرورت لباس سے) عریاں رہنا، انبیاء و اولیاء کا معمول ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنے پیٹوں کو بھوکا، جگروں کو پیاسا، اور بدنوں کو بے لباس رکھو۔ گمانِ غالب ہے کہ دیدارِ الٰہی (کی دولت) پا سکو گے"۔ خواجہ ابو اسحٰق نے جب علو دینوری کا مرید ہونا چاہا تو چالیس روز تک استخارہ کیا اور عرض کیا خدایا ابو اسحٰق، شیخ علو دینوری کا مرید ہونا چاہتا ہے۔ آواز آئی کہ اے ابو اسحٰق! علو دینوری ہمارا دوست ہے مرید ہو جاؤ اور ان کی خدمت میں رہو۔ خواجہ اسحٰق، خواجہ علو دینوری کے آستانہ پر آئے اور قدمبوسی کی۔ شیخ نے فرمایا اے ابو اسحٰق! درویشی کارِ عظیم ہے اس لیے کہ درویش اللہ اور اس کے رسول کا دوست ہوتا ہے۔ خواجہ نے عرض کیا کہ بندہ مخدوم کی خدمت میں حاضر آیا اور ان کی نظر میں سمایا ہے امید ہے کہ درویش بھی ہو جائے گا۔ شیخ نے خواجہ کو اپنی آغوش میں لیا اور فرمایا کہ اے ابو اسحٰق خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ تم اور تمہاری اولاد کامل درویش بن جائیں اور جو شخص تمہارا اور تمہارے فرزندوں کا مرید ہو وہ اہلِ نعمت ہو جائے۔ چنانچہ خواجہ ابو اسحٰق بیعت ہو کر آپ کے مرید ہو گئے۔

جب مرید ہو چکے تو شیخ علو دینوری نے فرمایا کہ ابو اسحٰق! تمہیں چاہیئے کہ فقر و فاقہ کو دوست رکھو اور دنیا کو قبول نہ کرو۔ کہ ہمارے مشائخ دنیا اور دنیاداروں سے ہمیشہ لاتعلق رہے۔ خواجہ نے مرشد کی نصیحت قبول کی۔ پھر شیخ نے فرمایا اے ابو اسحٰق! گوشہ نشین ہو کر ذکر لا الٰہ الا اللہ میں مصروف ہو جاؤ۔ کہ ہمارے مرشدوں نے اس ذکر کو محبوب اور اپنا ہمیشہ کا معمول بنایا ہے"۔ القصہ سات سال تک آپ خلوت میں یہ ذکر کرتے رہے تو ہاتف نے آواز دی کہ اے علو دینوری! ابو اسحٰق نے اپنا کام بحسنِ تدبیر انجام دیا۔ اور ہماری بارگاہ کے لیے خود کو سنوار لیا۔ ہم نے انہیں پسند کیا اور مقبول بنایا۔ ابو اسحٰق کو درویشی کا خرقہ پہناؤ اور اپنا جانشین بناؤ اور تم ہمارے قرب میں آجاؤ"۔ خواجہ علو دینوری نے خرقۂ خلافت، ابو اسحٰق کو پہنایا اور فرمایا کہ "تم میرے فرزند ہو۔ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ تمہیں بھی چاہیئے کہ ہمارے مقام

کا احترام کرو اور ہمارے مشائخ کا چراغ روشن رکھو"۔

دسویں سیر خواجہ قدوۃ الدین ابو احمد فرشانہ قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔
آپ حضرت خواجہ ابو اسحق شامی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کامل بزرگ تھے اور ریاضت اور مجاہدہ بہت کرتے تھے جس پر نظرِ کرم ڈالتے وہ صاحبِ کرامت اور درویش ہو جاتا۔ نقل ہے کہ خواجہ ابو احمد ایک روز ایسے جنگل میں پہنچے جہاں کافر رہتے تھے وہ مسلمان کو راستے میں دیکھ پاتے تو کہتے کہ مسلمان کہتے ہیں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے والوں کو ہرگز دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔" ہم تجھے دُنیا کی آگ میں ڈالتے ہیں۔ اگر اس آگ نے تجھے نہ جلایا تو ہم جانیں گے کہ یہ بات سچی ہے ورنہ یقین کریں گے کہ مسلمان، جھوٹ کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ امتحان کے بہانے روزانہ کئی مسلمانوں کو جلا دیتے۔ جب خواجہ قدوۃ الدین ابو احمد چشتی اس مقام پر پہنچے تو کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ "لات و عزیٰ کی قسم ہم تمہیں آگ میں ڈالیں گے۔ اگر تمہیں دنیا کی آگ نہ جلائے گی تو ہمیں یقین آجائے گا کہ تمہیں دوزخ کی آگ بھی نہ جلائے گی اس لیے کہ تم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہو"۔ خواجہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم دوزخ کی آگ کلمہ طیبہ پڑھنے والے پر ہرگز قابو نہ پائے گی۔ یہ خاص کر ڈھیٹ گنہگاروں، مشرکوں اور بت پرستوں کے لیے پیدا کی گئی ہے"۔ ان کافروں نے نے کہا تو پھر اس آتش کدہ میں چلو۔ خواجہ فوراً اس آتش کدہ میں داخل ہوئے اور مصلیٰ بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی اور کافر اس میں جتنا تیل ڈالتے تھے مگر وہ بجھتی ہی چلی جاتی تھی۔ کافروں نے جب یہ یقینی دلیل دیکھی تو اس قبیلہ کے تمام آدمی، مرد اور عورت جو لاتعداد تھے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بائیس نفر، حضرت خواجہ کی خدمت و ملازمت میں رہے اور ان میں سے ہر ایک ولی اللہ ہوا اور ان پر عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک تمام چیزیں منکشف ہو گئیں۔

ایک روز خواجہ ابو احمد دجلہ کے کنارے پہنچے۔ آپ کے ہمراہ اُناسی آدمی

تھے ۔ کشتی موجود نہ تھی ۔ خواجہ کے حکم سے تمام اشخاص حلقۂ ذکر ، باندھ کر پانی پر چل دیئے اور اُن کے پاؤں کے تلوے بھی تر نہ ہوئے ۔ چوبیس کافروں نے دیکھا کہ خواجہ اپنے ساتھیوں سمیت پانی پر چل رہے ہیں اُن میں سے ہر ایک نے آواز دی کہ اے شیخ ہمیں راستہ دکھلائیے اور اپنی بابرکت صحبت میں جگہ دیجئے ۔ خواجہ دریا کے اس کنارہ پر تھے اور کافر دوسرے کنارے پر ۔ خواجہ نے فرمایا کہ صدق اور خلوص کے ساتھ ، خواجہ ابو احمد چشتی کا نام لو اور چلے آؤ ۔ ان لوگوں نے یہی کیا ۔ سلامتی سے اس پار پہنچے اور مسلمان ہو گئے ۔ خواجہ نے فرمایا کہ " اے درگاہِ خداوندی کے مقبول بندو ! میں نے خدائے تعالیٰ سے یہ دعا مانگی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اہل نعمت درویش ہو جائے " ۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک ، نامور ، صاحبِ ولایت اور اہل کشف و مکاشفہ درویش ہوا ۔

حضرت خواجہ ہمیشہ خشیّت الٰہی سے روتے رہتے ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے خواجہ جس شخص پہ آپ کی نظر شریف پڑ جاتی ہے وہ ولی اللہ ہو جاتا ہے آپ اس قدر کیوں روتے ہیں ۔ خواجہ زار و قطار رونے لگے اور فرمایا برصیصا بڑا نامی گرامی بزرگ تھا ۔ جس پہ نظر ڈالتا خدا تک پہنچا دیتا ۔ ناگاہ خدائے قہار کا تیرِ قضا اُسے لگا اور وہ دنیا سے بے ایمان رخصت ہوا ۔ بلعم ولی اللہ اور مستجاب الدعوات تھا ۔ اس کی دعا کی برکت سے ہزاروں نے دوزخ کی آگ سے نجات پائی مگر اُس پہ قہرِ خداوندی کا کوڑا پڑا اور اس کا ایمان سلب ہو گیا ۔ دونوں ناموروں کا واقعہ مشہور ہے ۔ پس اے بھائی ! دوستوں کا رونا اس کی قہاری اور جباری کے خوف سے ہے کہ کسی کو اس کی بارگاہِ بے نیاز میں مجالِ چون و چرا نہیں ۔

خواجہ ابو احمد کلام ربانی کے حافظ تھے ۔ آپ کو علم میں کمال حاصل تھا ۔ خواجہ سری سقطی اُن سے ملاقات کے لیے اکثر آتے جاتے رہتے ۔ خواجہ ابو احمد کی مجلس سماع میں خواجہ سری سقطی آجاتے تو فرماتے کہ خواجہ ابو احمد اس مقام پر فائز المرام ہو کر سماع سنتے ہیں کہ اگر اُس جگہ سے کوئی آواز پیدا ہو تو سری سقطی سکے

احوال کی دستگیری کرے اور دولتِ عظیم اُسے حاصل ہو۔

اس زمانہ میں مجتہدین میں سے کوئی مجتہد خواجہ ابواحمد کے سماع پہ انکار نہ کرتا مگر ایک مجتہد فُضیل مکّی کہتے کہ سماع مطلقاً نہ سننا چاہیئے۔ کسی نے یہ بات شیخ ابواحمد چشتی تک پہنچائی۔ شیخ نے فرمایا کہ خدایا تو ڈھکی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے اگر ابواحمد، کوئی بدعت کرتا ہے تو اُسے سزا دے۔ ورنہ فُضیل مکّی کو ادب (کی توفیق) دے"۔ اُسی وقت سُرخ ہوا کا ایک تیز جھونکا فُضیل مکّی پہ گزرا کہ ان کی ناک بیٹھ گئی اور پیپسی ہوگئی۔ اطبّا جتنا علاج کرتے، فُضیل مکّی کا مرض اتنا ہی بڑھتا۔ مکّی نے خدائے عزّوجلّ کی جانب توجہ کی۔ ایک رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ آقا دُعا فرمائیے کہ مجھے یہ ہنسی کی تکلیف جاتی رہے"۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم شیخ ابواحمد کے سماع کا انکار کرتے ہو۔ اور اس کے سماع کا انکار، اُس کے مشائخ کے سماع کا انکار ہے۔ اور ان کے مشائخ کے سماع کا انکار، ہمارے سماع کا انکار ہے۔ اور جو شخص مشائخ دین و ملّت کا اور ہمارا انکار کرتا ہے یہی دیکھتا ہے جو تم نے دیکھا۔ اگر اس مصیبت سے خلاصی چاہتے ہو تو ابواحمد کی مجلسِ سماع میں، صدقِ دل سے حاضر ہو جاؤ"۔ مکّی ابواحمد کی مجلسِ سماع میں حاضر ہوئے اور سماع کا انکار دل سے دور کیا۔ فوراً ہی جیسے تھے ویسے ہی تندرست ہوگئے۔ جب شیخ سماع سے فارغ ہوئے اور ان کی نظر فُضیل مکی پہ پڑی تو فرمایا کہ اُے فُضیل! سماع اور اہلِ سماع کے مقامات کو دیکھا؟ کہا کہ ہاں دیکھا اور روبرو دیکھا۔ جو سماع حضرت کا معمول ہے۔ وہ خالقِ کائنات تبارک و تعالیٰ کے اسرار میں ہے۔ (ہم جیسے) عوام الناس کو اُس پہ اطلاع نہیں"۔

خواجہ ابواحمد سات سال کی عُمر میں مجذوب ہو گئے تھے۔ ایک روز ابواسحٰق شامی کی مجلسِ سماع میں حاضر تھے کہ خواجہ ابواسحٰق نے فرمایا آؤ اے ابواحمد چشتی! عاشقوں کے سماع میں شریک ہو جاؤ کہ تم اہلِ سماع ہو"۔ (یہ الفاظ کان میں پڑتے ہی) حجاب دور ہو گیا۔ عرش سے لے کر تحت الثّریٰ تک نظر میں آگیا اور علم لدنّی

حاصل ہوگیا۔ خواجہ ابواحمد چشتی سات سال کی عمر میں جو باتیں بیان کرتے، اُسے سُن کر اُس زمانہ کے علماء کو حیرت ہوتی۔ آپ تیرہ سال کی عمر میں خواجہ ابواسحٰق شامی کے مرید ہوئے اور گوشہ نشین ہوکر ذکرِ لاالٰہ الااللہ میں مصروف ہوگئے۔ اسی حالت پر جب دس سال گذر گئے تو خواجہ ابواسحٰق شامی نے خواجہ ابواحمد چشتی کو خلافت عطا کی اپنا جانشین بنایا اور فرمایا کہ اے ابواحمد! تم میرے فرزند کی جگہ ہو۔ مجھے جو نعمت مشائخ سے ملی تھی وہ سب میں نے تم کو دی۔" پھر ابواحمد کا ہاتھ پکڑ کر قبلہ رو کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ خدایا! ابواسحٰق چشتی جو نعمت رکھتا تھا وہ ابواحمد چشتی کو دی اور اسے تیرے حوالہ کیا۔ روز بروز اُن کے درجوں میں ترقی عطا فرما۔" آواز سُنی کہ ہم نے ابواحمد کو اپنا دوست بنایا اور خزینۂ عرفان اور اسرارِ معرفت اُن کے دل میں رکھے۔ جو شخص ابواحمد چشتی کی صحبت میں رہے گا وہ بھی ہمارا دوست ہوگا۔

اسرارِ محبت را ہر دل نبود قابل | دُر نیست بہر دریا، زر نیست بہر کانی

اسرارِ محبت کا ہر دل قابل نہیں ہوتا کہ نہ ہر دریا میں موتی ہوتا ہے اور نہ ہر کان میں سونا۔

گیارہویں سیر خواجہ ناصرالدین ابومحمد چشتی قدس اللہ سرہٗ کے بیان میں۔ آپ خواجہ قدوۃ الدین ابواحمد چشتی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔

نقل ہے کہ خواجہ ابومحمد ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ اہلِ نعمت ہوگئے۔ اُن کی والدہ فرماتی ہیں کہ ابومحمد چار مہینے کے میرے پیٹ میں تھے کہ تہجد کے وقت میرے پیٹ میں حرکت کرتے اور میرے پیٹ سے میرے کان میں ذکر لا الٰہ الااللہ کی آواز آتی۔" شیخ ابواحمد چشتی نے فرمایا کہ جس رات ابومحمد پیدا ہوئے، میں نے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اے ابواحمد! تمہیں بشارت ہو۔ آج تمہارے مریدوں میں سے ایک مرید دنیا میں پیدا ہوگا اس کا نام محمد چشتی ہے۔ وہ پیدائش کے وقت سات مرتبہ زور سے لاالٰہ الااللہ کہے گا جسے تمام حاضرینِ مجلس سنیں گے۔ تم انہیں روزانہ دیکھنے جانا اور کہنا کہ مصطفےٰ صلی

اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام فرمایا ہے نیز یہ کہ تم ہمارے ہمنام ہو"۔ خواجہ ابواحمد بیدار ہو گئے کہ اتنے میں شیخ محمد چشتی کی والدہ کی طرف سے ایک آدمی آیا اور خبر دی کہ اسی ساعت اور اسی وقت ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس نے پیدا ہوتے ہی تمام حاضرین کے روبرو زور سے سات مرتبہ لاالہ الا اللہ کہا"۔ شیخ ابواحمد چشتی نے فوراً وضو کیا اور شیخ محمد چشتی کے مکان پر تشریف لائے۔ شیخ محمد کی والدہ نے آپ کو شیخ احمد کے پاس بھیجا۔ ابواحمد چشتی نے کہا" السلام علیک یا محمد ولی اللہ۔ شیخ محمد چشتی نے کہا" وعلیک السلام یا شیخ ابواحمد چشتی"۔ آج رات کی خواب بیان کیجئے"۔ شیخ ابواحمد نے شیخ محمد کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا۔ شیخ محمد چشتی نے جوں ہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنا تو کہا" والسلام علیہ وعلیٰ آلہ واھل بیتہ واصحابہ اجمعین"۔

شیخ محمد چشتی روزانہ چند مرتبہ ہنستے۔ آپ کی والدہ نے ہنسنے کا واقعہ خواجہ ابو احمد سے عرض کیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ شیطان ملعون کی یہ عادت ہے کہ چند مرتبہ چھوٹے بچوں کا کان مسل دیتا ہے اور وہ رو پڑتے ہیں۔ مگر جب شیطان تمہارے بچے کے قریب آتا ہے تو فرشتہ طپانچہ مار کر نکال دیتا ہے۔ تمہارا بچہ کہ مادرزاد سعید ہے اسے دیکھتا اور ہنستا ہے۔

نقل ہے کہ شیخ محمد چشتی دس محرم کی صبح کو پیدا ہوئے۔ آپ نے دودھ نہ پیا اگرچہ عورتوں نے منہ میں بہت مرتبہ دودھ ڈالا مگر آپ نے نہ لیا۔ لوگوں نے یہ واقعہ خواجہ ابواحمد سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے آج عاشورہ کا روزہ رکھا ہے اور دوستانِ خدا کی موافقت کی ہے"۔

جب آپ سترہ برس کے ہوئے تو شیخ ابواحمد نے آپ کو مرید کر لیا اور فرمایا کہ تمہیں چاہیئے کہ فقر و فاقہ اختیار کرو۔ غریبوں، مسکینوں سے محبت رکھو اور دنیاداروں کی صحبت کو بلائے عظیم جانو۔ ہمارے تمام مشائخ فقیر دنیا سے لاتعلق گزرے ہیں اور وہ فقیروں سے محبت کرتے تھے"۔

بیعت کے بعد بارہ سال تک آپ حجرہ میں مصروفِ عبادت رہے۔ سات دن کے بعد ایک تر کھجور سے افطار کرتے۔ شیخ محمد چشتی کے زمانہ میں چشت میں کوئی کافر نہ تھا۔ بلکہ باہر سے جو کافر چشت میں آتا وہ بھی مسلمان ہو جاتا۔ شیخ ابو احمد نے بارہ سال کے بعد شیخ محمدؒ کو خلافت کا خرقہ پہنایا۔ شیخ محمدؒ کا ہاتھ پکڑ کر قبلہ رو کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ الٰہی شیخ محمدؒ کو میں نے خرقہ درویشی پہنا دیا ہے۔ اُسے دین کے کام میں استقامت بخش اور کل قیامت میں مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور ہمارے تمام مشائخ کے سامنے سرخرو فرما۔" ایک آواز سُنی کہ خاطر جمع رکھو۔ ہم نے تمہاری دعا قبول کی۔ کل قیامت میں محمد چشتی کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہشت میں داخل فرمائیں گے۔ اور چونکہ محمد چشتی ہمارے دوستوں میں سے ہیں لہٰذا کوئی محمد چشتی کو دوست رکھے گا اُسے بھی جنت میں داخل فرمائیں گے۔" جب شیخ احمد نے یہ بشارت پائی تو بہت خوش ہوئے اور شیخ محمدؒ سے کہا کہ درویشی انبیاء، و اولیاءؒ اللہ کے شایانِ شان ہے۔ اس مقام پر سوائے مردِ صدیق کے کوئی اور نہیں بیٹھ سکتا۔

بارہویں سیر خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔

آپ خواجہ محمد چشتی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کی صحبتِ بابرکت میں جو شخص تین روز رہ جاتا وہ صاحبِ کشف و کرامات درویش اور مرجعِ خلائق ہو جاتا۔ اور عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک اس کی نظر پہنچ جاتی۔ آپ کے مریدوں اور معتقدوں میں سے کوئی بھی دنیا کے گرد نہ بھٹکتا۔ شیخ شبلی، شیخ جُنید بغدادی قدس سرہما کے مرید، خواجہ ناصر الدین کی ملاقات کو آتے اور جب آپ خواجہ ناصر الدین کا چہرہ دیکھتے تو وجد کی سی کیفیت میں آجاتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ جب آپ خواجہ ناصر الدین کا چہرہ دیکھتے ہیں وجد میں آجاتے ہیں"۔ فرمایا کہ جو چیز میں خواجہ ناصر الدین کی پیشانی میں دیکھتا ہوں اگر تم اسے دیکھ پاؤ تو بے تاب و بے قرار ہو جاؤ۔ خواجہ علم میں کامل تھے۔ آپ شیخ محمد چشتی کے پاس گئے تو شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ اے شیخ ناصر الدین! خدا کی معرفت وہ علم ہے کہ

اللہ عزوجل کی تعلیم و توفیق کے بغیر عقل انسانی اُسے نہیں پا سکتی ۔ خواجہ ناصر الدین کو علم میں بڑا عبور تھا ۔ آپ نے کوئی بات پوچھی تو شیخ محمد چشتی نے اس کے سات سو جوابات دیئے ۔ اب خواجہ نے اپنے آپ کو شیخ محمدؒ کے مقابل اس بچہ کی طرح پایا جو حروف تہجی کی پہلی تختی پڑھتا ہو بلکہ اس سے بھی کم ۔ اور عرض کیا کہ بندۂ ناچیز ناصر الدین کی یہ خواہش ہے کہ وہ حضرت مخدوم کے مریدوں کی لڑی میں منسلک ہو جائے"۔ مخدوم نے قبول فرمایا اور مرید کر لیا ۔ پھر فرمایا کہ اے ناصر الدین ! سات بار میرا نام لو اور زمین کی طرف دیکھو ۔ پھر سات مرتبہ میرا نام لو اور آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ"۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کی نظر تحت الثریٰ اور بالائے عرش تک پہنچی ۔

اس کے بعد شیخ محمدؒ نے اسم اعظم جو حضرت خضر علیہ السلام سے پایا تھا ۔ شیخ ناصر الدین کو سکھایا ۔ آپ نے جیسے ہی اسے یاد کیا علم لدنی حاصل ہو گیا اور توریت و انجیل و زبور و فرقان اور انبیائے کرام کے صحیفے یاد ہو گئے ۔ شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ تمہیں چاہیئے کہ فقر و فاقہ اختیار کرو کہ یہ انبیاء اور اولیاء اللہ کا طریقہ ہے ۔ اور تمام درویشوں کے سرتاج مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ آپ کے گھر میں جو فقر تھا کسی پیغمبر کے گھر میں نہ تھا اور ہمارے تمام مرشدانِ کرام فقراء تھے اور فقراء سے محبت کرتے تھے"۔ خواجہ ناصر الدین نے شیخ کی نصیحت قبول کی اور گوشہ نشین ہو کر ذکر لا الہ الا اللہ میں مشغول ہو گئے ۔ چودہ سال تک آپ کا شغل ذکر لا الہ الا اللہ رہا ۔ تین چار روزوں کے بعد آپ تین لقمے کھانے سے افطار کرتے ۔ کسی دنیا دار کو دیکھتے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور فرماتے کہ میرے دماغ تک مردار دنیا کی بو پہنچ چکی ہے ۔ عبادت میں حضوری نہیں پاتا ۔ اس درویش پر افسوس کہ درویشی اختیار کرے اور دنیا والوں کے ساتھ اُٹھے بیٹھے ۔ مشک اور ہینگ باہم جمع نہیں ہوتے اور اگر یکجا ہوتے ہیں تو مشک کی خاصیت جاتی رہتی ہے"۔ لوگوں نے عرض کیا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو دنیا داروں سے اس قدر

پرہیز نہ فرماتے تھے آپ کیوں اتنا گریز کرتے ہیں؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ آپ کو دنیاداروں کی صحبت سے کوئی نقصان نہ تھا اور ہم معصوم نہیں بلکہ گناہگار ہیں اور لاچار۔ ہمیں ان کی صحبت سے نقصان کا صحیح اندیشہ ہے۔

شیخ محمد نے چودہ سال گوشہ نشینی کے بعد آپ کو خرقہ خلافت پہنایا اور اپنا جانشین بنایا۔

تیرہویں سیر خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔

آپ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ خواجہ قطب الدین مودودؒ نامور بزرگ، عارف کامل، محرم اسرارِ معرفت، سرگروہ محققین اور سرتاج اولیائے مقربین وصالحین تھے۔ آپ کی خانقاہ میں جو شخص تین روز رہتا اس کی بگڑی بات بن جاتی۔ خدا کے ولیوں میں کا ایک ولی ہو کر خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا۔

نقل ہے کہ جو شخص آپ کا مرید ہوتا پہلے ہی روز اس کے دل سے ماسوی اللہ کا حجاب اٹھ جاتا اور عرش سے فرش تک تجلیات کے انوار، اس کی نظر میں آجاتے۔ خواجہ کے مریدوں میں سے ہر ایک صاحبِ نعمت ہوتا۔ علم میں آپ کو ملکہ تھا۔ کوئی حرکت و سکون اور قول و فعل بلا اجازت شرع نہ ہوتا۔ کوئی کام کرنا چاہتے تو پہلے بارگاہِ رب العزت کی جانب توجہ کرتے۔ جو کچھ ہاتفِ غیبی ندا کرتا اس پر کاربند ہوتے۔ خواجہ قطب الدین مودود کے زمانے میں آپ کا مماثل کوئی نہ تھا۔ سماع بہت سنتے اور اکثر سماع کے دوران غائب ہو جاتے پھر آموجود ہوتے۔ کسی مرد صوفی نے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے کہ کبھی کبھی سماع میں حضرت مخدوم گم ہو جاتے ہیں اور پھر تشریف لے آتے ہیں"۔ فرمایا ابھی تک تمہاری نظر ظاہر پر ہے چشم باطن روشن نہیں۔ اہلِ سماع نورِ اسود کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ اس سے برتر کوئی مقام نہیں۔ اور اس مقام پر ظاہر بینوں کی نظروں سے وہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں مگر مقامِ قرب میں حاضر رہتے ہیں۔ انہیں سوائے

محبوب اور محبوبانِ محبوب کے، کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا"۔
کبھی کبھی آپ دورانِ سماع اتنا روتے کہ سینۂ مبارک تر ہو جاتا اور کبھی کبھی (اتنا) مسکراتے کہ چہرہ سرخ ہو جاتا۔ ایک درویش نے ان دونوں حالتوں کا راز دریافت کیا تو فرمایا کہ "یہ مشاہدہ جلال وجمال کے آثار ہیں اور فراق ووصال کا ثمرہ"۔ پھر سماع کے اتنے اسرار ہیں کہ تقریر اور بیان میں نہیں آسکتے۔ خواجہ قطب الدین جب شیخ ناصر الدین چشتی کے مرید ہوئے تو فرمایا کہ تمہیں فقر وفاقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ شانِ درویشی کی کشادگی فقر سے ہے۔ فقر جتنا زیادہ ہوگا کارِ درویشی کی کشادگی اسی قدر بڑھ کر ہوگی۔
نقل ہے کہ خواجہ قطب الدین مودود بیعت کے بعد بیس سال تک مجاہدہ میں رہے۔ پانچ چھ روز کے بعد افطار کرتے۔ اُس وقت شیخ ناصر الدین چشتی نے آپ کو جامۂ خلافت عنایت کیا اور فرمایا کہ اے شیخ مودود! درویشی کا خرقہ وہی پہنتا ہے جس کے نزدیک (مخلوق کی) بھلائی برائی اور قبولیت وعدم قبولیت برابر ہو"۔ اس کے بعد شیخ ناصر الدین نے جو اسمِ اعظم اپنے مرشد شیخ محمد چشتی سے پایا تھا، شیخ مودود کو عطا کیا۔ آپ نے جیسے ہی اُس اسم کو یاد کیا علمِ لدنی منکشف ہو گیا اور خدائے تعالیٰ کے جتنے علوم اس دنیا میں اور دل کو ہیں آپ کو حاصل ہو گئے اور توریت، انجیل، زبور اور قرآن کے مضامین کی آپ نے تشریح فرمائی۔
چودھویں سیر خواجہ حاجی شریف زندنی قدس اللہ روحہ کے بیان میں۔
آپ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ خواجہ حاجی شریف زندنی ہمیشہ تنہائی میں رہتے۔ تین روز کے بعد بغیر نمک سبزی کے تین لقموں سے افطار کرتے۔ آپ کا جھوٹا جو شخص کھا لیتا مجذوب ہو جاتا۔ آپ کی نظر اکسیرِ نعمت تھی جس پر پڑتی وہ صاحبِ نعمت ہو جاتا اور عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اُس پر منکشف ہو جاتا۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال تھی۔ چودہ برس کی عمر سے آخر عمر تک سوائے حاجتِ انسانی کے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا۔ آپ ہمیشہ

روتے رہتے۔ اکثر نعرہ لگاتے اور آہ آہ کرتے۔ پھر بیہوش و ناتواں ہو جاتے۔ چہرہ مبارک پر پانی چھڑکا جاتا تو ہوش آتا۔ لوگوں نے پوچھا "اتنا رونا اور آہیں بھرنا کس لیے ہے؟ فرمایا کہ جب مجھے آیۂ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یاد آتی ہے۔ میں مدہوش اور بے طاقت ہو جاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے کہ رات دن اس کی پرستش کریں اور ہم فلاں فلاں میں مبتلا رہتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کل قیامت میں مجھے درویشوں کے سامنے شرمندہ نہ کیا جاوے۔ اور یہ نہ کہا جائے کہ حاجی شریف خدائے تعالےٰ سے دوستی کا دم بھرتا تھا اور مخلوق کی طرف بھی مائل رہتا تھا۔ اس قسم کی دوستی عاشقانِ صادق کو زیبا نہیں ہے۔ انہیں بزمِ عشاق میں نہیں بیٹھنے دیتے اور ایسا آدمی خرقہ کے لائق بھی نہیں ہوتا۔ خرقہ وہ پہنتا ہے کہ اس کے دل میں سوائے اللہ اور اس کے محبوب کے کسی اور کی محبت نہیں ہوتی۔

نقل ہے کہ جب حاجی شریف زندنی شیخ مودود چشتی کے مرید ہو گئے تو شیخ مودود نے فرمایا اے حاجی! تم مردِ سعادت مند ہو میں نے خدائے تعالےٰ سے دعا کی ہے کہ تم میری جگہ بیٹھو، مخلوق کو دستِ بیعت میں لو اور تمہارے مریدوں میں سے ہر مرید، درویشوں کا پیش رو ہو۔ جاؤ اور خلوت گزین ہو جاؤ۔ خواجہ نے عرض کیا کہ "پیرِ دستگیر! خلوت میں تو وہ بیٹھتا ہے جس کا قلب مطمئن ہو۔ بندہ میں خلوت نشینی کی لیاقت کہاں"۔ شیخ قطب الدین مودود نے وہ اسمِ اعظم جو اپنے شیخ سے پایا تھا خواجہ شریف زندنی کو یاد کرایا۔ جیسے ہی آپ نے اُسے یاد کیا علمِ لدنّی کا دروازہ آپ پر کشادہ ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ مودود نے فرمایا "اے حاجی شریف جو شخص مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور ہمارے مشائخ کی جگہ بیٹھتا ہے ہرگز جاہل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر علمِ لدنّی کھول دیتا اور ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے کہ وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے"۔ اس کے بعد کلی کا خرقہ، خواجہ شریف زندنی کو پہنایا۔ خلافت عنایت کی۔ اپنا جانشین بنایا اور فقر و فاقہ کے اختیار کرنے، غریبوں اور مسکینوں سے

محبت رکھنے اور جو کچھ مشائخ کی راہ وروش ہے اس کے اتباع کی تلقین فرمائی۔
نقل ہے کہ جب حاجی شریف زندنی نے خلافت کا خرقہ پہنا ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے حاجی شریف خرقۂ گلیم کا پہننا مبارک ہو۔ ہم نے تمہاری مغفرت کی، اپنی بارگاہ کا مقبول بنایا اور جو تم سے محبت رکھے اُسے بھی ہم نے اپنا مقبول کیا۔
پندرہویں سیر خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ روحہ، کے بیان میں۔ آپ خواجہ حاجی شریف زندنی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔
نقل ہے کہ خواجہ عثمان ہارونی آدھی رات کے وقت گھر میں تشریف فرما تھے کہ اناسی کافروں نے مشورہ کیا کہ آدھی رات کو خواجہ عثمان ہارونی کے پاس چلیں اور کہیں کہ ہم بھوکے ہیں۔ ہر ایک کو نئے طباق میں علیحدہ علیحدہ کھانا دیجئے اور ہر ایک کو جداگانہ نوع کا۔ اس باہمی مشورہ کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو خواجہ نے فرمایا اے آدم وحوا کے بیٹو! بیٹھ جاؤ اور ہاتھ دھولو۔ اور خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آسمان کی جانب ہاتھ اٹھائے۔ اور ہر جنس کے مختلف کھانوں کے بھرے ہوئے طباق جیسا کہ وہ لوگ سوچ کر آئے تھے غیب سے لیتے اور ان کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ کافر بھی مسلسل نظریں جمائے دیکھتے رہے کہ طباق غیب سے آ رہے ہیں۔ خیر جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ خدائی تعالےٰ کی نعمت کھاؤ اور اس پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم تمہارے خدا و رسول پر ایمان لے آئیں اور مسلمان ہو جائیں تو کیا خدائے تعالیٰ ہمیں بھی تم جیسا کر دیگا۔ فرمایا کہ "میں غریب کس گنتی میں ہوں۔ خدائے تعالےٰ تو اس پر قادر ہے کہ مجھ سے ہزار درجہ تمہیں بلند فرمائے"۔ وہ سب ایمان لے آئے۔ مسلمان ہو گئے اور خواجہ عثمان ہارونی کی مبارک صحبت میں رہے۔ اُن میں سے ہر ایک اللہ کا ولی ہو گیا کہ ان کی نظروں میں عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب منکشف ہو گیا۔
خواجہ عثمان ہارونی صاحب ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے۔ ستّر سال کی مدت تک کسی وقت نفس کو پیٹ بھر کر پانی اور کھانا نہ دیا۔ رات کو نہ سوئے۔ تین چار روز کے

بعد روزہ افطار کرتے۔ کبھی تین کبھی چار اور کبھی پانچ لقمے کھانے کے تین انگلیوں سے کھاتے اور فرماتے کہ اُس درویش پہ افسوس جو رات بھر سوئے، دن بھر کھائے اور پھر خود کو درویش جانے اور درویشوں کا خرقہ پہنے۔

نقل ہے کہ خواجہ عثمان ہارونی نے دس سال تک خود کو کھانا نہ دیا اور سات روز کے بعد منہ بھر ایک گھونٹ پانی پیتے اور عرض کرتے کہ خدایا ہمیں نفس کے ظلم سے بچا۔ نفس مجھ پہ غالب آنا چاہتا ہے۔ مجھ سے پانی مانگتا ہے تو اُسے ایک گھونٹ منہ بھر پانی دے دیتا ہوں"۔ خواجہ عثمان ہارونی سماع میں بہت روتے اور کبھی کبھی زرد پڑ جاتے آنکھوں کا پانی خشک ہو جاتا اور جسم مبارک میں خون نہ رہتا۔ ایک نعرہ زور سے لگاتے اور آپ پہ وجد طاری ہو جاتا۔

نقل ہے کہ اس وقت کا خلیفہ خانوادہ سہروردیہ میں مرید تھا اور سماع سے روکتا تھا۔ ایک دربان خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ خواجہ جنید نے سماع سے توبہ کرلی ہے۔ اگر سماع روا ہوتا تو آپ سماع سے توبہ نہ کرتے جب کہ خواجہ جنید سات سال کی عمر میں مقامِ اجتہاد تک پہنچ چکے تھے۔ جب آپ نے سماع سے توبہ کی ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ سماع سے توبہ کریں اور سماع کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ جو شخص سماع سے باز نہ آئے اُسے پھانسی پہ چڑھائیں اور قوالوں کو قتل کر دیں"۔ خواجہ عثمان ہارونی نے کہا کہ سماع ایک سر ہے ان اسرار میں سے جو بندے اور مولیٰ کے درمیان ہیں۔ اگر ہم سماع سے توبہ کریں گے گنہگار نیک کو بد کہنے والے۔ اور اپنے مشائخ کی پیروی سے باز رہنے والے ہوں گے۔ لہٰذا ہم سماع سے توبہ نہ کریں گے۔ ہم علماء کی مجلس میں حاضر ہوں گے اور دیکھیں گے کہ وہ ہمارے سماع کو (دلائل سے) قبول کرتے ہیں یا نہیں"۔ خلیفہ نے (پھر) دربان کو بھیجا کہ تشریف لائیے۔ خواجہ نے استخارہ کیا اور چل کر علماء کی مجلس میں تشریف لائے۔

علماء نے جوں ہی آپ کا چہرۂ مبارک دیکھا ان پہ دہشت غالب آ گئی علم فراموش ہو گیا کہ انہیں حروفِ تہجی بھی یاد نہ رہے اور ان میں سے ہر ایک خواجہ عثمان ہارونی

کے پیروں پر گر پڑا اور فریاد کی کہ آپ کو سماع مباح ہے کہ آپ اللہ والوں میں سے ہیں"۔ خواجہ عثمان نے فرمایا کہ جس زمانے میں خواجہ جُنَید نے سماع سے توبہ کی تھی یہ نہ فرمایا تھا کہ سماع اہل سماع کے لیے بھی حرام ہے۔ اس وقت کہ خواجہ ناصر الدین چشت میں تھے۔ فرمایا کہ اگر جُنَید چشت میں ہوتے یا ناصر الدین بغداد میں، تو جُنَید نے سماع سے توبہ نہ کی ہوتی۔ لہٰذا ہمارے مشائخ نے توبہ نہ کی اور ہر ایک نے سماع سُنا۔ حضرت جُنَید (کہ جُداگانہ سلسلہ رکھتے ہیں اُن) کی توبہ ہم پر حجّت نہیں"۔ تمام علماء نے خواجہ کے پیروں پہ اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ "ہم سب آپ کے بسر وغلام ہیں جو راستہ جناب نے اختیار فرمایا ہے وہی ہمارا مطلوب ہے"۔ خواجہ نے اُن علماء پر لطف و کرم کی نگاہ ڈالی کہ ان میں سے ہر ایک اللہ والا ہوا، اُس پہ علمِ لدُنّی کے دروازے کھُل گئے اور ہر ایک نے دنیا اور دنیاداروں کو چھوڑ دیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔ خلیفہ نے جب یہ کرامت دیکھی تو کہا کہ "خواجہ سے کہو کہ وہ اپنے مشائخ کے اتباع میں سماع سُنیں اور ہم اپنے مشائخ کی پیروی میں اس سے توبہ کرتے ہیں۔"

خواجہ مکان پر تشریف لائے، قوّالوں کو طلب کیا اور سماع شروع کرایا اور ایک ہفتہ تک شب و روز خلیفہ، صوفیوں کے ساتھ سماع سنتے رہے۔ خلیفہ کو اس کی خبر ہوئی تو کہا کہ "ہم خواجہ عثمان ہارونی پر معترض نہیں، وہ سماع سُنیں گے مگر دوسرے کی کیا مجال اور کیا حوصلہ کہ سماع سُنے"۔ پھر قوّالوں کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ اگر تم کسی کے سامنے گاؤ گے تو ہم تمہیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ پھر ہر ایک کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا۔ اب حضرت خواجہ اپنے مریدوں سے فرماتے کہ اشعار اور غزلیں اپنی اپنی دلکش آواز میں گاؤ"۔ چنانچہ خواجہ عثمان ہارونی غزلوں کی آواز میں سماع سُنتے، نعرہ لگاتے" اور وجد میں آتے۔ مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت سماع کی از سرِ نَو بنیاد کیوں نہیں ڈالتے"۔ خواجہ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں جن کا نام محمّد اور لقب قاضی حمید الدین ناگوری ہے۔ علمِ طریقت و معرفت میں کمال رکھتے

ہیں۔ سماع کی بنیاد نو، وہ رکھیں گے۔ وہ سہروردی ہیں۔ سماع کی ممانعت بھی سہروردیوں کی جانب سے ہوئی ہے لہٰذا ابتدا بھی اب انہیں کی جانب سے ہو گی تاکہ انہیں چشتیوں کی قدر و منزلت معلوم ہو۔

قاضی حمید الدین ناگوری کے سماع کا ذکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ذکر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

خواجہ عثمان ہارونی کی عمر کافی تھی۔ آپ نے سفر بھی بہت کیے۔ جب حضرت خواجہ شریف زندنی کی خدمت میں پہنچے تو عرض کیا کہ "بندۂ عثمان کی تمنا ہے کہ حضور والا کے مریدوں میں شمار کیا جائے"۔ خواجہ حاجی شریف زندنی نے قبول کیا۔ خلافت کی کلاہ چار ترکی عنایت کی۔ قینچی (بالوں پر) چلائی اور فرمایا کہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے کلاہ چار ترکی استعمال فرمائی ہے۔ تمام کائنات کو خدا کی محبت میں چھوڑ کر فقر و فاقہ کو اختیار فرمایا ہے۔ فقیروں اور غریبوں سے محبت رکھی ہے۔ لہٰذا جو شخص کلاہ چار ترکی سر پر رکھے، اسے چاہیئے کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے اور ہر شخص کو اپنے آپ سے برتر جانے۔ جو شخص تکبر اختیار کرے اور اپنی فوقیت چاہے وہ درویش نہیں نفس پرست ہے۔ راہنما نہیں، رہزن ہے۔ مشائخ کے خرقہ کے لائق نہیں، چور ہے۔ اہلِ نعمت نہیں، بے نصیب ہے۔ مشائخ اس سے بیزار ہیں۔ درویشی کا لباس اس پر حرام ہے۔ اُسے خرقہ پہننا جائز نہیں اور نہ کلاہ چار ترکی سر پر رکھنا اور مرید کرنا"۔ خواجہ عثمان ہارونی نے شیخ کی نصیحت قبول کی اور گوشہ نشین ہو کر ذکر لا الہ الا اللہ میں مشغول ہو گئے۔ تین سال کے بعد خواجہ حاجی شریف زندانی نے خلافت کی کملی پہنائی اور فرمایا کہ اسے عثمان تمہیں ہم نے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں پیش کیا۔ تمہیں پسند فرمایا گیا ہے"۔ پھر خواجہ حاجی شریف زندانی نے اسمِ اعظم جو اپنے مرشد سے حاصل کیا تھا خواجہ عثمان کو سکھا دیا۔ کہ علم معرفت کے اسرار اور شریعت و طریقت و حقیقت کے رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔

نقل ہے کہ جب خواجہ عثمان ہارونی نماز ادا کر لیتے تو غیب سے آواز آتی کہ ہم

نے تمہاری نماز پسند کی۔ مانگو کیا مانگتے ہو"۔ خواجہ عرض کرتے کہ "خدایا تجھے چاہتا ہوں"۔ آواز آتی کہ اے عثمان! میں نے جمالِ لازوال تمہارے نصیب کیا کچھ اور مانگو کیا مانگتے ہو"۔ عرض کرتے کہ "الٰہی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگاروں کو بخشش دے۔ آواز آتی کہ "امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے تیس ہزار گنہگار تمہاری وجہ سے بخشے۔ آپ کو پانچوں وقت یہ بشارت ملتی۔

سولہویں سیر خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔ آپ خواجہ عثمان ہارونی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔

نقل ہے کہ خواجہ معین الحق والدین حسن سجزی[1] علم کامل رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف خراسان کے اطراف و نواح میں بہت ملتی ہیں۔ ستر سال تک رات کو آرام نہ کیا اور نہ پُشت زمین سے لگائی۔ ستر سال تک آپ کا وضو سوائے حاجتِ انسانی کے نہ ٹوٹا۔ آنکھیں عموماً بند رکھتے۔ نماز کے وقت کھولتے اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہو جاتا۔

نقل ہے کہ خواجہ فرمایا کرتے کہ "جو شخص میرا یا میرے فرزندوں کا مرید ہوگا معین الدین جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگا۔ جب تک وہ جنت میں نہ چلا جائے"۔ لوگوں نے عرض کیا کہ فرزندوں سے مراد آپ کے خلفاء ہیں یا اولاد؟ فرمایا کہ فرزندوں سے مراد قیامت تک ہونے والے (فرزندانِ معنوی) یعنی خلفاء ہیں۔

نقل ہے کہ خواجہ معین الدین نے فرمایا کہ میں حرمِ کعبہ میں مشغولِ (ذکر) تھا۔ ہاتف نے آواز دی کہ معین الدین "ہم تم سے راضی ہیں۔ ہم نے تمہیں اور تمہارے اہلبیت کو بخشا"۔ میرے لیے مبارک وقت[2] تھا۔ میں نے عرض کیا "الٰہی میری ایک

---

[1] سجزی: سیستان کی طرف منسوب ہے جو لوگ سنجری کہتے ہیں یہ خود غلط ہیں ۱۲

[2] صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وقت اس حالت کا نام ہے جو حضور قلب اور یادِ الٰہی میں طاری ہوتی ہے ۱۲

آرزو اور بھی ہے"۔ ندا آئی طلب کرو کہ ہم بخشیں"۔ میں نے عرض کیا کہ خدایا جو شخص معین الدین اور اس کے مریدوں کے مرید ہوں انہیں بھی بخش دے"۔ ہاتف نے آواز دی کہ معین الدین جو تمہارا اور تمہارے مریدوں کا مرید ہے۔ قیامت تک" ہم نے سب کو بخشا"۔ خواجہ معین الدین کو سماع کا ذوق تھا۔ آپ بہت سماع سنتے بلکہ جو شخص آپ کی پاک صحبت میں ہوتا وہ بھی سماع سننے لگتا اور اس کا اہل ہو جاتا۔

نقل ہے کہ خواجہ نے بہت سفر کیئے تھے اور بکثرت مشائخ سے ملے تھے۔ جب آپ بغداد پہنچے تو پوچھا کہ اس شہر میں باعظمت اور اہلِ کرامات، بزرگ کون ہے"۔ لوگوں نے بالاتفاق کہا کہ اس زمانہ میں، اس شہر میں، خواجہ عثمان ہارونی کے مثل کوئی نہیں۔ خواجہ معین الدین، خواجہ عثمان ہارونی کی خانقاہ میں حاضر آئے۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت شیخ عثمان ہارونی نماز پڑھنے خواجہ جُنید بغدادی کی مسجد میں تشریف لے گئے ہیں"۔ خواجہ معین الدین، خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں تشریف لائے اور قدمبوسی کی دولت حاصل کی۔ مسجد کے اندر خواجہ عثمان ہارونی کی مجلس میں بڑے بڑے مشائخ کرام موجود تھے۔ خواجہ عثمان نے فرمایا اے معین الدین دو رکعت نماز پڑھو اور قبلہ رو بیٹھ جاؤ۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر خواجہ عثمان نے فرمایا کہ "چہرہ آسمان کی طرف کرو"۔ آپ نے آسمان کی جانب چہرہ کیا۔ اس کے بعد خواجہ عثمان نے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہم نے تمہیں خدا تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد کلاہِ بیعت خواجہ معین الدین کے سر پر رکھی۔ گلیم خاص عطا کی اور فرمایا اے معین الدین! سورۂ اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھو"۔ آپ نے ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی۔ اس کے بعد خواجہ عثمان نے فرمایا ہمارے خانوادہ میں ایک دن رات کا خاص مجاہدہ ہے۔ تم ایک دن رات اس میں مصروف رہو"۔ آپ ایک دن رات اس میں مصروف رہے کہ حجاب نظر سے اُٹھا دیا گیا اور آپ مقامِ مشاہدہ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد خواجہ عثمان نے آپ کو خلافت بخشی، اپنا جانشین بنایا اور مشائخ کے معمولات آپ کو تلقین کیئے۔ اس کے بعد ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ

الہٰی معین الدین کو قبول کر اور اپنی بارگاہ کا مُقرّب بنا! آواز آئی کہ اے معین الدین تم ہمارے مقبولِ بارگاہ ہو۔ ہم نے تمہارا نام محبوبوں کے دفتر میں لکھا اور تمہیں مشائخ کا سردار کیا۔

آپ بیس سال تک خواجہ عثمان کی خدمت میں حاضر رہے۔ کلامِ ربانی کے حافظ تھے۔ ہر دن اور ہر رات میں قرآن شریف ختم کرتے۔ ہر مرتبہ جب قرآن ختم ہوتا ہاتف آواز دیتا کہ ہم نے تمہارا ختم قبول کیا۔" خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہٗ لکھتے ہیں کہ خواجہ معین الدین کی مجلس میں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احمد کرمانی، شیخ محمد اصفہانی، مولنا بہار الدین بخاری، مولنا احمد بغدادی، خواجہ اجل سنجری، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ احمد محمد چشتی، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمد احمد اصفہانی، شیخ اوحد کرمانی، شیخ احمد واحد، شیخ برہان الدین غزنوی، خواجہ سلیمان عبدالرحمٰن وغیرہم مشائخ بغداد اور گرد و نواح کے اور مشائخ کبار، خواجہ معین الدین کی قدمبوسی کو حاضر ہوتے اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے۔"

ستر ہویں سیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہٗ کے بیان میں۔

آپ خواجہ معین الدین چشتی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔

نقل ہے کہ خواجہ قطب الدین کے مریدوں کی نظر اکسیر نعمت تھی۔ جو شخص خواجہ کے مریدوں کا منظورِ نظر ہو جاتا اسی دوران ولی اللہ بن جاتا۔ خواجہ قطب الدین بختیار ماں کے پیٹ سے بہرہ ور، بانصیب پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ خواجہ میرے پیٹ میں تھے۔ ہر آدھی رات کو میرے پیٹ میں حرکت کرتے اور یا اللہ یا اللہ یا اللہ کی آواز نکالتے۔ اور میں آدھی رات سے ایک پہر تک یہ آواز سنتی آدھی رات کے وقت خواجہ پیدا ہوئے تمام گھر نور سے بھر گیا اور آپ کی والدہ پر ہیبت چھا گئی۔ خواجہ نے سر اٹھایا تو وہ روشنی آہستہ آہستہ کم ہو گئی۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے خواجہ کی والدہ! یہ ہمارے اسرار کی روشنی ہے جو تمہارے فرزند

کے دل میں ہم نے رکھے ہیں تاکہ وہ ہمارے نور کے اسرار سے منور ہو جائے۔
جب حضرت خواجہ چار سال چار مہینے چار دن کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں بھیجا۔ خواجہ معین الدین چشتی نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہ کی تختی لی کہ کچھ لکھ دیں۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے معین الدین ہمارے قطب کی تختی لکھتے ہیں ذرا توقف کرو کہ حمیدالدین ناگوری آتے ہیں۔ ہمارے قطب کی تختی وہی لکھیں گے اور وہی تعلیم دیں گے" اس روز خواجہ قطب الدین اُوش (بروزن موش۔ ایک قصبہ ہے جو سمرقند اور چین کے درمیان ولایت فرغانہ میں ہے) میں تھے اور قاضی حمیدالدین ناگور میں۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے حمیدالدین اُوش جاؤ۔ ہمارے قطب کی تختی لکھو اور انہیں تعلیم دو"۔ قاضی حمیدالدین نے آنکھیں بند کیں اور پلک جھپکتے اُوش میں پہنچے۔ خواجہ معین الدین نے جب قاضی حمیدالدین کو دیکھا تو ان کی تعظیم کی، کھڑے ہوئے اور تختی آپ کے ہاتھ میں دی۔ قاضی حمیدالدین نے خواجہ قطب الدین سے پوچھا کیا لکھوں؟ جواب دیا کہ لکھیے " سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا کہ سُبحان الذی تو پندرھواں پارہ ہے تم نے قرآن کس سے پڑھا؟ جواب دیا کہ میری والدہ کو پندرہ پارے یاد ہیں۔ پیٹ میں میری نظر والدہ کے دل پر پڑی میں نے وہاں سے بتوفیقہ تعالیٰ یاد کر لیا۔ قاضی حمیدالدین نے تختی پر لکھا سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً (الی آخر سورہ)۔ چار روز میں قاضی حمیدالدین نے خواجہ کو قرآن ختم کرا دیا اور فرمایا "بابا قطب الدین خدائے تعالیٰ نے تمہیں تمام علم بچپن ہی میں بخش دیا ہے کہ تم خدا کے دوستوں میں سے ہو"۔ پھر خواجہ قطب الدین کو حضرت خواجہ معین الدین کے حوالہ کیا اور کہا کہ " آپ ان کی پرورش فرمائیں کہ قطب الدین آپ ہی کے مرید ہیں"۔ خواجہ معین الدین نے قبول کیا اور قاضی حمیدالدین واپس تشریف لے گئے۔

یہ قاضی حمیدالدین مخدوم شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سُہروردی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ راستے میں جا رہے تھے کہ ایک چڑیا کو دیکھا کہ اس کی چونچ میں بارہ سُوراخ ہیں اور ہر سوراخ سے جدا جدا آواز آتی ہے۔ آپ نے جب اس کی آواز سُنی تو مدہوش و بے خود و مست ہو کر رقص کرنے لگے۔ خضر علیہ السلام حاضر تھے۔ جب قاضی حمیدالدین رقص سے فارغ ہوئے۔ خواجہ خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ رقص جو آپ نے کیا اور یہ سماع جیسا کہ آپ نے سنا آپ سے پہلے لوگوں نے بھی سُنا ہے۔" قاضی حمیدالدین پر سماع کا کیف طاری تھا۔ حضرت خضر سے فرمایا کہ کہیں سے قوالوں کو موجود کیجئے تاکہ ہم سماع سنیں"۔ خواجہ خضر نے فرمایا کہ جب سے خواجہ جُنَید بغدادی نے توبہ کی اور اللہ کی رحمت سے واصل ہوئے اسی روز سے بغداد میں سماع ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ جو شخص سماع سنتا ہے اُسے پھانسی پر چڑھاتے اور قوالوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ لیکن خاندانِ چشت میں خواجہ جُنَید بغدادی کے بعد خواجہ ناصرالدین چشتی اور خواجہ قطب الدین مودود نے سماع سُنا ہے اور خواجہ عثمان ہارونی نے بھی سُنا ہے۔

قاضی حمیدالدین نے سات غلام "خوش الحان" بازار سے خریدے انہیں اپنی غزلیں یاد کرائیں اور وہ سب غلام ان غزلوں کو دلکش و بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ قاضی حمیدالدین سماع سنتے اور رقص کرتے۔ جو گرامی قدر مفتیانِ وقت معترض ہوئے اور کہا کہ سماع شرعاً ممنوع ہے جُنَید بغدادی نے سماع سے توبہ کی ہے"۔ قاضی حمیدالدین نے کہا کہ خواجہ جُنَید نے سماع سُنا ہے اور جو بزرگ ان کے زمانے میں تھے انہوں نے بھی سماع سُنا ہے۔ جب اہلِ سماع فوت ہو گئے تو آپ نے توبہ کر لی لہٰذا ان کی توبہ ہم پر حجت نہیں جب کہ جُنَید نے خود سماع کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ سماع کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو فرمایا کہ بندہ اللہ کے تقرّب کے لیے جو کام بھی کرے وہ مباح ہے" جب علماء نے دیکھا کہ قاضی حمیدالدین سماع پر فریفتہ ہیں۔ اس روایت کے بموجب

سماع کو از سرِ نو جاری کر دیں گے" تو ان سے کہا کہ دہلی میں علم کی قلت ہے اور یہاں اسلام نیا نیا آیا ہے۔ آپ کو بغداد جانا چاہیئے" تو قاضی حمید الدین بغداد تشریف لے گئے۔

بغداد میں اس وقت سات سو علماء اہلِ فتویٰ موجود تھے۔ جب کہ بغداد ہی میں قاضی حمید الدین کے ایک مرید تھے جو بڑے معزز اور صاحبِ ثروت تھے۔ آپ انہیں کے مکان پر فروکش ہوئے۔ مکان کا ایک حجرہ بند تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اس حجرہ میں کیا ہے۔ جواب دیا کہ بانسری بجانے والا میرا ایک دوست ہے جس کا یہی پیشہ ہے۔ قتل کے خوف سے ہم نے اسی حجرہ میں اسے بند کر رکھا ہے"۔ قاضی حمید الدین بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اے بھائی میں تو سماع کا شیدائی ہوں اس نَے نواز کو حجرہ سے نکالو اور کہو کہ بانسری بجائے"۔ (یہ وہ وقت تھا کہ) حضرت جُنیدؒ کے وصال کو دو سو برس گذر چکے تھے اور کسی نے بغداد میں سماع نہ سنا تھا۔ (آپ کے ارشاد پر) نے بجانے والا حجرہ سے باہر آیا اور نَے بجائی۔ قاضی حمید الدین سماع میں مدہوش ہو گئے۔ اُدھر قاضئ شہر اور اہلِ فتویٰ علماء کو اس کی خبر پہنچی۔ تو قاضی نے اطلاع بھیجی کہ جس شخص نے سماع سُنا ہے اسے حاضر کرو۔ جب قاضی کا فرستادہ آیا اور اُس نے قاضی حمید الدین کی کیفیت دیکھی تو قسم کھا کر بولا کہ یہ شخص ضرور سماع کو دوبارہ رائج کر دیگا القصہ قاضی حمید الدین کی جب وہ حالت جاتی رہی تو قاضی کے پیامبر سے کہا کہ اے عزیز جاؤ اور قاضی سے کہو کہ "کل مجلس کا اہتمام کریں اور علماء کو بھی بلائیں۔ حمید الدین بھی حاضر ہوگا۔ اگر حمید الدین سماع کا اہل ہوگا تو سماع سُنے گا ورنہ جہاں اتنے آدمیوں کو تم نے پھانسی پر چڑھایا ہے حمید الدین کو بھی چڑھا دینا"۔ قاضی کا فرستادہ واپس گیا اور سارا ماجرا بیان کر دیا۔ جسے اُن سب نے قبول کر لیا۔ جب قاضئ علماء، مفتیانِ شہر، اکابر اور بالانشین اعلیٰ عہدیدار وغیرھم سب آ گئے تو اہلِ فتویٰ نے دریافت کیا کہ آپ سماع سنتے ہیں۔ تو کیا اس دبے ہوئے فتنہ کو

پھر اُبھار رہے ہیں ؟" قاضی حمید الدین نے جواب دیا کہ "ہاں ہم سماع سنتے اور علمائے ثلثہ کی روایت کے مطابق سماع کو مباح کہتے ہیں۔ رہے امام اعظم، تو امام اعظم کے قول پر شراب حرام ہے مگر پیاسے کو جب انتہائی پیاس میں، پانی میسّر نہ ہو تو شراب مباح ہے۔ اگر اس نے بوقت ضرورت (بقدر ضرورت) نہ پی تو گنہگار اور اپنے نفس کو ہلاک کرنے والا ہوگا جب کہ نفس کا ہلاک کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اسی طرح امام اعظم کے قول کے بموجب غمزدوں اور دردمندوں کو سماع جائز ہے مگر بے فکروں اور نفس پروروں کیلئے حرام ہے۔ پھر امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی شخص ملالِ قلبی کے دور کرنے کے لیے سماع سنے تو جائز ہے جب کہ اہلِ سماع کے لیے سماع، ہر ایک کے نزدیک جائز ہے خواہ وہ امام اعظم ہوں یا امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اہلِ فتویٰ علماء نے جب یہ کلمات سنے تو عرض کیا کہ اے قاضی حمید الدینؒ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے سب کتب معتبرہ سے ماخوذ ہے مگر ہمیں اب کوئی ایسی دلیل درکار ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ بھی دردمند ہیں کہ آپ کے دل کا ملال، بغیر سماع کے شفا نہیں پا سکتا۔" قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ مزامیر حاضر کریں۔ اتفاقاً قاضی حمید الدین کے مرید کے گھر میں بہتر بانسریاں اور ساز تھے۔ سب موجود کیے گئے۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ اے "مزامیر! اگر ہمارا درد دل بغیر تمہاری آواز کے ٹھیک نہیں ہوتا تو بغیر سازندہ کے بجنے لگو۔" (پھر کیا تھا) ہر ساز سے آواز آنے لگی اور تمام حاضرینِ مجلس حتّٰے کہ علماء اور مفتی صاحبان اور قاضی صاحبان پر حالت طاری ہوگئی اور سب رقص کرنے لگے۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ آپ تمام صاحبان سماع کو حرام کہتے تھے اب آپ نے سماع کے اسرار دیکھے اور اہل درد کے مرض کا معائنہ کیا۔" چنانچہ تمام علماء و مفتیانِ کرام نے تحریری فتویٰ دیا کہ مُباحٌ لِاَھلِہٖ سماع اہلِ سماع کے لیے حلال ہے اور اس پر دستخط کر دیئے۔ غرضیکہ اس واقعہ میں بھی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ روحہٗ کی معرفت کا بیان ہے۔

نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو چالیس روز متواتر خواب میں دیکھا اور یوں کہ مشائخ کی ارواح بھی آپ کے ہمراہ ہیں - اور آپ ارشاد فرماتے کہ اے معین الدین ! بختیار کاکی خدا کے محبوب ہیں انہیں خلافت دو اور خرقۂ گلیم پہناؤ" - اور ایک رات حضرت ذوالجلال کا خواب میں دیدار ہوا تو ارشاد ہوا کہ اے معین الدین ! قطب الدین بختیار کو خرقۂ گلیم عنایت کرو اور انہیں خلافت دو اس لیے کہ وہ میرا محبوب اور محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کا دوست ہے" - چنانچہ خواجہ قطب الدین ابھی نوجوان تھے اور داڑھی بھی خوب نمایاں نہ ہوئی تھی کہ خواجہ معین الدین نے آپ کو خرقہ پہنایا، اپنا خلیفہ بنایا اور فرمایا کہ دہلی جاؤ - ہم نے تمہیں تمام مشائخ کا سردار بنایا اور ہم خدائے تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ تمام درویش تمہارے گرویدہ ہوں - تمہارے روبرو باادب (بانصیب) ہیں اور تم سے فیوض و برکات پائیں"۔

خواجہ جب دہلی پہنچے تو اس وقت عمر مبارک سترہ سال تھی - اُدھر قاضی حمید الدین نے خواب میں دیکھا کہ دہلی میں ایک آفتاب طلوع ہوا اور قاضی حمید الدین ناگوری کے گھر اترا ہے - جب آپ بیدار ہوئے تو خواب کو دوستوں پر دہرایا اور یہ تعبیر دی کہ آفتاب دنیا بھر کو روشنی بخشتا ہے، اگر آفتاب نہ ہو تو دنیا میں اندھیرا رہے - لامحالہ اس شہر میں کوئی صاحبِ نعمت و باکرامت درویش پہنچا ہے کہ اس کی فیض رسانی اطرافِ عالم میں ایسی ہی ہے جیسے تمام آفاق میں سُورج کی روشنی - اور وہ درویش خواجہ حمید الدین کے مکان پر آئے گا اور وہیں قیام کرے گا - پھر خود فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ پُر نعمت و باکرامت درویش خواجہ قطب الدین بختیار ہیں - کہ میرے دماغ میں اُن کی خوشبوئے محبّت آرہی ہے -

جب خواجہ قطب الدین دہلی پہنچے تو ایک نانبائی کے مکان پر قیام فرمایا اور اُجرت پر کام شروع کر دیا - قحط کا زمانہ تھا - بادشاہ کے خزانے سے کئی من آٹا اُس نانبائی کے یہاں آیا کہ روغنی روٹیاں (کاک) پکائے - نانبائی نے روٹیاں تنور میں سینکنے

کے لیے رکھیں اور خود سونے چلا گیا۔ اتفاقاً تمام روٹیاں جل گئیں اور فرمانِ شاہی کے مطابق (حکومت کے کارندوں نے) نانبائی کے گلے میں دستار باندھ کر سختی اور شدت سے کھینچا کہ قحط کے زمانے میں اتنا کھانا برباد کر دیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ بھائیو اس نانبائی کو چھوڑ دو، میں تمہاری روٹیاں ٹھیک کر کے دیئے دیتا ہوں"۔ آپ کے ارشاد کے بموجب اُن لوگوں نے نانبائی کو چھوڑ دیا اور کہا کہ تم ہی ہماری روٹیاں ٹھیک کر کے دیدو۔ خواجہ نے تمام روٹیاں تنور میں دوبارہ ڈال دیں اور جب وہ روٹیاں تنور سے نکالیں تو تمام روٹیاں سفید اور ٹھیک تھیں۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو آپ کی ملاقات کو آیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ اسے عزیز! میں بے چارہ کس شمار میں ہوں کہ تم میری ملاقات کو آئے ہو۔ بادشاہ نے کہا اسے خواجہ! آپ تمام درویشوں کے بالانشین ہیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ جب تجھے مجھ پہ اتنا اعتقاد ہے تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ دنیا کی محبت تیرے دل سے سرد ہو جائے اور تو ایک صاحبِ نعمت درویش بن جائے"۔ خواجہ نے جوں ہی یہ بات فرمائی بادشاہ کے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہی اور وہ اللہ والا ہو گیا اور اس کی نظر عرش سے تحت الثریٰ تک جا پہنچی۔ خواجہ قطب الدین کو اسی وجہ سے کاکی کہتے ہیں۔

جب خواجہ نے جلی ہوئی روٹیاں ٹھیک کر دیں (اور اس کی شہرت ہوئی) تو لوگ گروہ در گروہ خواجہ کی ملاقات کو آنے لگے۔ خواجہ اس نانبائی کی دکان سے گھبرا کر تشریف لے گئے اور قاضی حمید الدین کے مکان پہ پہنچے۔ قاضی حمید الدین نے آپ کو اپنی آغوش میں لیا۔ خوش ہوئے اور کہا کہ میں تو مشتاقِ ملاقات تھا۔ کچھ ہی دن ہوئے کہ ہماری مشامِ جان کو آپ کی محبت کی خوشبو پہنچی تھی"۔ اور پھر قاضی صاحب نے قوالوں کو حاضر کیا اور سماع شروع ہوا۔ خواجہ پہ سماع کی کیفیت طاری ہوئی اور بہت مخلوق جمع ہو گئی۔ جب سماع موقوف ہوا تو قاضی حمید الدین نے خواجہ سے کہا کہ مخلوق کا کھانا بھی ہونا چاہیئے"۔ خواجہ نے اپنی دونوں آستینیں جھاڑ دیں۔ جتنے لوگ وہاں موجود تھے، ان میں سے ہر ایک کے روبرو

ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی گرم گرم، معہ حلوے کے مہیا ہو گئیں۔ مخلوق اور بھی زیادہ معتقد ہو گئی۔ مولانا موج جاجر نے کہا کہ شربت بھی ہونا چاہیئے۔ کوئی شخص آدھ سیر شکر قاضی حمیدالدین ناگوری کے لیے لایا تھا۔ قاضی صاحب نے وہی شکر ایک ٹونٹی والے برتن میں ڈال دی اور پھر سات بڑے پیالے پانی اس میں ڈالا اور کہا کہ ہر شخص سیر ہو کر آرام آرام سے پیئے۔ ہزارہا مخلوق نے سیر ہو کر شربت پیا اور سات کا سات پیالے شربت اس میں باقی رہا۔

نقل ہے کہ جب سلطان شہاب الدین کا انتقال ہوا اور سلطان شمس الدین اس کی جگہ بیٹھے تو خواجہ قطب الدین اور قاضی حمیدالدین کی ملاقات کو حاضر آئے۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا کہ اے شمس الدین تمہیں چاہیئے کہ فقیروں، غریبوں، مسکینوں اور درویشوں سے اچھی طرح پیش آؤ۔ مخلوقِ خدا پہ مہربانی اور رعیت کی پرورش کرو کہ جو شخص رعیت کی پرورش اور مخلوقِ خدا پہ مہربانی کرتا ہے اللہ تعالےٰ اُسے دنیا میں زیادہ باقی رکھتا ہے اور اس کے تمام دشمنوں کو دفع فرماتا ہے۔ سلطان شمس الدین نے اسے قبول کیا۔

نقل ہے کہ ایک روز قاضی سادہ اور قاضی عماد کہ اہلِ علم میں سے تھے مجلس سماع میں حاضر ہوئے۔ قاضی حمیدالدین سماع سُن رہے تھے اور خواجہ قطب الدین حلقۂ سماع میں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اُن دونوں حضرات نے (مزاحاً) کہا کہ "اَمرد یعنی بے ریش نوخیز کو مجلسِ سماع میں نہ آنا چاہیئے"۔ خواجہ قطب الدین نے تبسّم کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیرا۔ فوراً بال نمودار ہو گئے۔ قاضی سادہ اور قاضی عماد حیرت میں ڈوب گئے کہ یہ کیسی عجیب کرامت و ولایت اور نعمت ہے کہ خواجہ قطب الدین نے ہمیں دکھائی۔ دونوں سلطان شمس الدین کے پاس آئے اور آپ کی داڑھی نکلنے کا تمام واقعہ سلطان کے سامنے دُہرایا۔ سلطان شمس الدین اور زیادہ معتقد ہو گیا اور کہا کہ خواجہ قطب الدین اور قاضی حمیدالدین اہلِ سماع ہیں، کوئی اُن سے کچھ نہ کہے۔

نقل ہے کہ سلطان شمس الدین کے بھانجے شیخ سعدالدین تنبولی (پان والے) ایک باعظمت شہزادے تھے۔ جنہیں سلطان شمس الدین نے بیٹا بناکر پرورش کیا تھا قاضی حمیدالدین کے پاس شاہزادوں کی سی آن بان سے حاضر آئے اور عرض کیا کہ "بندہ چاہتا ہے کہ آپ کے مریدوں کے سلسلے میں داخل ہو جائے"۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا کہ "ہم درویش ہیں اور تم شہزادے اور مال و دولت والے ہو۔ ہمارے تمہارے مابین کوئی مناسبت اور لگاؤ ہی نہیں۔ واپس جاؤ اور جو لوگ بادشاہوں کو دوست رکھتے ہیں ان کے مرید ہو جاؤ"۔ وہ فوراً واپس ہو گیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایک غلام کو ساتھ لیے قاضی کے مکان پر بیعت کے لیے حاضر آیا۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا "کہ اب بھی تم سے دنیا کی بو آتی ہے"۔ شیخ سعدالدین تنبولی پھر لوٹ گئے اور کچھ عرصہ بعد پیدل ہاتھ میں ایک گلدستہ لیے ہوئے قاضی حمیدالدین کے مکان پر آئے۔ آپ نے فرمایا کہ "اے سعدالدین تم خوش نصیب آدمی ہو۔ آؤ۔ اچھے وقت پر پہنچے۔ اے سعدالدین میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو۔ سات مرتبہ قل ھواللہ شریف پڑھو اور زمین کی طرف دیکھو"۔ آپ کی نظر تحت الثریٰ تک پہنچی۔ پھر فرمایا کہ "سات مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھو اور آسمان کی طرف دیکھو"۔ (اس سے) ان کی نظر عرش سے بالا تک پہنچی۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا "آج اتنا ہی کافی ہے۔ اللہ نے چاہا تو مقام مطلوب تک پہنچ جاؤ گے"۔ اس کے بعد سعدالدین کے سر پر ٹوپی رکھی اور سات پیوند لگی ہوئی کملی عطا فرمائی۔ شیخ سعدالدین نے جب قاضی حمیدالدین کی گلیم پہنی تو ان کا دل دنیا کی طرف سے ٹھنڈا پڑ گیا اور درویشی کے درجے تک پہنچ گئے۔

ادھر سلطان شمس الدین کو خبر ہوئی کہ میرا بھانجا قاضی حمیدالدین ناگوری کا مرید ہو گیا ہے تو وہ اپنی شاہانہ شان و شوکت سے قاضی حمیدالدین اور خواجہ قطب الدین کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ دونوں حضرات وضو سے فارغ ہو کر دوگانہ تحیۃ الوضو ادا کر رہے تھے۔ جب سلطان شمس الدین نے قدمبوسی کر لی اور ادب سے بیٹھ گئے تو بولے کہ "بندہ بھوکا ہے"۔ قاضی حمیدالدین نے خادم سے فرمایا کہ کھانا اگر موجود

ہو تو لے آؤ۔" سلطان نے کہا کہ بندہ کو غیب سے کھانا دیجئے۔ قاضی نے تبسم کیا اور خواجہ قطب الدین سے فرمایا کہ بادشاہ سلامت کو غیب سے کھانا دیجئے۔ خواجہ قطب الدین نے آستین میں ہاتھ ڈالا۔ دو سفید گرم روغنی روٹیاں نکالیں اور سلطان شمس الدین کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ قاضی حمید الدین نے اُس جگہ سے جہاں وضو کیا تھا۔ کچھ کیچڑ اٹھا لی وہ حلوا ہو گئی اور بادشاہ کو دے دی گئی۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین نے شیخ سعد الدین سے فرمایا کہ پان بھی ہونا چاہیئے۔ شیخ سعد الدین نے آستین میں ہاتھ ڈالا اور چھالیہ کتھا چونا لگا ہوا پان سلطان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ پان بھی عالمِ غیب سے تھا۔ سلطان شمس الدین نے کہا کہ میں آپ کی بارگاہ کا کتا ہوں۔ اگر تمام لشکری یہ روٹی اور حلوا اور پان کھالیں تو بڑا اچھا ہو۔" خواجہ نے فرمایا کہ اپنے لشکریوں سے کہو کہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف کر لیں۔ بادشاہ کے حکم کے بموجب تمام لشکر نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف کر لیے۔ خواجہ قطب الدین نے اپنی دونوں آستینیں جھاڑیں ہر شخص کے ہاتھ پر دو دو روٹی پہنچ گئیں اور اس کیچڑ سے حلوہ پیدا ہوا۔ شیخ سعد الدین نے بھی اپنے ہاتھ جھاڑے تو ہر ایک کے ہاتھ پر چھالیہ کتھا، چونا لگا ہوا پان پہنچا۔ شیخ سعد الدین کو اسی وجہ سے تنبولی کہتے ہیں۔ سلطان نے اپنی سونے کے کام کی ٹوپی سر سے اتاری اور کہا کہ بندہ شمس الدین چاہتا ہے کہ قاضی حمید الدین کا مرید ہو۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ حمید الدین کوئی بازی گر نہیں کہ تماشا دکھائے اور مخلوق کو اپنا معتقد بنائے۔ اگر تمہیں مجھ پر اعتقاد ہوتا تو یوں ہمارا امتحان نہ لیتے۔" سلطان نے بہت منت زاری کی کہ بندہ سے جو قصور ہوا ہے اُسے معاف فرمایا جائے مگر حضرت قاضی حمید الدین نے سلطان کو مرید نہ کیا۔ سلطان نے چھ مہینے تک خانقاہ کے درویشوں کی خدمت کی لیکن قاضی حمید الدین نے سلطان کو مرید نہ کیا۔ خواجہ قطب الدین نے سلطان کو اپنی بیعت میں لے لیا۔

خواجہ قطب الدین کے مناقب و خصائل اور اُن کے فضائل کوئی شخص لکھے تو دفتر بھر جائیں۔ لوگ نقل کرتے ہیں کہ خواجہ کی وفات کے وقت ایک روز قاضی

حمیدالدین کی خانقاہ میں سماع تھا۔ بڑے بڑے مشائخ اور نامور علماء موجود تھے اور قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر نفس از غیب جانے دیگر است

اس شعر پر خواجہ قطب الدین پہ وجد طاری ہو گیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور نعرہ مارنا چاہا کہ قاضی حمیدالدین نے خواجہ کا منہ بند کر دیا اور کہا کہ کیا دنیا کو جلانا چاہتے ہو۔ خواجہ نے منہ بند کر لیا اور اسی سے آپ کا تمام بدن پھنک گیا۔ ۱۴ ربیع الاول دو شنبہ کو چاشت کے وقت، اور ایک روایت کے مطابق ظہر کے وقت ۶۳۵ھ میں خواجہ قطب الدین نے اپنی جان حق کو سونپ دی اور اس دارِ فنا سے عالمِ بقا کی جانب رحلت فرمائی۔

قاضی حمیدالدین سے وفات نامہ خواجہ قطب الدین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ منکر نکیر آئے اور نہایت ادب سے بیٹھ گئے۔ اسی دوران دو فرشتے اور آ گئے حق تعالیٰ کا سلام مرحمت خواجہ قطب الدین کو پہنچایا۔ پھر ایک وثیقہ لکھا ہوا نکالا اور خواجہ کو دے دیا۔ اُس میں لکھا تھا کہ "اے قطب الدین ہم تم سے راضی ہیں اور تمہاری برکت کے باعث ہم نے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام گنہگاروں کی قبروں سے عذاب اُٹھا لیا۔ اس لیے کہ زندوں نے تم سے بہت فیض اٹھایا ہے مُردے بھی تم سے فیض پائیں اور تمہاری قدر جانیں"۔ اس کے بعد پھر دو فرشتے پہنچے اور خواجہ قطب الدین کو اللہ تعالیٰ کا سلامِ مغفرت پہنچایا اور منکر نکیر سے کہا کہ "فرمانِ الٰہی ہے کہ ہمارے قطب سے سوال مت کرو۔ ہم نے خود ہی ان سے سوال کر لیا اور انہوں نے جواب دے دیا ہے تم لوٹ جاؤ"۔

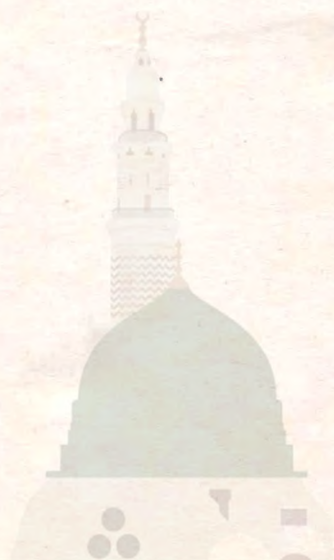
الحمد للّٰہ کہ یہ رسالہ "سبع سنابل" مناقبِ مشائخ کے ذکر پر مشتمل، مرتب ہوا۔ فقیر نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ تک مشائخ چشت کے تھوڑے تھوڑے حالات لکھے ہیں۔ اور مخدوم شیخ فرید گنج شکر قدس سرہٗ سے لے کر اپنے مرشد تک کچھ نہ کچھ مناقب، دوسرے سنبلہ میں

لکھ دیئے ہیں۔ تمنا یہ ہے کہ جس طرح میری زندگی مشائخ کی یاد میں بسر ہوئی یوں ہی میری موت بھی انہیں حضرات کے ذکرِ خیر میں آئے۔

خدایا ہمارے مشائخ اور سادات کے چہروں کو اپنے وجہِ کریم کے نور سے منور فرما۔ خدایا ان کی آنکھوں کو اپنی ذاتِ قدیم کے جمال سے ٹھنڈا رکھ۔ الٰہی ان کے درجات کو اعلیٰ علیین میں بلند فرما۔ خدایا انہیں حق الیقین کی حقیقت عطا فرما۔ اے خدا انہیں نبیوں کے گروہ میں اٹھا۔ اے خدا انہیں اپنی رضائے اکبر تک پہنچا۔ سچائی کی جگہ میں اُن کے قدرت والے رب کے قرب میں۔ یا اللہ ان کی پاکیزہ اور معزز روحوں کو ہم سے راضی کر دے۔ یا اللہ انہیں ہماری جانب سے تسلیم و سلام پہنچا۔ اے اللہ ان کی برکات سے ہمیں بہرہ ور کر اور اے اللہ اُن کی فتوحات ہم پہ دائم رکھ۔" اور عرضِ آخر یہ ہے کہ جب میں ان کے معاملات کی سچائی کا مطالعہ کروں اور ان کی ریاضات و عبادات پہ نظر دوڑاؤں اور ان کے درجات و مقامات کو معلوم کروں تو (اگر مجھ میں کوئی محرومی ہو) اپنی محرومی و بے نصیبی پر آگاہ ہو جاؤں اور خود پسندی و خود ستائی کی جانب نہ دوڑوں۔ اور ہماری توفیق اللہ عزوجل ہی کی مدد پہ ہے۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

الحمد للہ کہ ترجمۂ رسالہ مبارکہ سبع سنابل شریف ۹ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ کو شروع ہوا اور آج ۲۹ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ کو بخیر و خوبی تمام ہوا اور پھر تقریباً اڑتیس سال بعد اس پہ نظرِ ثانی کا آغاز ہوا جس کا اختتام یکم ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ یوم ہفتہ ہوا۔ اللہ عزوجل قبول فرمائے اور اسے ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی عفی عنہ، سابق خادم مدرسہ قاسم البرکات جماعت اہلسنت۔ سرکار کلاں، مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حال دار العلوم احسن البرکات ٹرسٹ۔ حیدرآباد سندھ پاکستان


www.maktabah.org


www.maktabah.org